یہ نغمہ فصل گل ولالہ کا نہیں پابند

بہار ہو کہ خزاں لاالہ الا اللہ

اگر چہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں

مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ

لاکون من الصادقین

حکم اذاں

ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی

ترجمہ:- مستجاب احمد انصاری

ای بک کمپوزنگ :- حافظی

نیٹ ورک :- شبکۃ الامامین الحسنین(ع) نیٹ ورک

بة ا ىلب

بسم الله الرحمان الرحيم

الحمد الله رب العالمين - الرحمن الرحيم مالک يوم الدين - ايا ک نعبد وايا ک نستعين - إهدنا الصراط المستقيم وصلّ على محمد خاتم النّبيّين - الذى ارسلته رحمة للعالمين وانزلت عليه كتابا لاريب فيه هدى للمتقين وسلّم على أهل بيته المطهرين الذين جعلت صراط الذين أنعمت عليهم غيرالمغضوب عليهم ولاالضّالّين .

بسمه سبحانه تعالی

نیلہ و

میری کتاب "لم شّ اهتدیت" (جس کا اردو ترجمہ تجلی ہے)کو قارئین کرام نے حسن قبول سے نوازا اور اس پر کئی اہم تبصرے بھی کیۓ ۔بعض نے ان مسائل کے بارے میں جو اہل سنت اور اہل تشیع میں اختلافی ہیں مزید وضاحت چاہی تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے ۔ اور جو شخص تحقیق کرنا اور حقیقت سے واقف ہونا چاہے ، اس کے لئے کوئی شک اور ابہام باقی نہ رہے ۔

اس لئے میں نے ایک اور کتاب اسی طرز پر لکھی ہے ۔ تاکہ انصاف پسند تحقیق کا طالب بہ آسانی حقیقت تک اسی طرح رسائی حاصل کرے ۔ میں نے تمام لی ب و ا ، کے ۔ ر حا ل کی ہے ۔ بر ت کے لئے میں اپنی کتاب کا نام " لاکون – ا ادیّن" ر ا ہے ، جو اس آیت کریمہ سے ماخوذ ہے :

"یآیّها الّذین آمنوا اتّقواالله وکونوا مع الصّادقین"[1]

ظاہر ہے کہ حضرت رسول ص اور ان کی آل پاک ع سے بڑھ کر اور کون سچا ہوسکتا ہے ۔ مسلمانوں میں سے جو بھی ان سچوں کا ساتھ دینے سے انکار کرے گا وہ خود کو راہ راست سے دور ہٹا ہوا پائے گا اور اس طرح یا تو مغضوب علیہم کے زمرے میں شامل ہوگا یا ضالّین کے زمرے میں ۔

مجھے ذاتی طور پر اس بات کا یقین اور اطمینان ہوگیا ہے ۔اب میری کوشش یہ ہے کہ جہاں تک بن پڑے دوسروں کے لیے بھی یہ بات واضح کردوں مگر میں کسی پر اپنی رائے ٹھونسنا نہیں چاہتا بلکہ دوسروں کی رائے کا بھی احترام کرتا ہوں ۔

----

(1):- اے ایمان والو! تقوی اپناؤ اور سچوں کے ساتھ ہوجاؤ ۔(سورہ توبہ ۔آیت 119)

کچھ لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ میں نے اپنی پہلی کتاب کا نام "ثمّ اھتدیت" کیوں رکھا ؟ ان کا کہنا ہے کہ یہ اہل سنت کو اشتعال دلانا ہے ،کیونکہ اگر انھوں نے ہدایت نہیں پائی تو مطلب یہ ہوا کہ وہ ضلالت میں مبتلا ہیں ۔ میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ پہلی بات یہ ہے کہ قرآن شریف میں ضلالت کا لفظ بھول چوک کے معنی میں آیا ہے ۔ ارشاد ہے :

"قال علمها عندربّي في كتابٍ لايضلّ ربّي ولاينسى"[1]

ایک اورجگہ آیا ہے:"ان تضلّ إحداهما فتذكّرإحداهما الأُخرى"[2]

اسی طرح قرآن کریم میں ضلالت کا لفظ بحث وتفتیش کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے ۔ اپنے پیارے رسول ص کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا :"ووجدك ضآلّا فهدى"[3]. جیسا کہ معلوم ہے، بعثت سے قبل مدتوں میں رسول اللہ ص کا طریقہ یہ تھا کہ آپ اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر کئی کئی راتیں حقیقت کی تلاش میں غار حرا میں بسر کیا کرتے تھے ۔ انھی معنوں میں آپ کا یہ قول بھی : "الحكمة ضآلّة المومن أينما وجدها أخذها"[4]

اس کتاب کا نام ان ہی معنوں پر محمول کیاجائے ۔ثمّ اھتدیت یعنی میں نے حقیقت کی تلاش کی اور اللہ نے مجھے اس تک پہنچا دیا ۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب ہم اللہ سبحانہ کا یہ قول پڑھتے ہیں کہ

----

(1):- اس کا علم میرے پروردگار کے پاس کتاب میں ہے ۔میرے پروردگار سے کبھی بھول چوک نہیں ہوتی ۔ (سورہ طہ ۔آیت 52)

(2):- اگر ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلادے ۔(سورہ بقرہ ۔آیت 282)

(3):- آپ کو حقیقت کی تلاش میں پایا تو آپ کو اس تک پہنچا دیا ۔(سورہ ضحی)

(4):- حکمت مومن کی گمشدہ متاع ہے ، جہاں ملتی ہے لے لیتا ہے ۔

"وإنّي لغفّارلّمن تاب وآمن وعمل صالحا ثمّ اهتدى"[1] تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ہدایت پانے والے کی گمراہی کا تعلق احساس نہیں ہوسکتا ۔ کیونکہ جس نے توبہ کی ، ایمان لایا اور نیک عمل کیے اسے ضالّ یا گمراہ نہیں کہا جاسکتا ۔ یہ الگ بات ہے کہ اسے ولایت اہل بیت کی طرف ہدایت نصیب نہ ہوئی ہو ۔

رہتی یہ بات اور سخن یہ بات یہ ہے کہ بالفرض جسے ولایت اہل بیت کے قبول کرنے کی ہدایت نہیں ملی وہ ضال ہے اس معنی میں کہ ضلالت ہدایت کی ضد ہے تو یوں ہی سہی ۔ یہ تو وہ حقیقت ہے جس سے اکثر لوگ بھاگتے ہیں ، خوش دلی سے اس کا سامنا کرنا نہیں چاہتے اور حق کو خواہ کڑوا ہی کیوں نہ ہو برداشت کرنے کو تیار نہیں ہیں ورنہ اس حدیث رسول کے کیا معنی ہیں کہ :"ترکت فیکم الثقلین کتاب الله وعترتي اهلبيتي ما ان تمسكتم بهما لن تضلّوابعدي ابدا"[2] جو ان دونوں میں سے ایک کے ساتھ تمسک نہیں کرے گا اس کے ضال ہونے کے بارے میں یہ حدیث واضح اور صریح ہے ۔

بہر حال مجھے تو یقین اور اطمینان ہے کہ بھٹکا ہوا تھا اور اللہ کے فضل سے مجھے کتاب خدا اور عترت رسول ص سے تمسک کی ہدایت نصیب ہوئی ۔ فالحمد لله الّذي هدانا لهذا.

میری پچھلی کتاب کی طرح اس کتاب کا نام بھی قرآن کریم سے ماخوذ ہے ، جو سب سے سچّا اور سب سے اچھا کلام ہے ۔ میں نے اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے اگر وہ مکمل طور پر حق نہیں بھی ہے ، جب بھی وہ حق سے اس قدر نزدیک ہے جتنا امکانی طور پر ہوسکتا ہے ، کیونکہ اس میں ان باتوں کا تذکرہ ہے جن پر شیعہ اور سنی دونوں کا اتفاق ہے اور جو دونوں کے نزدیک ثابت اور صحیح ہیں ۔

----

(1):- میں یقیناً اس کو بخش دوں گا جس نے توبہ کی ایمان اور نیک عمل کیے اور پھر ہدایت پا گیا ۔(سورہ طہ ۔آیت 82)

(2):- میں تم میں دوگراں قدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں : ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری عترت میرے اہلبیت ۔ جب تک تم ان دونوں کا دامن تھامے رہوگے کبھی گمراہ نہیں ہوگے ۔

میں حریم اقدس الہی میں دعا کرتا ہوں کہ وہ ہم مسلمانوں کو خیرالامم بننے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم مہدی ع برحق کی قیادت میں قافلہ انسانیت کی نوروھدایت کی طرف رہنمائی کرسکیں ، وہی مہدی ع جن کے ظہور وانقلاب کی خبر دیتے ہوئے ان ے رکناہ ا رسول اللہ نے بتایا ہے کہ وہ ظلم وجور سے سسکتی بلکتی اس دنیا کو ایسا عدل نظام قائم کریں گے کہ ہر طرف انصاف کا دور دورہ ہوگا اور شیر اور بکری ایک گھاٹ میں پانی پئیں گے ۔

صراط علی حق نمسکه

واسب تا ی

بسم الله الرّحمن الرّحيم

والصلاة والسلام على أشرف المرسلين سيدنا ومولانا محمد وآله الطّاهرين.

دین ومذہب کی بنیاد عقائد پر ہوتی ہے جو ان افکار وتصورات کے مجموعے کا نام ہے جس پر اس دین کے ماننے والے ایمان لاتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں ۔ بعض عقائد کو بغیر کسی علمی اور عقلی دلیل کے تسلیم کرلیا جاتا ہے ، کیونکہ علم اور عقل دونوں محدود ہیں جب کہ اللہ تعالی کی ذات زمان ومکان ہر لحاظ سے لامحدود ہے اس کا احاطہ نہ علم کرسکتا ہے اور نہ عقل ۔ اس لئے ہر دین کے پیروکاروں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ کچھ ایسے امور پر بھی ایمان لائیں اور ان کی تصدیق کریں جو علم اور عقل کے معیار پر ظاہرا پورے نہیں اترتے ۔ مثلا آگ کا ٹھنڈک اور سلامتی کا موجب بن جانا جبکہ علم اور عقل کا اس پر اتفاق ہے کہ آگ گرم اور مہلک ہے ۔ یا کسی پرندے کے ٹکڑے کرکے ان ٹکڑوں کو پہاڑوں پر بکھیر دینا اور پھر بلانے پر ان پرندوں کا دوڑتے ہوئے آنا جبکہ علم وعقل کے نزدیک یہ سب ناممکن ہے ۔ یا اندھے ، جذامی اور پیدائشی نابینا کا حضرت عیسی ع کے ہاتھ پھیر دینے سے اچھا ہوجانا بلکہ مردے کا بھی زندہ ہوجانا ، جبکہ علم اور عقل نے جو ترقی کی ہے اس سے یہ ممکن ہوگیا ہے کہ مردہ آنکھ کو زندہ آنکھ سے اور مردہ دل کو زندہ دل سے بدل دیا جائے ، یعنی مردہ عضو کی جگہ زندہ عضو لگادیا جائے ۔ لیکن معلوم ہے ان دونوں باتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے ۔ کیونکہ یہ مردے کو زندہ سے بدلنا ہے اور وہ مردے کو زندہ کرنا ۔ بہ الفاظ دیگر ۔ ایک عمل اصلاح اور درستگی ہے اور دوسرا تخلیق ۔ اسی لئے

اللہ تعالی نے تحدّی کے ساتھ کہا :

"اے لوگو! تمہارے لیے ایک مثال بیان کی جاتی ہے ، اسے غور سے سنو! جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ سب مل کر بھی ایک مکھی تک تو پیدا کر نہیں سکتے "(1)

میں نے تو صرف وہی مثالیں بیان کی ہیں جو عقل اور علم سے ماوراء ہیں اور جن پر مسلمانوں ، یہودیوں اور عیسائیوں سب کا ایمان اور اتفاق ہے ۔اللہ تعالی نے اپنے نبیوں اور رسولوں کے ہاتھ سے معجزات اس لیے ظاہر کیے تاکہ لوگوں کو یہ سمجھایا جائے کہ ان کی عقلیں ہر چیز کا ادراک اور احاطہ کرنے سے قاصر ہیں ، کیونکہ اللہ سبحانہ نے ان کو علم کا صرف تھوڑا سا حصہ عطا کیا ہے اور شاید اسی میں ان کی بھلائی مضمر تھی اور ان کے جزوی مال کے مناسب یہی صورت تھی کیونکہ بہت سوں نے خدا ئے منعم کی نعمتوں کا انکار کیا ہے اور بہتوں نے تو خود اس کے وجود ہی کا انکار کر دیا ہے اور بہت سے اپنے غیر معمولی علم اور عقل کی بنا پر اتنے بڑے سمجھے گئے کہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر انھی کی پرستش کرنے لگے ۔یہ تو جب ہوا جب انسان کا علم بھی کم تھا اور اس کی عقل بھی ناقص تھی ۔ اگر اللہ تعالی انسان کو ہر چیز کا علم عطا کر دیتا پھر تو نہ جانے کیا ہوتا ۔

اس لئے میں نے اس کتاب میں اسلامی عقائد میں سے فی الجملہ انہی عقائد کو بیان کیا ہے جو قرآن وحدیث میں آئے ہیں اور جن کے بارے میں مختلف اسلامی فرقوں میں اختلاف پایا جاتا ہے ۔ ان ہی کے زیر اثر علم کلام وجود میں آیا اور وہ فلسفی مکاتب فکر نمودار ہوئے جنھوں نے عربی ادبیات کو ایسی میراث کی شکل عطا کر دی جس کی نظیر دوسرے ادیان میں شاید نایاب ہے یہ کارنامہ تنہا عربوں کا نہیں بلکہ اس کا سہرا ان تمام مسلمانوں کے سر ہے جنھوں نے اپنی زندگی ، عروج اور اسلامی عقائد کے دفاع میں صرف کر دی ۔

----

(1): يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَاباً وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ(سورہ ۔آیت 73)

شاید اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہوگا اگر میں یہ کہوں کہ بیشتر اسلامی عقائد علم اور عقل دونوں کے لئے قابل قبول ہیں ۔ میری اس بات میں اور جو کچھ میں نے اوپر کہا ہے ،کوئی تضاد نہیں ہے ۔ کیونکہ ان تمام امور میں ۔ جن کا ادراک علم اور عقل کے اپنے معیار سے نہیں کیا جاسکتا ۔ مسلمانوں کا علم اور اس کی عقل نصوص قرآنی اور احادیث نبوی کے تابع ہیں ۔

اسی بنیاد پر میں نے اپنی کتاب میں سب سے پہلے ان عقائد سے بحث کی ہے جن کا ذکر قرآن وحدیث میں ہے اور اس کے بعد ان عقائد کو لیا ہے جن کی بابت فریقین میں اختلاف ہے اور ان کی وجہ سے بغیر کسی جواز کے ایک نے دوسرے پر اعتراض کیا ہے ۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہم سب کو اپنی مرضیات پر عمل کی توفیق دے ، اور مسلمانوں میں اتحاد واتفاق پیدا کرے ۔

وهو ةعلى جمعهم اذايشاءقدير

ولاية على ابن ابي طالب حصني فمن دخل حصني أمن من عذابي

قرآن اہل سنّت اور اہل تشیّع کی نظر میں

قرآن کریم اللہ تعالی کا کلام ہے جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔ باطل کبھی اس کے نزدیک نہیں آسکتا، نہ سامنے سے نہ پیچھے سے۔ احکام، عبادات اور عقائد کے بارے میں قرآن مسلمانوں کے لیے مرجع اعلیٰ ہے، جو اس میں شک کرے، یا اس کی توہین کرے اسلام پر پھر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ قرآن کے تقدس، احترام اور بغیر طہارت کے اس کو چھونے کی ممانعت پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

لیکن اس کی تفسیر اور تاویل کے بارے میں مسلمانوں میں اختلاف ہے: شیعوں کے نزدیک قرآن کی تفسیر اور تاویل کا حق صرف ائمہ اہل بیت کو ہے۔ جبکہ اہل سنت اس سلسلہ میں یا تو صحابہ پر اعتماد کرتے ہیں یا ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک پر۔

قدرتی طور پر اس صورت حال کی وجہ سے احکام بالخصوص فقہی احکام میں اختلاف پیدا ہوا۔ کیونکہ خود اہلسنت کے چاروں مذاہب میں آپس میں کافی اختلاف ہے، تو یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ شیعوں اور سنیوں میں اور بھی زیادہ اختلاف ہو۔

میں نے کتاب کے شروع میں کہا ہے کہ اختصار کے پیش نظر میں شاید چند ہی مثالیں دے سکوں۔ اس لئے جو کوئی مزید تحقیق کا خواہشمند ہے، اس کے لئے ضروری ہے وہ سمندر کی تہ میں غوطہ زن ہو۔ تاکہ حسب توفیق کچھ جواہر پارے اس کے ہاتھ آسکیں۔

اہل سنّت اور اہل تشیّع کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کے سب احکام بتلادیئے ہیں اور اس کی تمام آیات کی تفسیر بیان کردی ہے، لیکن اس بات میں اختلاف ہے کہ آپ کی وفات کے بعد قرآن کی تفسیر

اور ۔ تاویل کے لئے س سے رجوع یا جائے ؟

اہل سنّت کہتے ہیں کہ سب صحابہ قرآن کی تفسیر کے بدرجہ اولی اہل ہیں اور ان کے ۔ ر تمام علماء ا ت اسلامیہ ۔ جہاں تک ۔ تاویل کا تعلق ہے تو اہل سنّت کی اکثریت کا کہنا یہ کہ "وما یعلم تاویله الّا اللّٰہ"

بجز اللہ کے کسی کو اس کی ۔ تاویل کا علم نہیں ۔ اس موقع پر مجھے وہ فتو یاد آ ئی جو ایک دفعہ میرے اور تیونس کے مشہور عام زغوانی کے ابین ہوئی تھی ۔ میں نے ان سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تھا جو حضرت موسی کے ملک الموت کو تھپڑ مارکر ان کی آنکھ نکال دینے کے بارے میں بخاری اور مسلم میں آئی ہے [(1)]

شیخ زغوانی بخاری پڑھانے اور اس کی شرح کے ماہر سمجھے جاتے تھے انھوں نے فوراً جواب دیا : جی ہاں ! یہ حدیث بخاری میں موجود ہے اور یہ حدیث صحیح ہے ۔ بخاری میں جو بھی حدیث ہے اس کی صحت کے بارے میں شک نہیں کیا جاسکتا ۔

میں نے کہا :- میں سمجھا نہیں ، کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اس کی تشریح فرمادیں !؟

وہ:- صحیح بخاری کتاب اللہ کی طرح ہے ، جو سمجھ سکتے ہو اسے سمجھ لو ، جو نہیں سمجھ سکتے اسے چھوڑ دو اور اس کا معاملہ خدا کے سپرد کردو ۔

میں :- صحیح بخاری س طرح قرآن کی طرح ہے ؟ ہم سے تو قرآن کو بھی سمجھنے کے لئے کہا گیا ہے ؟

وہ : هُوَ الَّذِيَ أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ في قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاء الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاء تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلاَّ اللّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلاَّ أُوْلُواْ الألْبَابِ [(2)]

----

(1):- صحیح بخاری جر 2 ص 163 باب وفات موسی اور مسلم جر 2 ص 300 باب فضائل موسی ۔

(2):- وہ وہی اللہ ہے جس نے آپ پہ کتاب نازل کی ۔ اس میں کچھ محکم آیتیں ہیں جن پر اصل کتاب----

میں بھی شیخ زغوانی کے ساتھ ساتھ تلاوت کررہا تھا ، میں نے الّا اللہ کے بعد پڑھا والرّاسخون فی العلم تو انھوں نے چیخ کر کہا ۔

وہ :- ٹھہرو! اللہ کے بعد وقف لازم ہے ۔

میں :- حضرت! واو عاطفہ ہے ، الراسخون فی العلم کا عطف اللہ پر ہے ۔

وہ:- یہ نیا جملہ ہے : والرّاسخون فی العلم یقولون آمنّا به کلّ من عند ربّنا [1] گویا وہ اس کی تاویل سے ناواقف ہوں ۔

میں :- حضرت! آپ تو بڑے عالم ہیں ، آپ کیسے اس مطلب کو تسلیم کرتے ہیں ؟

وہ:- اس لیے کہ صحیح تفسیر یہی ہے ۔

میں :- یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ سبحانہ نے ایسا کلام نازل کیا ہو جس کا مطلب صرف وہی جانتا ہے ۔آخر اس متن کی کیا ضرورت ہے ؟ ہمیں تو قرآن پر غور کرنے اور اس کو سمجھنے کا حکم دیا گیا ہے ۔ بلکہ قرآن نے تو لوگوں کو للکارا ہے کہ اگر ہو سکے تو اس جیسی کوئی آیت یا کوئی ایک سورت بناکر لے آؤ ۔ اگر اللہ کے سوا کوئی قرآن کو سمجھتا ہی نہیں تو پھر اس چیلنج کا کیا مطلب ہے ؟اس پر شیخ زغوانی ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے جو مجھے ان کے پاس لیکر گئے تھے اور کہنے لگے :" تم میرے پاس ایسے آدمی کو لے کر آئے ہو جو مجھے صرف لاجواب رکھنا چاہتا ہے ،وہ کوئی سوال پوچھنا نہیں چاہتا " پھر انھوں نے ہمیں یہ کہتے ہوئے رخصت کردیا کہ:" میں بیمار ہوں ، تم میری بیماری بڑھانے کی کوشش نہ کرو"۔ جب ہم ان

کا مدار اور کچھ متشابہ آیتیں ہیں ۔ اب جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ اس کے اسی حصے کے پیچھے ہولیتے ہیں جو متشابہ ہے ۔ ان کا مقصد شورش پھیلانا اور متشابہ آیات کا غلط مطلب نکالنا ہے حالانکہ ان آیات کا صحیح مطلب کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے اور۔۔"(سورہ آل عمران ۔آیت 7)

(1):-اور راسخون فی العلم کہتے : "ہم تو اس پر ایمان لے آئے ۔یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے "

ے کر پاس سے نکلے تو میرے ساتھیوں میں سے ایک تو مجھ سے سخت خفا تھا ،باقی چپ میرے طرفدار تھے اور یہ رہے تھے کہ

علوم ہوگیا کہ بقول شخصی "شیعہ بالکل کورے ہیں " اب میں پھر اصل موضوع پر آتا ہوں ۔ قرآن کی تاویل نہ کرنے پر سب

اہل سنت کا اتفاق ہے ۔کیونکہ ان کے نزدیک قرآن کی تاویل کا علم صرف اللہ کو ہے ۔لیکن شیعہ کہتے ہیں کہ ائمہ اہلبیت ع

قرآن کی تفسیر اور تاویل دونوں کے اہل ہیں اور راسخون فی العلم سے وہی مراد ہیں اور وہی وہ اہل ذکر ہیں جن سے رجوع کرنے

کا اللہ نے ہمیں اس آیت میں حکم دیا ہے :" فَاسْأَلُواْ أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لاَ تَعْلَمُونَ"[(1)] اور یہی وہ ہیں جن کو اللہ نے

منتخب قرار دیا ہے اور انہیں کتاب کے علم کا وارث بنایا ہے ۔ارشاد ہے :" ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا "[(2)]

اسی بنا پر کے لئے رسول اللہ نے انہیں قرآن کا ہمدوش اور ثقلین میں سے ایک قرار دیا ہے اور ان سے تمسک کرنے کا سب

مسلمانوں کو حکم دیا ہے ۔ آپ نے فرمایا :

"تركت فيكم الثقلين كتاب الله وعترتي اهلبيتي ما ان تمسكتم بهما لن تضلّوابعدي ابدا"[(3)]

میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں ایک تو اللہ کی کتاب اور دوسری میری عترت میرے اہل بیت جب تک

تم ان کا دامن تھامے رہوگے ،میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے ۔

مسلم کے الفاظ ہیں :کتاب اللہ اور میرے اہلبیت ۔ میں تمہیں اپنے اہلبیت

----

(1):۔اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھ لو (سورہ نحل ۔آیت 43) تفسیر طبری جز 14 صفحہ 109 ، تفسیر ابن کثیر جز 2۔

(2):۔پھر ہم نے وارث بنایا کتاب کا ان کو جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا ۔(سورہ فاطر آیت 32)

(3)جامع ترمذی جز 5 صفحہ 329 ۔حدیث 3874 طبوعہ دارالفکر بیروت۔

ے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں ۔"آپ نے یہ الفاظ تین بار فرمائے [1]"

سچی بات یہ ہے کہ میرا رجحان شیعہ قول کی طرف ہے کیونکہ وہ زیادہ سمجھ میں آنے والا ہے ۔ قرآن کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ، اس کی تنزیل بھی ہے اور تاویل بھی ۔ یہ بھی ضروری ہے کہ صرف اہل بیت ع ہی کو اس کے سب علوم سے واقف ہونا چاہیئے کیونکہ یہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے کہ اللہ سبحانہ ، سب لوگوں کو قرآن کی سمجھ عطا کردے ۔اللہ تعالی نے خود فرمایا ہے :" وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلاَّ اللّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ"۔علمائے اسلام تک میں قرآن کی تفسیر میں اختلاف ہے ، مگر جیسا کہ خود اللہ نے گواہی دی ہے راسخون فی العلم قرآن کی تاویل سے واقف ہیں ۔اس لئے ان کے مابین قرآن کی تفسیر میں اختلاف نہیں ہوسکتا ۔

یہ بھی بالبداہت معلوم ہے کہ اہل بیت سب سے زیادہ عالم ، سب سے زیادہ پرہیزگار ،سب سے زیادہ متقی اور سب سے افضل تھے ۔ فرزدق نے ان کے بارے میں کہا ہے _

وإن عدّأهل التّقى كانواأئمّتهم

وإن قيل من خيرأهل الأرض قيل هم

اگر اہل تقوی کو گنا جائے تو یہ ان سب کے امام ہیں ۔ اوراگر پوچھا جائے کہ دنیا میں بہترین لوگ کون ہیں تو کہا جائے گا کہ یہی تو ہیں ۔

میں اس سلسلے میں صرف ایک مثال پر اکتفا کروں گا جس سے ظاہر ہوجائیگا کہ شیعہ وہی کچھ کہتے ہیں جو قرآن کہتا ہے اور جس کی تائید سنت نبوی سے ہوتی ہے ۔ آئیے یہ آیت پڑھیں ۔

اللہ تعالی فرماتا ہے :" فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌإِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ

----

(1):- صحیح مسلم جلد 2صفحہ 362 باب فضائل علی بن ابی طالب ع

لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ....."

میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کی جگہ کی ، اور اگر تم سمجھو تم یہ ایک بڑی قسم ہے ۔واقعی یہ ایک قابل احترام قرآن ہے ،ایک مخفی کتاب میں ، جسے کوئی مس نہیں کرسکتا سوائے ان کے جو پاک کیے گئے ہیں ۔(سورہ واقعہ آیات 75-79)

ان آیات سے بغیر کسی ابہام کے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ اہل بیت ع ہی ہیں جو قرآن کے چھپے ہوئے معنی سمجھ سکتے ہیں ۔

اگر ہم غور سے دیکھیں تو یہ قسم وجرب العزت نے کھائی ہے واقعی ایک بڑی قسم ہے بشرطیکہ ہم سمجھیں ، کیونکہ اللہ نے (دوسری سورتوں میں) قسم کھائی ہے ،عصر کی ، قلم کی ، انجیر کی، زیتون کی ،ان کے مقابلے میں مواقع النجوم یعنی ستاروں کی جگہوں کی یا ستاروں کی منازل کی قسم ، ایک بڑی قسم ہے کیونکہ ستاروں کی منازل اللہ کے حکم سے پر اسرار طور پر کائنات پر اثر انداز ہوتی ہیں ۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جب اللہ قسم کھاتا ہے تو یہ قسم کسی بات کی ممانعت کے لئے نہیں ہوتی بلکہ کسی بات کی نفی یا اثبات کے لئے ہوتی ہے ۔

قسم کے بعد اللہ سبحانہ زور دے کر کہتا ہے کہ واقعی یہ قابل احترام قرآن ، ایک کتاب مکنون میں ہے اور مکنون خفیہ یا چھپے ہوئے کو کہتے ہیں ۔ اس کے بعد ہے "لا یمسہ الا المطہرون" اس میں لا نفی کے لیے ہوسکتا ہے کیونکہ قسم کے بعد آیا ہے ۔ یمسہ کے معنی یہاں درک کرنے اور سمجھنے کے ہیں ، ہاتھ سے چھونے کے نہیں . جیسا کہ بعض کا خیال ہے ۔ دراصل مس اور لمس دو لفظ ہیں اور دونوں کے معنی میں فرق ہے ۔ ارشاد خداوندی ہے :- " إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَواْ إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُواْ فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ"[1]

----

(1):- جو لوگ متقی ہیں جب انہیں کوئی شیطانی خیال آتا ہے تو اللہ کو یاد کرتے ہیں جس سے انہیں یکایک سجھائی دینے لگتا ہے ۔ (سورہ اعراف ۔آیت 201)

دوسری جگہ ارشاد ہے :" الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لاَ يَقُومُونَ إِلاَّ كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ"(1)

ان آیات میں مسّ کا تعلق دل ودماغ سے ہے ہاتھ سے چھونے سے نہیں ۔ہم پوچھتے ہیں یہ کیسی بات ہے کہ اللہ سبحانہ ،قسم کھا کر کہتا ہے کہ قرآن کو کوئی چھو نہیں سکتا بجز اس کے جو پاک کئے گئے ۔ جبکہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ بنی امیہ کے حکمران افلاس ایمانی کے سبب توہین قرآن کے مرتکب ہوتے رہے ہیں اور ولید بن مروان نے تو یہاں تک کہا تھا کہ

" تم ہر جابر سرکش کو عذاب سے ڈراتا ہے اور میں بھی جابر اور سرکش ہوں، جامحشر میں اپنے رب سے کہہ دینا کہ ولید نے مجھے پھاڑ دیا تھا ۔"

ہم نے خود دیکھا ہے کہ جب اسرائیلوں نے بیروت پر قبضہ کیا تو انھوں نے قرآن پاک کو اپنے پیروں تلے روندا اور جلایا ۔ اس کے دل ہلادینے والی تصویریں ٹیلویژن پر دکھائی گئی ہیں ۔(2)

اس لئے یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالی قسم کھائے اور پھر قسم توڑے ۔البتہ اللہ سبحانہ ،نے اس کی نفی کی ہے کہ قرآن مکنون کے معانی کو کوئی نہیں سمجھ سکتا ہے ، بجز اس کے ان منتخب بندوں کے جنہیں ان سے چن لیا ہے وخب پاک کیا ہے ۔ اس آیت میں طہرون اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کا معنی ہیں :"وہ جو پاک کیے گئے " سورہ احزب میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے :
"إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ

----

(1):- جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ(قیامت میں)ایسے اٹھیں گے جیسے وہ اٹھتا ہے جو شیطان کے اثر سے خبطی ہوگیا ہو ۔ (سورہ بقرہ۔ آیت 275)

(2):-پاکستان جیسے اسلامی ملک میں بھی مذہبی وسیاسی جھگڑوں میں قرآن جلائے جاتے ہیں اور مسجدوں کی بے حرمتی کی جاتی ہے جو باعث شرم اور قابل مذمت ہے۔(ناشر)

وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً "

اللہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ اے اہلبیت تم سے رجس [(1)] کو دور رکھے اور تمہیں خوب پاک کردے ۔(سورہ احزاب ۔ آیت 32)

سوا س آیت میں "لا یمسہ الا طہرون" کے معنی ہیں کہ "قرآن کی حقیقت کو کوئی نہیں سمجھتا سوائے اہل بیت کے "

اسی لئے رسول اللہ ص نے ان کے بارے میں کہا ہے :
"النّجوم أمان لأهل الأرض من الغرق وأهل بيتي أمان لأُمتي من إختلافٍ فاذاخالفها قبيلةٌ مّن العرب اختلفوا فصاروا حزب الإبليس" ستارے زمین والوں کوڈوبنے سے بچاتے ہیں اور میرے اہلبیت ع میری امت کو اختلاف سے بچاتے ہیں ۔ جب عرب کا کوئی قبیلہ میرے اہلبیت ع کی مخالفت کرتا ہے تو اس قبیلے میں پھوٹ پڑجاتی ہے اور وہ ابلیس کی جماعت بن جاتا ہے ۔[(2)]

اس لیے شیعوں کا یہ کہنا کہ قرآن اہلبیت ع ہی سمجھتے ہیں بے بنیاد بات نہیں . یسا کہ اہل سنت دعوی کرتے ہیں کہ شیعہ تو جھوٹ بولتے ہیں اور اہلبیت ع کی محبت میں غلو کرتے ہین کیونکہ شیعوں کی تائید میں دلائل صحاح ستہ میں موجود ہیں ۔

سنت رسول ۔ اہل سنت و اہل تشیع کی نظر میں

سنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر قول ،فعل اور تقریر شامل ہے ۔ یہ مسلمانوں کے نزدیک اعتقادات ،عبادات اور احکامات کا دوسرا بڑا ماخذ ہے

----

(1):- برائی اور بری چیز کو رجس کہتے ہیں ۔رجس کی مختلف اقسام ہیں :- کوئی چیز طبعی طور پر بری ہوتی ہے مثلا مردار ۔یا عقلی طورپر مثلا جوا ۔اور یا شرعی طور پر ہی ہوتی ہے مثلا شرک ۔(ناشر)

(2):- یہ حدیث حاکم نے ابن عباس کے حوالے سے مستدرک علی الصحیحین جز 3 میں بیان کی ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی اسناد صحیح ہیں مگر بخاری اور مسلم نے یہ حدیث روایت نہیں کی ۔

اہل سنت واجماعت سنت نبوی کے ساتھ خلفائے راشدین یعنی ابوبکر ، عمر ، عثمان اور علی کی سنت کا بھی اضافہ کرتے ہیں

کیونکہ ان کے یہاں ایک حدیث ہے کہ

"عليكم بسنّتي وسنّة الخلفاء الرّاشدين المهديّين من بعدي عضّواعليها بالنواجذ.(1)

اس کی ایک بہت واضح مثال نماز تراویح ہے جس سے رسول اللہ نے منع کردیا تھا (2)مگر سنّی ،سنت عمر کی پیروی میں یہ نماز پڑھتے ہیں ۔

بعض اہل سنت واجماعت سنّت رسول کے ساتھ سنت صحابہ(تمام صحابہ بغیر کسی تفریق کے) کا بھی اضافہ کرتے ہیں ۔

کیونکہ ان کے یہاں ایک روایت ہے کہ "أصحابي كالنّجوم بأيّهم اقتديتم اهتديتم.(3)

حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے جس سے فرار ممکن نہیں کہ حدیث اصحابی کالنجوم شیعہ حدیث(4)"الأئمة من أهل بيتي كالنجوم بأيّهم اقتديتم اهتديتم"کے مقابلہ پر وضع کی گئی ہے ۔شیعہ حدیث کی معقولیت میں تو اس لئے شک نہیں کیونکہ ائمہ اہل بیت ع علم وزہد اور ورع وتقوی کے اعلی ترین معیار پر فائز تھے ۔ ان کے پیروکاروں کو تو چھوڑیئے ، اس کی گواہی تو ان کے دشمن بھی دیتے ہیں اور تاریخ اس حقیقت کا اعتراف کرتی ہے ۔لیکن حدیث اصحابی کالنجوم ایسی حدیث ہے جسے عقل سلیم قبول نہیں کرتی، کیونکہ صحابہ میں تو وہ لوگ بھی ہیں جو رسول اللہ کے بعد مرتد ہوگئے تھے (5)نیز

----

(1):- تم میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو دانتوں سے مضبوط پکڑنا ۔(مسند امام احمد بن حنبل جلد 4 صفحہ 126)

(2):- صحیح بخاری جلد 7 باب ما یجوز من الغضب والشدۃ لامراللہ ۔

(3):میرے اصحاب ستاروں کے مانند ہیں جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاجاؤگے ۔(صحیح مسلم باب فضائل اصحابہ اور مسند امام احمد بن حنبل جلد 4 صفحہ 398)

(4):- قاضی نعمان بن محمد ،دعائم الاسلام جلد 1 صفحہ 86 دارالمعارف ، مصر،

(5):- مانعین زکوٰۃ جن سے حضرت ابو بکر نے جنگ کی تھی ۔

یہ کہ اصحاب بہت سے امور میں ایک دوسرے کے خلاف تھے اور ایک دوسرے میں کیڑے نکالتے تھے [(1)]، ایک دوسرے پر لعنت کرتے تھے ،[(2)] بلکہ ایک دوسرے کے خلاف لڑتے تھے [(3)]، حتی کہ بعض صحابہ پر تو شراب نوشی،زنا اور چوری وغیرہ کے الزام میں حد جاری کی گئی تھی۔ ان حالات میں کوئی عاقل اس حدیث کو قبول کرسکتا ہے جس میں ایسے لوگوں کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے اور کوئی امام علی ع کے خلاف جنگ میں معاویہ کی پیروی کرسکتا ہے جبکہ رسول اللہ نے معاویہ کو امام الفئۃ الباغیہ کہا تھا [(4)]۔وہ شخص کیسے ہدایت یافتہ ہوسکتا ہے جو عمروبن عاص ، مغیرہ بن شعبہ اور بسر بن ارطاۃ کی پیروی کرے جنھوں نے اموی اقتدار کو مستحکم کرنے کے لئے بے گناہ مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی ۔کوئی بھی باشعور قاری جب حدیث اصحابی کالنجوم پڑھے گا تو اسے معلوم ہوجائے گا یہ گھڑی ہوئی حدیث ہے ۔ کیونکہ اس حدیث کے مخاطب صحابہ ہیں ۔ اور رسول اللہ یہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ " اے میرے اصحاب !میرے اصحاب کا اتباع کرنا ۔لیکن دوسری حدیث کے " اے میرے اصحاب ! ان ائمہ کا اتباع کرنا جو میرے اہل بیت ع میں سے ہیں کیونکہ میرے بعد وہ تمہاری رہنمائی کریں گے ۔" بالکل حق ہے ۔اس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں کیونکہ اس کے متعدد شواہد سنت رسول ص میں پائے جاتے ہیں ۔شیعہ کہتے ہیں کہ حدیث ""عليكم بسنّتي وسنّة الخلفاء الرّاشدين المهديّين من بعدي عضّواعليها بالنواجذ

سے مراد ائمہ اثنا عشر ہیں ۔ ان ہی سے تمسک اور انہی کا اتباع ، کلام اللہ سے تمسک اور کلام اللہ کے اتباع کی طرح ہے [(5)]

----

(1):- جیسے اکثر صحابہ حضرت عثمان پر طعن کرتے تھے ۔یہاں تک کہ عثمان کو قتل کردیا گیا ۔

(2):- جیسے معاویہ نے امام علی ع پر لعنت کرنے کا حکم دیا تھا ۔

(3):- جیسے جنگ جمل ، جنگ صفین اور جنگ نہروان وغیرہ ۔

(4):- حدیث کہ " عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا "

(5) صحیح ترمذی جز 5 صفحہ 328 ۔ صحیح مسلم جز 2 صفحہ 362 ۔خصائص امیرالمومنین امام نسائی ،کنز العمال جز 1 صفحہ 44۔ مسند امام احمد بن حنبل جز 5 صفحہ 189 ۔مستدرک حاکم جز 3 صفحہ 148 ۔صواعق محرقہ صفحہ 148۔ طبقات ابن سعد جز 2 صفحہ 194 ،طبرانی جز 1 صفحہ 131

میں نے عہد کررکھا ہے کہ جن روایات سے شیعہ استدلال کرتے ہیں میں ان میں سے صرف وہی روایات نقل کروں گا جو اہل سنت واجماعت کی صحاح میں پائی جاتی ہیں ورنہ شیعوں کی کتابوں میں تو اس سے کئی گنا زیادہ احادیث موجود ہیں اور ان کی عبارت بھی زیادہ واضح اور صاف ہے [1]۔

یہ بھی واضح کردوں کہ شیعہ یہ نہیں کہتے کہ ائمہ اہلبیت ع کو تشریع کا حق حاصل ہے یا ان کی سنت ان کا اپنا اجتہاد ہے بلکہ شیعہ یہ کہتے ہیں کہ ائمہ کے بیان کیے ہوئے سب احکام یا تو قرآن سے ماخوذ ہیں یا اس سنت سے جس کی تعلیم رسول اللہ نے امام علی ع کو دی تھی اور انہوں نے اپنی اولاد کو ۔ اس طرح ائمہ کا علم متوارث ہے ۔

اس ضمن میں شیعوں کے پاس بہت سے دلائل ہیں جن کی بنیاد ان روایات پر جو علمائے اہل سنت نے اپنی صحاح ، مسانید اور تاریخوں میں نقل کی ہیں ۔ یہاں ایک سوال باقی رہ جاتا ہے جو بار بار ذہن میں آتا ہے کہ اہل سنت واجماعت کیوں ان آیات کے مضمون پر عمل نہیں کرتے جو خود ان کے نزدیک صحیح ہیں ؟؟؟

پھر جس طرح اہل سنت اور اہل تشیع کے درمیان قرآن کی تفسیر میں اختلاف ہے اسی طرح ان کے درمیان احادیث کے معانی میں بھی اختلاف ہے ۔ مثلا خلفائے راشدین کے الفاظ آئے ہیں اور اس حدیث کو فریقین نے صحیح قرار دیا ہے ۔ لیکن اہل سنت کہتے ہیں کہ خلفائے راشدین سے مراد وہ چار خلیفہ ہیں جو رسول اللہ ص کے بعد مسند خلافت پر بیٹھے ۔ اور شیعہ کہتے ہیں کہ ان سے مراد بارہ خلفاء ہیں اور وہ ائمہ اہل بیت ع ہیں ۔

یہی اختلاف ان تمام اشخاص کے بارے میں ہے جن کو قرآن یا رسول ص نے پاک قرار دیا ہے اور مسلمانوں کو ان کے اتباع کا حکم دیا ہے ۔ اس کی مثال رسول اللہ

----

(1):- میں صرف ایک مثال دوں گا ۔ شیخ صدوق نے امالی اربعین میں بسند امام صادق ان کے آباء ان کے جدہ ایک روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

"میرے بعد بارہ امام ہوں گے : پہلے امام علی ع اور آخری امام قائم ہونگے"

کا یہ قول ہے کہ " علمائ امتی افضل من انبیاء بنی اسرائیل "(میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے پیغمبروں سے افضل ہیں)یا یہ قول کہ :" العلماء ورثة الأنبیاء" (علماء انبیاء کے وارث ہیں)[1]۔اہل سنت کے نزدیک یہ حدیث عام ہے اور اس کا مصداق سب علمائے امت ہیں ۔ جبکہ شیعوں کے نزدیک یہ حدیث صرف بارہ اماموں سے مخصوص ہے اور اسی بنا پر وہ ائمہ اثنا عشر کو اولوالعزم انبیاء کو چھوڑ کر سب انبیاء سے افضل قراردیتے ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ عقل کارجحان بھی اسی تخصیص کی طرف ہے اول تواس لئے کہ کلام الہی کے مطابق قرآن کی تاویل کا علم صرف راسخون فی العلم سے مخصوص ہے ۔ اسی طرح قرآن کے علم کا وارث بھی اللہ تعالی نے اپنے چیدہ وبرگزیدہ بندوں کو ہی قراردیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ تخصیص ہے ۔اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہل بیت ع کو " سفینة النجاة ۔ ائمة الہدی" اور" مصابیح الدجی" کہا ہے اور وہ ثقلین کا ثانی قراردیا ہے جو گمراہی سے بچانے والا ہے ۔

دوسرے اس لئے کہ اہل سنت والجماعت کا قول اس تخصیص کے منافی ہے جو قرآن اور حدیث نبوی سے ثابت ہے ۔ عقل بھی اس قول کو قبول نہیں کرتی کیونکہ اس میں ابہام ہے اس لئے کہ اس میں حقیقی علماء اوربناوٹی علماء میں فرق نہیں کیا گیا ہے ۔کون نہیں جانتا کہ یہاں وہ علماء بھی ہیں جنہیں اللہ تعالی نے ہمہ اقسام رجس سے پاک رکھا ہے اور وہ علماء بھی ہیں جنہیں اموی اور عباسی حکمرانوں نے امت پر سوار کردیا تھا ۔زیادہ واضح الفاظ میں یہ بھی کہاجاسکتا ہے کہ دو قسم کے علماء ہیں : ایک وہ جن کو علم لدنی عطا ہوا ہے ۔ اور دوسرے وہ جنھوں نے استادوں سے راہ نجات کی تعلیم حاصل کی ۔یہیں سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ تاریخ کسی ایسے استاد کاذکر نہیں کرتی جس سے ائمہ اہلبیت ع نے تعلیم حاصل کی ہو ۔ بجز اس کے کہ بیٹے نے باپ سے علم حاصل کیا ہے ۔ اس کے باوجود خود علمائے اہل سنت نے اپنی کتابوں میں ان ائمہ کی علمیت کی حیرت انگیز داستانیں بیان کی ہیں ۔خصوصا امام باقر ع ، امام صادق ع

----

(1):- صحیح بخاری جلد اول کتاب العلم اور صحیح ترمذی کتاب العلم

اورامام رضا ع سے متعلق ۔امام رضا ع کا تو ابھی لڑ پن ہی تھا جب انھوں نے اپنی کثرت معلومات چالیس قاضیوں کو مبہوت کردیا تھا جنہیں مامون نے ان کے مقابلے کے لئے جمع کیا تھا [1]۔

اسی سے یہ راز بھی آشکار ہوجاتا ہے کہ سنیوں کے مذاہب اربعہ کے اماموں میں تو ہر مسئلے میں اختلاف ہے اوراہل بیت ع کے بارہ اماموں میں کسی ایک مسئلہ میں بھی اختلاف نہیں ۔

رتیسری بات یہ ہے کہ اگر اہلسنت کی یہ بات تسلیم کرلی جائے کہ یہ آیات اور احادیث بلا امتیاز علمائے امت کے بارے میں ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وقت گزرنے کے ساتھ آراء اور مذاہب کی تعداد میں بے تحاشا اضافہ ہوتا چلاجائے گا ۔ شاید علمائے اہل سنت نے اپنی رائے کی اسی کمزوری کو بھانپ لیا تھا جس کی وجہ سے انھوں نے عقیدے کی تفریق سے بچنے کی خاطر ائمہ اربعہ کے وقت سے ہی اجتہاد کا دروازہ بندکردیا ۔

اس کے برعکس ، شیعوں کا نظریہ یہ اتفاق اور ان ائمہ سے وابستگی کی دعوت دیتا ہے ۔ جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے خصوصی طورپر ان سب علوم و معارف سے نوازا ہے جن کی ہرزمانے میں مسلمانوں کوضرورت ہوتی ہے ۔ اس لئے اب یہ کسی مدعی کی مجال نہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے کوئی غلط بات منسوب کرکے کسی نئے مذہب کی بنیاد ڈالے اور لوگوں کو اس کے اتباع پر مجبور کرے ۔اس مسئلے میں شیعہ ، سنی اختلاف کی نوعیت بالکل وہی ہے جو مہدی موعودسے متعلق احادیث کے بارے میں ان کے اختلاف کی ہے ۔ مہدی موعود سے متعلق حدیث کی صحت کے دونوں فریق قائل ہیں ۔

شیعوں کے یہاں مہدی کی شخصیت معلوم ہے ۔ یہ بھی علم ہے کہ ان کے باپ دادا کون ہیں ۔لیکن اہل سنت کے خیال میں ابھی تک کچھ معلوم نہیں کہ مہدی کون صاحب ہونگے ۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ آخری زمانے میں پیدا ہوں گے ۔یہی وجہ ہے کہ ابتک

----

(1):-العقدالفرید ابن عبد ربہ اور الفصول المہمہ ابن صباغ المالکی جلد 3۔

بہت سے لوگ مہدی ہونے کا دعوی کرچکے ہیں ۔خود ----------------ہادفی نے کہا کہ وہ منتظر مہدی ہیں ۔ یہ بات انھوں نے میرے ---------------میں کہی جو اس وقت انکا مرید تھا ۔ بعد میں شیعہ ہوگیا ۔

بہت سے اہل سنت اپنے بچے کا نام مہدی اس امید میں رکھتے ہیں کہ شاید وہی امام منتظر وموعود ہو ۔لیکن شیعوں کے یہاں یہ ممکن ہی نہیں کہ اب پیدا ہونے والا کوئی شخص ایسا دعوی کرے ۔کچھ لوگ اپنے بچے کا نام مہدی برکت کے لئے ضرور رکھتے ہیں جیسے بعض لوگ اپنے بیٹے کا نام محمد ،یا احمد ،یا علی رکھتے ہیں ۔شیعوں کے نزدیک مہدی کا ظہور خود ایک معجزہ ہے کیونکہ وہ اب سے بارہ سو سال پہلے پیدا ہوئے تھے ، اس کے بعد غائب ہوگئے ۔ اس طرح شیعہ خود بھی آرام سے ہوگئے اور انھوں نے مہدی ہونے کا دعوی کرنے والوں کے لئے بھی راستہ بند کردیا ۔اسی طرح بہت سی صحیح احادیث کے معنی میں بھی شیعوں اور سنیوں کے درمیان اختلاف ہے ۔ حتی کہ ایسی احادیث کے معنی میں اختلاف ہے جن کا تعلق اشخاص سے نہیں مثلا ایک حدیث ہے :"إختلاف أُمتي رحمة"

سنی کہتے ہیں : اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی فقہی مسئلہ فقہاء کے مابین اختلاف مسلمان کے لئے رحمت ہے کیونکہ اس طرح وہ مسئلہ کا وہ حل اختیار کرسکتا ہے جو اس کے حالات کے مناسب ہو اور اسے پسند ہو ۔ مثلا اگر کسی مسئلہ میں امام مالک کا فتوی سخت ہو تو وہ مالکی ہونے کے باوجود امام ابو حنیفہ کی تقلید کرسکتا ہے اگر اسے ان کا مذہب سہل اور آسان معلوم ہو ۔

مگر شیعہ اس حدیث کا مطلب کچھ اور بیان کرتے ہیں ۔ ان کے یہاں روایت ہے کہ جب امام صادق علیہ السلام سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے کہا کہ رسول اللہ نے صحیح فرمایا ۔ سائل نے پوچھا کہ اگر اختلاف رحمت ہے تو کیا اتفاق زحمت ہے ؟ امام صادق ع نے کہا : نہیں یہ بات نہیں تم غلط راستے پر چل پڑے اوراکثر لوگ اس حدیث کا مطلب غلط سمجھتے ہیں ۔ رسول اللہ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ" حصول علم کے لئے ایک دوسرے کے پاس جانا اور سفر کرنا رحمت ہے " آپ نے

اپنے قول کی تائید میں یہ آیت پڑھی :

" وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُواْ كَآفَّةً فَلَوْلاَ نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُواْ فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُواْ قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُواْ إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ"

ایسا کیوں نہ ہو کہ ہر جماعت میں سے ایک گروہ تحصیل علم کے لئے نکلا کرے تاکہ وہ دین کی سمجھ حاصل کرے ، پھر اپنی قوم کے لوگوں کے پاس واپس آکر ان کو ڈرائے ۔ کیا عجب کہ وہ غلط کاموں سے بچیں [1]۔ پھر فرمایا کہ اگر لوگ دین میں اختلاف کریں گے تو وہ شیرازی جماعت بن جائیں گے ۔ جیسا کہ ظاہر ہے ، یہ تفسیر اطمینان بخش ہے کیونکہ اس میں عقائد میں اختلاف کے بجائے اتحاد کی تعلیم دی گئی ہے ۔ یہ نہیں کہ لوگ جماعتوں اور گروہوں میں بٹ جائیں ایک اپنی رائے کے مطابق کسی چیز کو حلال قراردے تو دوسرا اپنے قیاس کی بنا پر اسی چیز کو حرام دے دے ۔ ایک اگر کراہت کا قائل ہو تو دوسرا استحباب کا تیسرا وجوب کا [2]عربی میں ان میں دو مختلف ترکیبیں استعمال ہوتی ہیں ۔

"إختلفت إليك "اور"إختلفت معك"

دونوں کے معنی میں فرق ہے ۔"إختلفت إليك "کے معنی ہیں : میں تیرے پاس آیا " اور "إختلفت معك" کے معنی ہیں" میں نے تیری رائے سے اختلاف کیا "۔

اس کے علاوہ اہل سنت والجماعت نے حدیث کا جو مفہوم اختیار کیا ہے وہ اس لحاظ سے بھی نامناسب ہے کہ اس اختلاف اور تفرقہ کی دعوت ہے جو قرآن کریم کی اس تعلیم کے منافی ہے جس میں اتحاد واتفاق اور ایک مرکز پر جمع ہونے کی تلقین کی گئی ہے ۔اللہ تعالی فرماتا ہے :

----

(1):-سورہ توبہ آیت 122

(2):- مالکیوں کے نزدیک نماز میں بسم اللہ پڑھنا مکروہ ہے ۔شافعیوں کے نزدیک واجب ہے ۔ حنفیوں اور حنبلیوں کے نزدیک مستحب ہے مگر کہتے ہیں کہ جہری نماز میں بھی آہستہ پڑھی جائے ۔

" وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ "

اور یہ تمہاری امت ایک امت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں اس لئے مجھ سے ڈرتے رہو۔(سورہ مومنون ۔آیت 52)

" وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعاً وَلاَ تَفَرَّقُواْ "

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور نااتفاقی نہ کرو۔(سورہ آل عمران ۔آیت 103)

" وَلاَ تَنَازَعُواْ فَتَفْشَلُواْ وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ "

آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ ناکام رہوگے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی ۔(سورہ انفال ۔آیت 46)

اس سے بڑھ کر اور کیا پھوٹ اور تفرقہ ہوگا کہ امت واحدہ ایسے مختلف فرقوں اور گرہوں میں بٹ جائے جو ایک دوسرے کی مخالفت کرتے ہوں ، ایک دوسرے کا مذاق اڑاتے ہوں بلکہ ایک دوسرے کو کافر کہتے ہوں یہاں تک کہ ایک دوسرے کا خون بہانا جائز سمجھتے ہوں ۔یہ کوئی خیالی بات نہیں بلکہ مختلف ادوار میں فی الواقع ایسا ہوتا رہا ہے جس کی سب سے بڑی گواہ تاریخ ہے اور امت میں پھوٹ کے اسی انجام سے خود اللہ تعالی نے ڈرایا ہے ۔چنانچہ ارشاد ہے :

" وَلاَ تَكُونُواْ كَالَّذِينَ تَفَرَّقُواْ وَاخْتَلَفُواْ مِن بَعْدِ مَا جَاءهُمُ الْبَيِّنَاتُ "

ان لوگوں کی طرح نہ ہوجاؤ جو دلائل آجانے کے باوجود آپس میں بٹ گئے اور ایک دوسرے سے اختلاف کرنے لگے ۔(سورہ آل عمران ۔آیت 105)

" إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُواْ دِينَهُمْ وَكَانُواْ شِيَعاً لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ "

جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور گروہ گروہ میں بٹ گئے ان سے تم کو کچھ کام نہیں ۔(سورہ انعام ۔آیت 160)

" وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ () مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ

وَكَانُوا شِيَعاً كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ "

مشرکوں میں سے نہ بن جانا ان لوگوں میں سے جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود فرقے فرقے ہوگئے ۔سب فرقے اسی سے خوش ہیں جو ان کے پاس ہے ۔(سورہ روم ۔آیت 31-32)

یہاں یہ کہنا بے محل نہ ہو گا کہ لفظ شیعا کا شیعہ سے کوئی تعلق نہیں ۔ جیسا کہ ایک سادہ لوح شخص نے سمجھا تھا جو ایک دفعہ میرے پاس آکر مجھے نصیحت کرنے لگا :" اے جان! خدا کے واسطے ان شیعوں کو چھوڑیئے ،اللہ ان سے نفرت کرتا ہے :اس نے اپنے رسول کو متنبہ کیا تھا کہ ان کے ساتھ نہ ہوں "۔

میں نے کہا : یہ کیسے ؟

اس نے یہ آیت پڑی دی : " إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُواْ دِينَهُمْ وَكَانُواْ شِيَعاً لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ "

میں نے اسے سمجھانے کی بہیتری کوشش کی کہ شیعا کے معنی ہیں گروہ ،جماعتیں ،پارٹیاں ۔اس کا شیعہ سے کوئی تعلق نہیں ۔ شیعہ کا لفظ تو اچھے معنی میں آیا ہے مثلا :" وَإِنَّ مِن شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ"

یا حضرت موسی ع کے قصے میں آیا ہے کہ "فوجد فيها رجلين يقتتلان هذا من شيعته وهذا من عدوه"

مگر افسوس ! یہ شخص کسی طرح میری بات ماننے کو تیار نہ ہوا کیونکہ اسے تو مسجد کے امام صاحب نے شیعوں کے خلاف بھڑکا دیا تھا ۔پھر وہ کسی اور کی بات کیوں سنتا ؟

اب میں اصل موضوع کی طرف پلٹتا ہوں ۔ بات یہ ہے کہ میں شیعہ ہونے سے پہلے سخت کشمکش میں تھا ۔جب میں یہ حدیث پڑھتا تھا کہ :"إختلاف أُمتي رحمة" اور اس کا مقابلہ اس دوسری حدیث سے کرتا تھا جس میں آیا ہے کہ "میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی جو ایک کو چھوڑ کر سب جہنم میں جائیں گے "[1] تو میں دل ہی دل

----

(1):-سنن ابن ماجہ باب الفتن جلد 2۔ مسند امام احمد بن حنبل جلد 3 صفحہ 120 ۔جامع ترمذی کتاب الایمان ۔

میں حیران ہوں کہ آخر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک طرف تو امت کا اختلاف ہو اور ساتھ ہی وہ دخول جہنم کا موجب بھی ہو ؟؟

پھر جب میں نے اس حدیث کی وہ تشریح پڑھی جو امام جعفر صادق نے کی ہے تو میری حیرت دور ہو ئی کیونکہ معما حل ہو گیا تھا۔ اس وقت میں سمجھا کہ ائمہ اہل بیت ع واقعی بہترین رہنما ،اندھیروں میں چراغ اور صحیح معنی میں قرآن وسنت کے ترجمان ہیں ۔ جب ہی تو رسول اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے :

"مثل أهل بيتي فيكم كسفينة نوحٍ من ركبها نجا ومن تخلّف عنها غرق .لاتقدّمواهم فتهلكواولاتتخلّفواعنهم فتهلكوا,ولا تعلّموهم فإنّهم أعلم منكم"

میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوح کی سی ہے جو اس پر سوار ہوگیا بچ گیا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا ڈوب گیا ۔ ان سے آگے نہ نکلو ورنہ ان سے پیچھے رہو ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے ۔ انہیں کچھ سکھانے کی کوشش نہ کرو کہ وہ تم سے زیادہ جانتے ہیں (1)۔

امام علی ع نے بھی ان کے حق میں فرمایا ہے :

" اپنے نبی کے اہل بیت پر نظر جمائے رکھو ،ان ہی کے رخ پر ان کے پیچھے پیچھے چلتے رہو وہ تمہیں راستے سے بھٹکنے نہیں دیں گے نہ تمہیں کسی گڑھے میں گرنے دیں گے ۔ اگر وہ ٹہریں تو تم بھی ٹہر جاؤ اور اگر وہ اٹھیں تو تم بھی اٹھ کھڑے ہو ۔ ان سے آگے نہ نکلو ورنہ گمراہ ہوجاؤ گے اور نہ ان سے پیچھے رہو ورنہ تباہ ہوجاؤ گے (2)

ایک اور خطبے میں اہل بیت ع کی قدر ومنزلت بیان کرتے ہوے امام

----

(1):- صواعق محرقہ ابن حجر ہیثمی ص ۔جامع الصغیر سیوطی جلد 2 صفحہ 157 ۔مسند امام احمد بن حنبل جلد 3 صفحہ 17 وجلد 4 صفحہ 266

(2):-نہج البلاغہ خطبہ 95

علی ع نے فرمایا :

"وہ علم کی زندی اور جہالت کی موت ہیں ۔ان کا حلم ان کے علم کی اور ان کا ظاہر ان کے باطن کی خبر دیتا ہے ۔ ان کی خاموشی ان کی عاقلانہ گفتگو کی غمازی کرتی ہے ۔ وہ نہ حق کے خلاف کرتے ہیں اور نہ امر حق میں اختلاف کرتے ہیں ۔ وہ اسلام کے ستون ہیں ۔ تعلق اللہ ان کی فرت ہے ۔ ان کی وجہ سے حق کا بول بالا ہوا، باطل کی جڑیں کٹ گئیں اور اس کی زبان گدی سے کٹ گئی انھوں نے پاس وہ عقل ہے کہ انھوں نے دین کو سمجھا اور برتا، یہ نہیں کہ سنا اور بیان کردیا ۔علم کو بیان کرنے والے بہت ہیں اور اسے سمجھنے اور برتنے والے کم ہیں " (1)

جی ہاں سچ فرمایا امام علی ع نے ، کیونکہ وہ شہر علم کا دروازہ ہیں ۔ بڑا فرق ہے اس عقل میں جو دین کو سمجھتی اور برتتی ہے اور اس عقل میں جو سنتی اور بیان کردیتی ہے ۔ سننے اور بیان کردینے والے بہت ہیں جیسے صحابہ ہیں جنہیں رسول اللہ ص کی ہم نشینی کا شرف حاصل ہے ۔ وہ احادیث سنتے تھے اور بغیر سمجھے بوجھے نقل کردیتے تھے جس سے حدیث کے معنی کچھ کے کچھ ہوجاتے تھے بلکہ بعض دفعہ تو مطلب بالکل الٹا ہوجاتا تھا یہاں تک کہ صحابی کے سخن فہم نہ ہونے اور اصل مطلب نہ سمجھنے کی وجہ سے بات کفر تک جاپہنچی (2)۔

لیکن جو علم پر پوری طرح حاوی ہیں ان کی تعداد بہت کم ہے ۔آدمی اپنی پوری

----

(1):-نہج البلاغہ خطبہ 236

(2):- اس کی مثال ابو ہریرہ کی یہ روایت ہے کہ " ان اللہ خلق آدم علی صورتہ " اس کی وضاحت امام جعفر صادق ع نے کی ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ ص نے سنا کہ دو آدمی ایک دوسرے کو برابھلا کہہ رہے ہیں ۔ایک نے کہا " تیری شکل پر پھٹکار اور تیرے جیسی جس کی شکل ہو اس پر بھی پھٹکار ۔"

اس پر رسول اللہ ص نے فرمایا :" " ان اللہ خلق آدم علی صورتہ "" مطلب یہ کہ اس کی شکل تو حضرت آدم ع جیسی ہے ۔گویا تو حضرت آدم کو گالی دے رہا ہے کیونکہ ان کی شکل اس جیسی تھی ۔

عمر تحصیل علم میں صرف کردیتا ہے لیکن بسا اوقات اسے بہت ہی کم علم حاصل ہوتا ہے یا زیادہ سے زیادہ وہ علم کی کسی ایک شاخ یا کسی ایک فن میں مہارت حاصل کرتا ہے لیکن علم کی تمام شاخوں پر حاوی ہوجانا یہ بالکل ناممکن ہے مگر یہ ایک حقیقت ہے ائمہ اہل بیت مختلف علوم سے مالا مال ، واقف تھے اور ان میں مہارت رکھتے تھے ۔ اس چیز کو امام علی ع نے ثابت کردیا تھا جس کی شہادت مورخین نے بھی دی ہے ۔ اسی طرح امام محمد باقر ع اور امام جعفر صادق سے ہزاروں علماء کو مختلف علوم میں تلمذ حاصل تھا ، جیسے فلسفہ ، طب ، کیمیا اور طبیعیات وغیرہ ۔

شیعہ اور سنی عقائد

اس بات سے مجھے یقین ہوگیا کہ شیعہ امامیہ ہی نجات پانے والا فرقہ ہے ،وہ یہ ہے کہ شیعہ عقائد فطرت کے مطابق ، آسان اور ہر باشعور باذوق شخص کے لئے قابل قبول ہیں ۔ شیعوں کے یہاں ہر مسئے اور ہر عقیدے کی مناسب اور اطمینان بخش وضاحت موجود ہے جو ائمہ اہل بیت ع میں سے کسی نہ کسی سے منسوب ہے ۔ جب کہ ممکن ہے کہ ایسی کافی وشافی وضاحت اہل سنت اوردوسرے فرقوں کے یہاں نہ مل سکے ۔

میں اس فصل میں فریقین کے بعض اہم عقائد کے بارے میں گفتگو کروں گا اور کوشش کروں گا کہ ان کے متعلق اپنی سوچی سمجھی رائے ظاہر کروں ۔ قارئین کو آزادی اور اختیار ہے کہ وہ میری رائے کو اپنائیں یا نہ اپنائیں ،مجھ سے اتفاق کریں یا اختلاف ۔

میں یہاں اس طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ بنیادی عقیدہ سب مسلمانوں کا ایک ہے ۔ سب مسلمان اللہ تعالی پر ، اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پہ ایمان رکھتے ہیں اور اس کے رسولوں میں کوئی تمیز نہیں کرتے ۔

اسی طرح سب مسلمان اس پر متفق ہیں کہ جہنّم حق ہے ، جنت حق ہے ، اللہ سب مردوں کو زندہ کرے گا اور انہیں محشر میں حساب کتاب کے لئے جمع کرے گا ۔ اسی طرح قرآن پر بھی اتفاق ہے اور سب کا ایمان ہے کہ حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں ۔ سب کا قبلہ ایک ہے ، ان کا دین ایک ہے ،لیکن ان عقائد کے مفہوم میں اختلاف ہوگیا ۔ اور اس طرح یہ عقائد مختلف کلامی فقہی اورسیاسی مکاتب فکر کی جولان گاہ بن گئے ہیں ۔

الہ تعالی کے متعلق فریقین کا عقیدہ

اس سلسلے میں ایک اہم اختلاف عقیدہ باری تعالی کے متعلق ہے :- اہل سنت واجماعت کہتے ہیں کہ جنت میں سب مومنین کو عقیدہ باری تعالی نصیب ہوں ۔ان کی حدیث کی معتبر کتابوں ،مثلا بخاری اور مسلم وغیرہ میں ایسی روایات موجود ہیں جن میں اس پر زوردیا گیا ہے کہ یہ رویت مجازی نہیں بلکہ حقیقی ہوں (1)۔

بلکہ ان میں ایسی روایات بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے وگیا خدا انسانوں کے مشابہ ہے ، وہ ہنستا ہے (2)، آتا جاتا ہے چلتا ہے اترتا ہے اور ساتویں آسمان سے پہلے آسمان پر اترتا ہے (3)۔حتی کہ اپنی پنڈلی کھولتا ہے جس پر شناختی علامت بنی ہوئی ہے (4)۔ اور یہ کہ جب وہ اپنا ایک پاؤں دوزخ میں رکھے گا تو دوزخ بھر جائے گی ۔ غرض ایسی باتیں اور ایسے اوصاف حق تعالی سے منسوب کیے گئے ہیں جن سے وہ پاک اور منزہ ہے (5)۔

مجھے یاد ہے کہ ایک بار کینیا (مشرقی افریقہ)کے شہر لاموے میرا گزر ہوا ۔ وہاں مسجد میں ایک وہابی امام صاحب نمازیوں کو خطاب کررہے تھے ، وہ کہہ رہے تھے کہ اللہ کے دو ہاتھ ہیں ،دو پاؤں ہیں ، دو آنکھیں ہیں اور چہرہ ہے ۔ جب میں نے اس پر اعتراض کیاتو انھوں نے اپنی تائید میں قرآن کی کچھ آیات پڑھیں ، فرمایا :-" وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللّهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ

----

(1):- صحیح بخاری جلد 2صفحہ 47 ۔جلد 5 صفحہ 178 اور جلد 6صفحہ 33

(2):- صحیح بخاری جلد 4 صفحہ 225۔جلد 5صفحہ 47-48 ۔ صحیح مسلم جلد1 صفحہ 114-122

(3):- صحیح بخاری جلد 8 صفحہ 197

(4):- صحیح بخاری جلد 8 صفحہ 182

(5):- صحیح بخاری جلد 8صفحہ 187 ، صفحہ 202سے پتہ چلتا ہے کہ حق تعالی کے ہاتھ اور انگلیاں ہیں ۔

نوٹ:- واضح ہو کہ یہ تو خدا کو حادث ماننا ہوا جبکہ وہ قدیم ہے ۔(ناشر)

وَلُعِنُواْ بِمَا قَالُواْ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ ......"

یہود کہتے ہیں کہ اللہ کا ہاتھ تو بند ہوا ہے۔ بندھیں ان کے ہاتھ! اور لعنت ہو ان پر یہ بات کہنے کی وجہ سے۔ اللہ کے ہاتھ تو کھلے ہیں"۔

اس کے بعد دو آیتیں اور پڑھیں:" وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا "ہماری آنکھوں کے سامنے کشتی بناؤ، اور

" کل من علیھا فان و یبقی وجه ربک ذو الجلال و الاکرام " جو مخلوق بھی زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے اور تمہارے پروردگار کا چہرہ جو صاحب جلال وعظمت ہے ۔ باقی رہے گا۔

میں نے کہا: امام صاحب! جو آیات آپ نے پڑھی ہیں مجاز ہیں حقیقت نہیں۔ کہنے لگے سارا قرآن حقیقت ہے اس میں مجاز کچھ نہیں۔ اس پر میں نے کہا: پھر اس آیت کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں:" وَمَن كَانَ فِي هَـذِهِ أَعْمَى فَهُوَ فِي الآخِرَةِ أَعْمَى "کیا آپ آیت کو اس کے حقیقی معنی میں لیں گے؟ کیا واقعی دنیا میں جو بھی اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا؟

امام صاحب نے جواب دیا: ہم اللہ کے ہاتھ، اللہ کی آنکھ اور اللہ کے چہرے کی بات کررہے ہیں، اندھوں سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں۔(فکری جمود کی انتہا ملاحظہ ہو۔)

میں نے کہا:- اچھا اندھوں کو چھوڑیئے! آپ نے جو آیت پڑھی ہے: " کل من علیھا فان و یبقی وجه ربک ذو الجلال و الاکرام " اس کی تشریح آپ کیسے کریں گے؟

امام صاحب نے حاضرین کو مخاطب کرکے کہا: کیا تم میں کوئی ایسا ہے جو اس

آیت کا طلب ۔ سمجھتا ہو؟اس کا طلب صاف ظاہر ہے ۔یہ ایک ل ویسی ہی آیت ہے ۔یسی "كلّ شيءٍ هالك إلّا وجهه".

میں نے ہا:- آپ نے اور بھی گڑبڑکردی ۔ ائی صاحب میرا آپ کا اختلاف قرآن کے بارے میں ہے ۔آپ کا دعوی ہے کہ قرآن میں مجاز نہیں سب حقیقت ہے ، میں ہتا ہوں مجاز بھی ہے خصوصا ان آیات میں جس میں تجسم یا تشبیہ کا شبہ ہوتا ہے ۔ اگر آپ کو اپنی رائے پر اصرارہے تو آپ کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ "كلّ شيءٍ هالك إلّا وجهه" کا طلب یہ ہے کہ اللہ کے ہاتھ ،پاؤں اور اس کا پورا جسم فنا ہوجائے گا اور صرف چہرہ باقی بچ گا ۔ (نعوذ باللہ)پھر میں نے حاضرین کو مخاطب کرکے ہا : کیا آپ کو یہ تفسیر منظور ہے ؟

پورے مجمع پر سکوت طاری ہوگیا اور امام صاحب کو بھی ایسی چپ لگ گئی جیسے منہ میں گھنگنیاں بھری ہوں ۔ میں اُٹھ کر رخصت کرکے یہ دعا کرتا ہوا چلاآیا کہ اللہ انہیں نیک ہدایت کی توفیق دے ۔

جی ہاں ! یہ ہے ان کا عقیدہ جو ان کی بعض کتابوں میں اور جو ان کے مواعظ وخطبات میں بیان کیا جاتا ہے ۔میں یہ نہیں کہتا کہ کچھ علمائے اہل سنت اس کے انکاری نہیں ہیں لیکن اکثریت کو یقین ہے کہ آخرت میں اللہ کا دیدار ہوگا اور وہ اس کو اسی طرح دیکھیں گے جس طرح چودھویں کا چاند دیکھتے ہیں ۔ ان کا استدلال اس آیت سے ہے :

" وجوه يومئذ ناضرة إلى ربها ناظرة "

کچھ چہرے اس دن شاش بشاش اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے ۔

جب ہی آپ اس بارے میں شیعوں کا عقیدہ علوم ہوگا آپ کے دل کو اطمینان ہوجائے گا اور آپ کی عقل اسے تسلیم کرلے گی ۔ کیونکہ شیعہ ان قرآنی آیات کی جن میں

----

(1):- سورہ قیامہ ۔آیت 22۔ ائمہ اہل بیت ع نے " اپنے رب کی طرف دیکھتے ہونگے " کی تفسیر یہ کی ہے کہ اپنے پروردگار کی رحمت کے امیدوار ہونگے ۔

تجسم یا تشبیہ کاشبہ ہوتا ہے ۔ تاویل کرتے ہیں اور انہیں مجاز پر محمول کرتے ہیں ، حقیقت پر نہیں ۔ اور وہ مطلب نہیں لیتے جو ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے ،یا جیسا بعض دوسرے لوگ سمجھتے ہیں ۔

اس سلسلے میں امام علی علیہ السلام کہتے ہیں : "ہمت کتنی ہی بلند پروازی سے کام لے اورعقل کتنی ہی گہرائی میں غوطے لگائے ، اللہ کی ذات کا ادراک ناممکن ہے ۔ اس کی صفات کی کوئی حد نہیں اور نہ اس کی تعریف ممکن ہے نہ اس کا وقت متعین ہے اور نہ انتہا مقرر ہے "[1]امام محمد باقر علیہ السلام تجسیم الٰہی کی تردید کرتے ہوئے کتنی فلسفیانہ ،علمی،نازک اور چچی تلی بات کہتے ہیں : "ہم چاہے جس چیز کا تصور ذہن میں لائیں اور اس کے بارے میں کتنا ہی سوچیں ہمارے ذہن میں جو بھی تصویر ابھرے گی وہ ہماری طرح کی مخلوق ہوگی "[2]جو عقل میں گھر گیا لاانتہا کیوں کر ہوا

جو سمجھ میں آگیا وہ خدا کیوں کر ہوا

۔ (اکبرالہ آبادی)

تجسیم اور تشبیہ کی رد میں ہمارے لیے تو اللہ پاک کی کتاب محکم میں یہ قول کافی ہے:

"ليس كمثله شيءٌ" اور "لاتدركه الأبصار"

اس جیسی کوئی چیز نہیں ۔ اور آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں ۔

جب حضرت موسی نے اللہ کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی اور کہا :"ربّ أرني أنظر إليك "تو جواب ملا "لن ترانی"تم مجھے کبھی نہیں دیکھ سکو گے ۔اور بقول زمخشری

----

(1):-نہج البلاغہ پہلا خطبہ ۔

(2):- عقائد الامامیہ ۔شیخ مظفر کی کتاب جامعہ تعلیمات اسلامی نے مکتب تشیع کے نام سے شائع کی ہے

لن کے مفہوم میں تابید شامل ہے یعنی ابد تک کبھی بھی نہیں دیکھ سکو گے ۔

یہ سب شیعہ اقوال کی صحت کی دلیل قاطع ہے ۔بات یہ ہے کہ شیعہ ان ائمہ اہل بیت کے اقوال نقل کرتے ہیں جو سرچشمہ علم تھے ۔ اور جنہیں کتاب اللہ کا علم میراث میں ملا تھا ۔

جو شخص اس موضوع سے متعلق مزید معلومات حاصل کرنا چاہے وہ اس موضوع پر مفصل کتابوں کی طرف رجوع کرے ۔ مثلا المراجعات کے مولف سید شرف الدین العاملی کی کتاب "کلمۃ حول الرویہ "

نبوت کے بارے میں فریقین کا عقیدہ

نبوت کے بارے میں شیعہ سنی اختلاف کا موضوع عصمت کا مسئلہ ہے ۔ شیعہ اس کے قائل ہیں کہ انبیاء بعثت سے قبل بھی معصوم ہوتے ہیں اور بعثت کے بعد بھی ۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ جہاں تک کلام اللہ کی تبلیغ کا تعلق ہے ، انبیاء بے شک معصوم ہیں لیکن دوسرے معاملات میں وہ عام انسانوں کی طرح ہیں ۔ اس بارے میں حدیث کی کتابوں میں متعدد روایات موجود ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ نے کئی موقعوں پر غلط فیصلہ کیا اور صحابہ نے آپ کی اصلاح کی ۔ جیسا کہ جنگ بدر کے قیدیوں کے معاملے میں ہوا ۔جہاں اللہ کے رسول ص کی رائے درست نہیں تھی اور عمر کی رائے صحیح تھی ۔[1]

اسی طرح جب رسول اللہ مدینہ آئے تو وہاں لوگوں کو دیکھا کہ کھجور کے درخت میں گابھا دے رہے ہیں ۔ آپ نے فرمایا :- گابھا دینے کی ضرورت نہیں ، ایسے بھی کھجوریں لگیں گی ، لیکن ایسا نہ ہوا ۔ لوگوں نے آپ سے آکر شکایت کی تو آپ نے کہا :" تم اپنے دنیا کے کاموں کو مجھ سے زیادہ جانتے ہو"۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے کہا : میں بھی انسان ہوں ،جب میں تمہیں دین کی کوئی بات بتاؤں تو اس پر ضرور عمل کرو ۔ مگر جب میں کسی دنیاوی معاملے میں اپنی رائے دوں

----

(1):-البدایہ والنہایہ کے علاوہ صحیح مسلم ۔ سنن ابوداؤد ۔جامع ترمذی ۔

تو میں محض انسان ہوں ۔[1] یہ بھی روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ پر جادو کے اثر سے آپ کو یہ نہیں پتہ چلتا تھا کہ آپ نے کیا کیا۔ بعض دفعہ یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ نے ازدواج سے صحبت کی ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہوتا تھا[2] یا کسی اور کام کے متعلق خیال ہوتا تھا کہ یہ کام کیا ہے مگر دراصل وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا[3]۔ اہل سنت کی ایک اور روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ کو نماز میں سہو ہوگیا ۔یہ یاد نہیں رہا کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں ۔[4] ایک دفعہ آپ کو نماز میں بے خبر سوگئے ، یہاں تک کہ لوگوں نے آپ کے خراٹے کی آواز سنی ، پھر جاگ گئے اور وضو کی تجدید کئے بغیر نماز پوری کی[5]۔اہل سنت یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ بعض دفعہ کسی پر بلاوجہ ناراض ہوجاتے ، اسے برابھلا کہتے اور اس کو لعنت ملامت کرتے تھے ۔ اس پر آپ نے فرمایا : بار الہی ! میں انسان ہوں ، اگر میں کسی مسلمان کو لعنت ملامت کروں یا برابھلا کہوں تو تو اسے اس کے لئے رحمت بنادے[6]۔اہل سنت کی ایک اور روایت ہے کہ ایک دن آپ حضرت عائشہ کے گھر میں لیٹے ہوئے تھے اور آپ کی ران کھلی ہوئی تھی ، اتنے میں ابوبکر آئے ، آپ اسی طرح لیٹے ہوئے ان سے باتیں کرتے رہے ۔کچھ دیر بعد عمر آئے تو آپ ان سے بھی اسی طرح باتیں کرتے رہے ۔ جب عثمان نے اندر آنے کی اجازت چاہی تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور کپڑے ٹھیک کرلیے ۔ جب عائشہ نے اس بارے میں پوچھا تو آپ نے کہا : میں کیوں نہ اس شخص سے حیا کروں جس سے ملائکہ بھی شرماتے ہیں ۔[7]

----

(1):- صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد 7 صفحہ 95 ۔مسند امام احمد بن حنبل جلد 1 صفحہ 162 اورجلد 3 صفحہ 152

(2):- صحیح بخاری جلد 7 صفحہ 29

(3):- صحیح بخاری جلد 4 صفحہ 67

(4):- صحیح بخاری جلد 1 صفحہ 123

(5):- صحیح بخاری جلد 1 صفحہ 37 وصفحہ 44 وصفحہ 171

(6):- سنن دارمی کتاب الرقاق

(7):- صحیح مسلم باب فضائل عثمان جلد 7 صفحہ 117

اہل سنت کے ہاں ایک روایت یہ بھی ہے کہ ر ۰ان المبارک میں آپ جنب ہوئے تھے اور صبح ہوجاتی تھی اور آپ کی نماز فوت ہوجاتی تھی [1]۔اسی طرح اور جھوٹ ہیں جن وکہ عقل قبول کرتی ہے۔ دین اور شرافت اس کا ر رسول اللہ کی توہین رکہ ا اور آپ کی شان میں گستاخی کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے ۔ اہل سنت باتیں رسول اللہ سے وب کرتے ہیں جو خود اپنے سے وب رکہ ا پسند نہیں کرتے ۔

اس کے برخلاف شیعہ ائمہ اہلبیت ع کے اقوال سے استدلال کرتے ہوئے انبیاء کو ان تمام نقائص سے پاک قرار دیتے ہیں خصوصا ہمارے نبی محمد علیہ افضل اصلاۃ وازکی السلام کو ۔شیعہ کہتے ہیں کہ آنحضرت تمام خطاؤں ، لغزشوں اور گناہوں سے پاک ہیں چاہے وہ گناہ چھوٹے ہوں یا بڑے ۔اس طرح آپ پاک ہیں ہر غلطی اور بھول چوک سے ،جادو کے اثر سے اور ہر اس چیز سے جس سے عقل متاثر ہوتی ہو ۔ آپ پاک ہیں ہر اس چیز سے جو شرافت اور اخلاق حمیدہ کے منافی ہو جیسے راستے میں کچھ کھانا یا ٹھٹھا کرنا یا ایسا مذاق کرنا جس میں جھوٹ کی آمیزش ہو ۔آپ پاک ہیں ہر اس فعل سے جو عقلاء کے نزدیک ناپسندیدہ ہو یا عرف عام میں اچھا نہ سمجھا جاتا ہو ۔چہ جائیکہ آپ دوسروں کے سامنے اپنا رخسار بیوی کے رخسار پر رکھیں اور اس کے ساتھ حبشیوں کا ناچ دیکھیں [2]یا بیوی کو کسی جنگ کے موقع ساتھ لے کر جائیں اور وہاں اس کے ساتھ دوڑ لگائیں کہ کبھی وہ آگے نکل جائے اور کبھی آپ اور اس پر آپ کہیں کہ " یہ اس کے بدلے میں "[3]۔

شیعہ سمجھتے ہیں کہ اس قسم کی ساری روایات جو عصمت انبیاء سے متناقض ہیں امویوں اور ان کے حامیوں کی گھڑی ہوئی ہیں ۔ ر ان کے دو ہیں :

----

(1):- صحیح بخاری جلد 2 صفحہ 232-234 یہ اور ایسی بے شمار روایتیں راجپال کو رنگیلا رسول رشدی ملعون کو STANNIC VERSES اور مستشرقین کو ہتک رسول کے لئے مواد فراہم کرتی ہیں ۔ (ناشر)

(3):- صحیح بخاری جلد 3 صفحہ 228

(4):- مسند امام احمد بن حنبل جلد 6 صفحہ 75

ایک تو رسول اللہ کی عزت وتوقیر کو کم کیا جائے تاکہ اہل بیت ع کی وقعت کو گھٹایا جائے ۔ دوسرے اپنے ان افعال بد کے لیے وجہ تلاش کرنا جن کا ذکر تاریخ میں ہے اب اگر رسول اللہ بھی غلطیاں کرتے تھے اور خواہشات نفسانی سے متاثر ہوتے تھے ۔ جیسا کہ اس قصے میں بیان کیا گیا ہے ،جس میں کہا گیا ہے کہ جب زینب بنت جحشؑ ابھی زید بن حارثہ کے نکاح میں تھیں ،آپ نے انہیں بالوں میں کنگھی کرتے ہوئے دیکھ کر ان پر فریفتہ ہوگئے تھے ، اس وقت آپکی زبان سے نکلا تھا :

سبحان الله مقلّب القلوب [1]

ایک اور سنی روایت کے مطابق آپ کی طبیعت کا زیادہ جھکاؤ حضرت عائشہ کی طرف تھا اور بقیہ ازواج کے ساتھ ویسا سلوک نہیں تھا ۔ چنانچہ ازواج نے ایک دفعہ حضرت فاطمہ زہرا س کو اور ایک دفعہ زینب بن جحش کو عدل کا مطالبہ کرنے کے لیے آپ کے پاس اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تھا [2]۔

اگر خود رسول اللہ کی یہ حالت ہو تو معاویہ بن ابی سفیان ،مروان بن حکم ،عمرو بن عاص ،یزید بن معاویہ اور ان تمام اموی حکمرانوں کو کیا الزام دیا جاسکتا ہے جنھوں نے سنگین جرائم کا ارتکاب کیا اور بے گناہوں کو قتل کیا ۔بقول شخصے ،اگر گھر کا مالک ہی طبلہ بجارہا ہو تو اگر نیچے ناچنے لگیں تو ان کا کیا قصور !

ائمہ اہل بیت ع جو شیعوں کے ائمہ ہیں وہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عصمت کے قائل ہیں اور ظاہر ہے کہ گھر والوں سے زیادہ گھر کا حال کون جان سکتا ہے ؟ اسی لئے وہ ان تمام آیات قرآنی کی تاویل کرتے ہیں جن سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ تعالی اپنے نبی کو عتاب کررہا ہے جیسے " عبس وتولّى" یا جن سے گناہوں کے اقرار کا مفہوم نکلتا ہے جیسے " ليغفر لک الله ما تقدّم من ذنبک وما تاخّر "یا ایک دوسری آیت " لقد تاب الله على النبیّ "یا "عفا الله عنک لم اذنت لهم"

----

(1):- تفسیر جلالین " وتخفی فی نفسک ماالله مبدیه " کی تفسیر کی ذیل میں ۔

(2):- صحیح مسلم جز 7 صفحہ 136 باب فضائل عائشہ ۔

ان تمام آیات سے رسول اللہ لی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عصمت مجروح نہیں ہوتی ۔ اس لیے کہ بعض آیات آپ سے متعلق ہی نہیں ہیں اور بعض آیات ظاہری افاظ پر محمول نہیں ہیں بلکہ جو کچھ ہا گیا ہے مجازا ہا گیا ہے ۔ یسا کہ کسی نے ہا ہے : اے پڑو ن ن لے یہ بات تیرے لیے ہے " مجاز کا استعمال عرب۔ ان میں کثرت سے ہو تا ہے اور اللہ تعالی نے بھی اس کا استعمال قرآن مجید میں کیا ہے ۔جو شخص تفصیل علوم کرنا اور حقیقت حال سے آگاہی حاصل کرنا چاہے ،اس کے لیے ضروری ہے کہ شیعہ تفسیر کی کتابوں کا مطالعہ کرے جیسے علامہ طبا طبائی کی المیزان ،آیت اللہ خوئی کی البیان ،محمد جواد مغنیہ کی الکاشف ،علامہ طبرسی کی الاحتجاج ، وغیرہ وغیرہ ۔

میں اختصار کے کام لے رہا ہوں کیونکہ میرا مقصد صرف عمومی طورپر فریقین کا عقیدہ بیان کرنا ہےاس کتاب سے میرا مقصد صرف ان امور کا بیان کرنا ہے جن سے مجھے ذاتی طور پر اطمینان نصیب ہوا اور انبیاء اور ان کے اوصیاء کی عصمت کا مجھے یقین ہوگیا ۔میرا شک اورحیرت یقین میں بدل گئے اور ان شیطانی وسوسوں کا ازالہ ہوگیا جن کی وجہ سے کبھی کبھی میری خطائیں ، میرے گناہ اور میرے غلط اعمال مجھے اچھے ، صحیح اوردرست علوم ہوتے تھے ۔ کبھی تو مجھے افعال واقوال رسول میں بھی شک ہونے لگتا تھا اور آپ کے بتلائے ہوئے احکام پر بھی اطمینان نہیں ہوتا تھا بلکہ نوبت یہاں تک آ ئی تھی کہ بعض دفعہ اللہ کے اس قول میں بھی شک ہونے لگتا تھا کہ

"ومآ اتاکم الرّسول فخذوہ ومآ نھاکم عنہ فانتھوا"

رسول تمہیں جو بتلائیں اس پر عمل کرو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ ۔

ہیں ایسا تو نہیں کہ یہ کلام ملہ نہ ہو رسول کا اپنا ہی کلام ہو ! سنیوں کا یہ کہنا کہ " رسول اللہ صرف اللہ کے کلام کی تبلیغ کی حد تک عصوم ہیں ۔" بالکل ربیکا بات ہے ۔اس لیے کہ اس کی کوئی پہچان نہیں کہ اس قسم کا کلام تو اللہ کی طرف سے ہے اور اس طرح کا کلام خود آپ کی اپنی طرف سے ہے۔ تاکہ یہ ہا جائے کہ اس کلام میں تو آپ عصوم ہیں اور اس میں عصوم نہیں ، اس لیے یہاں غلطی کا

احتمال ہے ۔

اللہ کی پناہ اس متضاد قول سے ! اس سے تو رسول اللہ کی شان اقدس میں شک پیدا ہوتا ہے اور آپ کی شان میں طعن کی گنجائش نکلتی ہے ۔

اس پر مجھے وہ گفتگو یاد آئی جو میرے شیعہ ہوجانے سے قبل میرے اور چند دوستوں کے درمیان ہوئی تھی ۔ میں انہیں قائل کرنے کی کوشش کررہا تھا کہ رسول اللہ ص ہر بات میں معصوم ہیں اور وہ مجھے سمجھا رہے تھے کہ آپ صرف قرآن کی تبلیغ کی حد تک معصوم ہیں ۔ ان میں ایک توزر کے پروفیسر تھے ۔ توزر منطقہ جرید کا ایک شہر ہے [1] یہاں کے لوگ علم وفن ،ذہانت وفطانت اور طنز گوئی کے لئے مشہور ہیں ۔یہ پروفیسر صاحب ذرا دیر سوچتے رہے ،پھر کہنے لگے : حضرات ! اس مسئلے میں میری بھی ایک رائے ہے ۔ہم سب نے کہا تو فرمائیے ۔کہنے لگے : التیجانی شیعوں کی طرف سے جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ صحیح ہے ، ہمارے لیے یہی ضروری کہ رسول اللہ ص کے علی الاطلاق معصوم ہونے کا عقیدہ رکھیں ورنہ خود قرآن میں شک پڑجائے گا ۔ سب نے کہا : وہ کیسے ؟ پروفیسر صاحب نے فورا جواب دیا : کیا تم نے دیکھا ہے کہ کسی سورت کے نیچے اللہ تعالی کے دستخط ہوں ۔ دستخط سے ان کی مراد وہ مہر تھی جو دستاویزات اور مراسلات کے آخر میں اس لئے لگائی جاتی ہے ۔ تاکہ یہ شناخت ہوسکے کہ یہ کس کی طرف سے ہے ۔ سب لوگ اس طعنے پر ہنسنے لگے مگر یہ طنز بڑا معنی خیز ہے ،کوئی بھی غیر متعصب انسان اگر اپنی عقل استعمال کرکے غور کرے گا تو یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آئے گی کہ قرآن کو کلام الہی تسلیم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ صاحب وحی کی عصمت مطلقہ کا بھی عقیدہ بغیر کسی کاٹ چھانٹ کے رکھا جائے کیونکہ یہ تو کوئی دعوی نہیں کرسکتا کہ اس نے اللہ تعالی کو بولتے ہوئے سنا ہے یا جبرئیل کو وحی لاتے ہوئے دیکھا ہے ۔

----

(1):- منطقہ جرید تیونس کے جنوب میں قفصہ سے 92 کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے ۔ یہ عربی کے مشہور شاعر ابو القاسم شابی اور خضر حسین کا جائے ولادت ہے ۔خضر حسین جامعۃ الازہر کے شیخ الجامعہ تھے ۔ تیونس کے علماء میں سے بہت سے علماء اسی علاقے میں پیدا ہوئے ہیں ۔

خلا ۔ کلام یہ ہے کہ " عصمت انبیاء ع" کے بارے میں شیعہ عقیدہ ہی وہ محکم اور مضبوط عقیدہ ہے جس سے قلب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے اور تمام انسانی وشیطانی وسوسوں کی جڑ کٹ جاتی ہے اور حاسدوں خصوصاً یہودیوں ،عیسائیوں اور دشمنان دین کا راستہ بند ہوجاتا ہے جو ہر وقت اس ٹوہ میں رہتے ہیں کہ ہمیں سے راستہ ملے تو اندر گھس کر ہمارے عقائد کو کمزور کر کے اڑا دیں اور ہمارے دین میں عیب نکالیں ۔ایسے راستے انہیں صرف اہل سنت ہی کی کتابوں میں ملتے ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اکثر وبیشتر ہمارے خلاف ان ہی اقوال وافعال سے دلیل لاتے ہیں جو بخاری ومسلم میں غلط طور پر رسول اللہ سے منسوب کیے گئے ہیں۔ (1)

اب ہم انہیں کیسے یقین دلائیں کہ بخاری ومسلم میں بعض غلط روایات بھی ہیں ۔ یہ بات قدرتی طور پر خطرناک ہےکیونکہ اہل سنت واجماعت اسے کبھی نہیں مانیں گے ۔ان کے نزدیک بخاری کی کتاب ، باری کے بعد صحیح ترین کتاب ہے اور اسی طرح مسلم بھی ۔

فریقین کے نزدیک امامت کا عقیدہ

اس بحث میں امامت سے مراد مسلمانوں کی امامت کبری ہے ،یعنی خلافت ،حکومت ،قیادت اور ولایت کا مجموعہ ۔امامت سے مراد محض نماز کی امامت نہیں ۔جیسا کہ آج کل اکثر لوگ سمجھتے ہیں ۔

چونکہ پوری کتاب میں بحث کا مدار مذہب تسنن اور مذہب تشیع کے

----

(1):- صحیح بخاری جلد 3 باب شہادۃ الاعمی میں عبید بن میمون کی سند سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے مسجد میں ایک نابینا شخص کو قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے سنا تو فرمایا : اللہ اس پر رحم کرے اس نے فلاں فلاں سورہ کی فلاں فلاں آیتیں یاد دلادیں جو میں بھول گیا تھا ۔

آپ یہ روایت پڑھیے اورحیرت کیجیے کہ رسول اللہ آیات بھول گئے اور اگر یہ نابینا شخص وہ آیات نہ دلاتا تو وہ آیات غائب ہی ہو گئی ہوتیں ۔ حسرت ہے اس ذہنیت کی !

تقابل پر ہے ، اس لیے ضروری ہے کہ میں یہ ظاہر کردوں کہ اا ت کے اصول کی فریقین کے نزدیک کیا نوعیت ہے ۔ تاکہ قارئین کو یہ علم ہوے کہ فریقین کے نقطہ نظر کی بنیاد کیا ہے اور نیز یہ بھی علوم ہوجائے کہ س یقین اور اطمینان نے مجھے اپنا مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کیا ۔

شیعوں کے نزدیک اا ت اپنی زبردست اہمیت کے باعث اصول دین میں شامل ہے ۔ اا ت خیرالامم کو قیادت فراہم کرتی ہے ۔ اس قیادت کے متعدد فضائل ہیں اور اس کی خصوصیات میں سے قابل ذکر ہیں : علم ،حلم ،شجاعت ،نزاہت ،عفت ،زہد ،تقوی وغیرہ وغیرہ ۔

شیعوں کا اعتقاد ہے کہ اا ت ایک خدائی منصب ہے جو اللہ تعالی اپنے نیک بندوں میں سے جسے منتخب کرتا ہے ، اسے عطا کرتاہے ۔ تاکہ وہ اپنا اہم کردار ادا کرے اور یہ کردار نبی کے بعد دنیا کی قیادت ہے ۔ اسی اصول کی بنیاد پر امام علی بن ابی طالب ع مسلمانوں کے امام تھے ،انہیں اللہ نے منتخب کیا تھا اور اس سے بذریعہ وحی اپنے رسول ص سے کہا تھا کہ علی ع کا منصب اا ت پر تقرر کردیں چنانچہ رسول اللہ نے ان کا تقرر کیا اور حجۃ الوداع کے بعد غدیر خم کے مقام پر اا ت کو اس تقرر کی اطلاع دی ، اس پر لوگوں نے امام علی ع کی بیعت کرلی ،" یہ شیعہ کہتے ہیں "

جہاں تک اہل سنت کا تعلق ہے وہ بھی اا ت کی قیادت کے لئے اا ت ضروری ہونے کو تسلیم کرتے ہیں لیکن ان کے مطابق اا ت کو حق ہے کہ وہ جس کو چاہے اپنا امام اور قائد بنالے ۔ چنانچہ مسلمانوں نے رسول اللہ کی وفات کے بعد ابو بکر بن ابی قحافہ کو امام منتخب کیا تھا ۔ خود رسول اللہ نے خلافت کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا تھا بلکہ اس کا فیصلہ شوری پر چھوڑدیا تھا ۔ یہ اہل سنت والجماعت کہتے ہیں "۔

حقیقت کیا ہے ؟

تحقیق کرنے والا اگر غیر جانبداری کے ساتھ فریقین کے دلائل پر غور کرے تو یقینا وہ حقیقت تک رسائی حاصل کرلے گا ۔جہاں تک میرا اپنا تعلق ہے چونکہ

یہ کتاب میرے ہدایت پانے اور مذہب بدلنے کا قصّہ بیان کرتی ہے اس لیے میرے لیے ضروری ہے کہ میں قارئین کرام کے سامنے اپنا نقطہ نظر اور اپنا عقیدہ واضح کردوں ۔ اب یہ قارئین پر ہے کہ وہ اسے قبول کریں یا رد کریں کیونکہ آزادی فکر ہر دوسری چیز سے زیادہ اہم ہے قرآن کہتا ہے :

"ولا تزروازرةٌ وّزراُخرى"

کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا ۔(سورہ فاطر ۔آیت 18)

اور

"کلّ نفسٍ بما کسبت رهينةٌ"

ہر شخص کا دار ومدار اس کے اعمال پر ہے ۔(سورہ مدّثر ۔آیت 38)

شروع کتاب سے ہی میں نے اپنے اوپر یہ پابندی عائد کی ہے کہ میں قرآن اور متفق بین الفریقین احادیث سے تجاوز نہیں کروں گا اور اس سارے عمل میں کوئی خلاف عقل بات تسلیم نہیں کروں گا کیونکہ عقل سلیم متضاد اور متناقض باتوں کو نہیں مانتی ۔حق تعالی کا ارشاد ہے :" وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللّهِ لَوَجَدُواْ فِيهِ اخْتِلاَفاً كَثِيراً "

اگر قرآن غیراللہ کے پاس سے آیا ہوتا تو لوگ اس میں بہت اختلاف پاتے ۔(سورہ نساء ۔آیت 82)

امامت قرآن کی رو سے

اللہ تعالی فرماتا ہے :

" وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَاماً قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي قَالَ لاَ يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِي "

جب ابراہیم کو ان کے رب نے کچھ باتوں سے جانچا اور

ابراہیم نے ان کو پورا کردیا تو اللہ نے کہا: میں تمہیں لوگوں کا امام بنا رہاہوں۔ابراہیم نے کہا: اور میری اولاد میں سے ؟ اللہ تعالی نے کہا: میرا عہدہ ظالموں تک نہیں پہنچتا۔(سورہ بقرہ ۔آیت 124)

یہ آیت کریمہ ہمیں بتلاتی ہے کہ امامت ایک خدائی منصب ہے اور خدا یہ منصب اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے کیونکہ وہ خود کہتا ہے : "إنّي جاعلك للنّاس إماما"میں تمہیں لوگوں کا امام بنا رہا ہوں ۔

اس آیت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ امامت اللہ کی طرف سے ایک عہد ہے جو صرف اللہ کے ان نیک بندوں تک پہنچتا ہے جنہیں وہ خاص طور پر اس منصب کے لیے چن لیتا ہے کیونکہ یہ صاف کہہ دیا گیا ہے کہ ظالم اللہ کے اس عہدہ کے مستحق نہیں ۔

ایک اور آیت میں اللہ تعالی فرماتا ہے :" وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ "

ہم نے ان میں سے امام بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ہم نے ان کو وحی بھیجی کہ نیک کام کریں ، نماز قائم کریں اور زکات دیں ۔ اور وہ ہماری عبادت کرتے تھے ۔(سورہ انبیاء ۔آیت 73)

ایک اور آیت ہے :

" وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ "

ہم نے ان امام بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے کیونکہ وہ صابر تھے اور ہماری نشانیوں پر یقین

رھتے تھے ۔ (سورہ سجدہ ۔آیت 24)

ایک اور آیت ہے :" وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ "

ہم چاہتے ہیں کہ ان پر احسان کریں جنہیں دنیا میں مزور سمجھ لیاگیا ہے ، ان کو امام بنائیں اور انہیں (زمین کا)وارث بنائیں ۔(سورہ قصص ۔آیت 5)

ممکن ہے کسی کویہ خیال پیدا ہو کر مذکورہ بالا آیات قرآن سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ یہاں امامت سے مراد نبوت ہے لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ امامت کا مفہوم زیادہ عام ہے ،ہر رسول اور نبی امام ہوتا ہے لیکن ہر امام رسول یا نبی نہیں ہوتا۔

اسی وجہ سے اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں واضح کردیا ہے کہ اس کے نیک بندے اس منصب کے لیے اس سے دعا کرسکتے ہیں تاکہ وہ لوگوں کی ہدایت کا شرف حاصل کرسکیں اور اس طرح اجر عظیم کے مستحق ہوسکیں ۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے :

" وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَاماً وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمّاً وَعُمْيَاناً وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَاماً "

وہ لوگ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے ، جب انہیں بیہودہ چیزوں کے پاس سے گذرنے کا اتفاق ہوتا ہے تو بزرگانہ انداز سے گزر جاتے ہیں ۔ اور جب انہیں ان کے پروردگار کی آیتیں سمجھائی جاتی ہیں تو ان پر بہرے ،اندھے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ غور سے سنتے ہیں) اور وہ لوگ جو ہم سے دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہم کو پرہیز گاروں کا امام بنا ۔(سورہ فرقان ۔آیات 72-74)

اسی طرح قرآن کریم میں ائمہ کا لفظ ان ظالم سرداروں اور حکمرانوں کے لئے بھی استعمال ہوا ہے جو اپنے پیروکاروں اور اپنی قوموں کو گمراہ کرتے ، فساد پھیلاتے میں ان کی رہنمائی کرتے اور دنیا وآخرت کے عذاب کی انہیں دعوت دیتے ہیں ۔ فرعون اور اس کے لشکریوں کے متعلق قرآن کریم میں ہے :

" فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِي وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يُنصَرُونَ وَأَتْبَعْنَاهُمْ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ هُم مِّنَ الْمَقْبُوحِينَ"

ہم نے اسے اور اس کے لشکریوں کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا ۔ پھر دیکھو ! ظالموں کا کیا انجام ہوا ۔ ہم نے انہیں ایسا امام بنایا جو جہنم کی دعوت دیتے تھے اور قیامت کے دن ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی ۔ اس کے بعد ہم نے اس دنیا میں ان پر لعنت بھیجی اور قیامت میں وہ ان میں سے ہونگے جن کا ہولناک انجام ہوگا ۔(سورہ قصص ۔آیت 40-42)

اس بنیاد پر شیعہ جو کچھ کہتے ہیں وہی صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالی نے واضح کردیا ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ امامت ایک من جانب اللہ منصب ہے جو اللہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے ،وہ اللہ کا عہد ہے جس کا اہل ظالموں پر نہیں ہوتا ۔چونکہ ابو بکر ، عمر، اور عثمان کی عمروں کا بڑا حصّہ شرک کی حالت میں گزرا کیونکہ وہ بتوں کو پوجتے رہے تھے اس لیے وہ اس کے مستحق نہیں ۔اسی طرح شیعوں کا یہ قول درست ہے کہ تمام صحابہ میں صرف امام علی بن ابی طالب ہی امامت کے مستحق ہیں اور امامت کے متعلق اللہ کے دعوے کا اہل صرف انھی پر ہوتا ہے کیونکہ وہ کبھی بتوں کے آگے سجدہ ریز نہیں ہوتے ۔ اگر یہ کہا جائے کہ اسلام لانے کے بعد اس سے پہلے کے سب گناہ محو ہوجاتے ہیں تو ہم کہیں گے کہ یہ واقعی صحیح ہے ، لیکن پھر بھی بڑا فرق ہے اس شخص جو پہلے مشرک تھا بعد میں اس

نے توبہ کرلی اور اس شخص میں جس کا دامن شروع سے شرک کی آلائش سے پاک صاف رہا اور جس نے بجز اللہ کے کبھی کسی کے سامنے جبیں نیاز خم نہیں کی ۔

امامت سنّت نبوی کی رو سے

امامت کے بارے میں رسول اللہ ص کے متعدد اقوال ہیں جن کو شیعوں اور سنیوں دونوں نے اپنی احادیث کی کتابوں میں نقل کیا ہے ۔ رسول اللہ نے کہیں اسے امامت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور کہیں خلافت کے لفظ سے ، کہیں ولایت کے لفظ سے اور کہیں امارت کے لفظ سے ۔

امامت کے بارے میں ایک حدیث نبوی ہے :

"خيارأئمتكم الّذين تحبّونهم ويحبّونكم وتصلّون عليهم و يصلّون عليكم .وشرارأئمتكم الّذين تبغضونهم ويبغضونكم وتلعنونهم ويلعبونكم .قالوا يارسول الله أفلا ننا بذهم بالسّيف فقال لا ما أقاموا فيكم الصلاة."

تمہارے اماموں میں سب سے بہتر وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبّت کریں ، تم ان کے لیے دعا کرو ، وہ تمہارے لیے دعا کریں ۔اور بد ترین ائمہ وہ ہیں جن سے تم نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کریں ، جن پر لعنت بھیجو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں ۔صحابہ نے پوچھا : تو کیا ہم تلوار سے ان کا مقابلہ نہ کریں رسول اللہ نے فرمایا : نہیں ، جب تک وہ نماز قائم کرتے رہیں [(1)]۔

رسول اللہ ص نے یہ بھی فرمایا ہے :

"يكون بعدي أئمة لّا يهتدون بهداى ولا يستنّون بسنّتي وسيقوم فيهم رجالٌ قلوبُ الشياطين

----

(1):- صحیح مسلم جلد 6 صفحہ 24 باب خیار الائمۃ وشرارہم۔

في جثمان إنس".

میرے بعد کچھ ایسے امام ہوں گے جو نہ میری روش پر چلیں گے اور نہ میری سنت کا اتباع کریں گے ۔ ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کے جسم تو انسان کے سے ہونگے مگر دل شیاطین کے سے [(1)]

خلافت کے بارے میں حدیث نبوی ہے :

"لا يزال الدّين قآئماً حتىّ تقوم السّاعة أويكون عليكم اثناعشرخليفةً كلّهم من قريشٍ.

دین اس وقت تک قائم رہے گا جب تک قیامت نہ آجائے۔ یا بارہ خلیفہ نہ ہوجائیں جو سب قریش میں سے ہوں گے ۔[(2)]

جابر بن سمرہ سے روایت ہے ، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ؐ کو سنا کہ آپ فرماتے تھے :

"لايزال الإسلام عزيزًا إلى إثنى عشر خليفةٍ ثمّ قال كلمةً لم أفهمها فقلت لابي: ما قال؟ فقال : كلّهم من قريشٍ."

بارہ خلفاء تک اسلام کی عزت باقی رہے گی ۔ پھر کچھ فرمایا جو میں نہیں سن سکا ۔ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ کیا فرمایا ہے ؟ انھوں نے کہا کہ یہ فرمایا ہے کہ وہ سب خلفاء قریش میں سے ہوں گے [(3)]

امارت کے بارے میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا :

"ستكون أُمراءَ فتعرفون وتنكرون فمن عرف

----

(1):- صحیح مسلم جلد 6 صفحہ 20 باب الامر بلزوم الجماعۃ عند ظهور الفتن

(2):- صحیح مسلم جلد 6 صفحہ 4 باب الناس تبع قریش والخلافۃ فی قریش

(3):- صحیح بخاری جلد 8 صفحہ 105 ۔اور صفحہ 128۔ صحیح مسلم جلد 6 صفحہ 3۔

برئ ومن أنكر سلم ولكن من رضي وتابع قالوا أفلانقاتلهم قال :لا ما صلّوا.

جو ر ہی کچھ امراء ہوں گے جن کو تم میں سے کچھ پہچانیں گے ، کچھ نہیں ۔جس نے پہچانا بری گیا ، جن نے نہیں پہچانا محفوظ رہا مگر جس نے خوشی ان کا اتباع کیا ۔۔۔۔ لوگوں نے پوچھا کیا ہم ان سے قتال نہ کریں؟ آپ نے فرمایا " جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں اس وقت تک نہیں [1]۔

امارت سے متعلق ایک حدیث میں آپ نے فرمایا :"يكون اثناعشر أميراً كلّهم من قريشٍ."

میرے بعد بارہ امیر ہوں گے جو سب قریش میں سے ہوں گے [2]۔

آپ نے اپنے اصحاب کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا :

"ستحرصون على الإمارة وستكون ندامةً يوم القيامة فنعم المرضعة وبئست الفاطمة".

تم یں جو ر امارت حا ل کرنے کا لا ہو گا لیکن یہ امارت قیا ت کے دن باعث ندا ت ہوں ۔ امارت دودھ پلانے والی تو اچھی ہے مگر دودھ چھڑانے والی اچھی نہیں [3]۔

ولایت کا لفظ لفظ بھی حدیث میں آیا ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

"ما من والٍ يّلي رعيّةً مّن المسلمين فيموت وهو غاشٌ لّهم إلّا حرّم الله عليه الجنّة.

----

(1):- صحیح مسلم جلد 6 صفحہ 23 باب وجوب الانکار علی الامراء۔

(2):- صحیح بخاری جلد 4 باب الاحکام ۔

(3):- صحیح بخاری جلد 8 صفحہ 127 باب الاستخلاف۔

جس مسلمان والی نے مسلمان رعایا پر حکومت کی لیکن وہ انہیں دھوکا دیتا رہا تو مرنے کے بعد اس پر جنت حرام ہے [1]۔

ایک اور حدیث میں آپ نے فرماتے ہیں :

"لايزال أمرالنّاس ماضياً ما وليهم اثناعشررجلاً كلّهم مّن قريشٍ."

لوگوں کا کام اس وقت تک چلتا رہے گا جب تک ان کے والی بارہ اشخاص ہوں گے جو سب قریش میں سے ہوں گے [2]۔

امامت اور خلافت کے مفہوم کا یہ مختصر ساجائزہ میں نے قرآن وسنّت لیے بغیر کسی تشریح اور توضیح کے پیش کیا ہے بلکہ میں نے سب احادیث اہل سنت کی صحاح پر اعتماد کیا ہے اور شیعہ کتابوں سے کوئی روایت نہیں لی ، کیونکہ شیعوں کے نزدیک تو یہ بات یقینی بارہ خلفاء کی خلافت جو سب قریش میں سے ہوں گے مسلّمات میں سے ہے جس سے کسی کو اختلاف نہیں اور جس کے متعلق دورائیں نہیں ہوسکتیں۔ بعض اہل سنت واجماعت علماء کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ

" يكون بعدي اثناعشرخليفةً كلّهم من بني هاشمٍ."

میرے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے جو سب بنی ہاشم میں سے ہونگے ۔(ینابیع المودّۃ جلد 3 صفحہ 104)۔

----

(1):- صحیح بخاری جلد 8 صفحہ 106 باب ما يكره من الحرص على الامارة ۔

(2):- صحیح مسلم جلد 2 صفحہ باب الخلافۃ فی قریش ۔

(3):- امام علی علیہ السلام نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں :

"إنّ الأئمّة من قريشٍ غرسوا في هذاالبطن من هاشمٍ لا تصلح على سواهم ولا تصلح الولاة من غيرهم"

بلاشبہ امام قریش میں سے ہوں گے جو اسی قبیلے کی ایک شاخ بنی ہاشم کی کشت زار سے ابھریں گے۔ امامت کسی اور کو زیب نہیں دیتی ہے اور نہ ان کے علاوہ کوئی اس کا اہل ہوسکتا ہے ۔(ناشر)

شعبی سے روایت ہے کہ مسروق نے کہا : ایک دن ہم عبداللہ بن مسعود کے پاس بیٹھے ہوئے اپنے مصاحف کو ان سے دہرا رہے تھے کہ اتنے میں ایک نوجوان نے ان سے پوچھا : کیا آپ کے نبی نے آپ کو کچھ بتلایا ہے کہ ان کے بعد کتنے خلیفہ ہوں گے ابن مسعود نے اس شخص سے کہا : تم ہو تو نو عمر ، لیکن تم نے بات ایسی پوچھی ہے جو تم سے پہلے کسی نے مجھ سے نہیں پوچھی ۔ ہاں ! ہمارے نبی نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ بنی اسرائیل کے نقیبوں کی تعداد کے برابر ان کے بھی خلفاء ہوں گے ۔[1]

اب ہم اس مسئلے سے متعلق فریقین کے اقوال پر غور کریں گے اور یہ دیکھیں گے کہ جن صریح نصوص کو دونوں فریق تسلیم کرتے ہیں ، وہ کس طرح ان کی تشریح و توضیح کرتے ہیں ، کیونکہ یہی وہ اہم مسئلہ ہے جو اس دن سے جس دن رسول اللہ ص نے وفات پائی آجتک مسلمانوں میں نزاع کا باعث بنا ہوا ہے ۔ اسی مسئلے سے مسلمانوں میں وہ اختلاف پیدا ہوئے جن کی وجہ سے وہ مختلف فرقوں اور اعتقادی وفکری دبستانوں میں تقسیم ہوگئے حالانکہ اس سے پہلے وہ ایک امت تھے ۔ ہر اختلاف جو مسلمانوں میں پیدا ہوا خواہ وہ فقہ کے بارے میں ہو ، قرآن کی تفسیر کے بارے ہو یا سنت نبوی کو سمجھنے کے بارے میں ہو ، اس کا منشا اور اس کیا سبب مسئلہ خلافت ہی ہے ۔

آپ مسئلہ خلافت کو کیا سمجھتے ہیں ؟

سقیفہ[2] کے بعد خلافت ایک "امر واقعہ" بن گئی اور اس کی وجہ سے بہت سی صحیح احادیث اور صریح آیات رد کی جانے لگیں اور ایسی احادیث گھڑی جانے لگیں ، جن کی صحیح سنت نبوی میں کوئی بنیاد نہیں تھی ۔اس پر مجھے اسرائیل اور "امر واقعہ" کا قصہ یاد آگیا ہے ۔ بادشاہوں اور سربراہوں کا اجلاس ہوا اور اس میں اتفاق رائے سے طے پایا اسرائیل کو تسلیم نہیں کیا جائے گا ،

----

(1):- ینابیع المودہ جز 3 ص 105

(2):- سقیفہ بنی ساعدہ: یہ سعد بن عبادہ انصاری کی بیٹھک تھی جس میں اہل مدینہ اکثر اپنے معاشرتی مسائل حل کرنے کے لئے جمع ہوتے تھے ۔(ناشر)

اس کے ساتھ مذاکرات نہیں ہے جائیں گے ، ح نہیں ہوں کیونکہ جس چیز پر طاقت کے زور سے قبضہ کرلیا گیا ہے وہ طاقت استعمال کیے بغیر واپس نہیں مل سکتی ۔چند سال . ر ایک اور اجلاس ہوا ، اس میں فیصلہ ہوا کہ صر سے تعلقات منقطع کرلیے جائیں کیونکہ اس نے صیہونی ریاست کو تسلیم کرلیا ہے ۔ چند سال اور گزر گئے ۔ عرب سربراہان مملکت پھر جمع ہوئے ۔ اس ، بار انھوں نے صر سے پھر تعلقات قائم کرلیے اور سب نے اسرائیل کے وجود کو تسلیم کرلیا ۔ حالانکہ اسرائیل نے فلسطینی قوم کے حق کو تسلیم نہیں کیا تھا اور نہ اپنے موقف میں کوئی تبدیلی پیدا کی تھی بلکہ اس کی ہٹ دھرمی بڑھ گئی تھی اور فلسطینی قوم کو کچلنے کی کاروائیوں میں اضافہ ہوگیا تھا ۔ اس طرح تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے ۔ امر واقع کو تسلیم کرلینا عربوں کی عادت ہے ۔

خلافت کے بارے میں اہل سنت کی رائے

اس ، بارے میں اہل سنت کی رائے سب کو معلوم ہے اوروہ یہ ہے کہ رسول اللہ ص نے اپنی زندگی میں کسی کو خلافت کے لئے نامزد نہیں کیا ۔ لیکن صحابہ میں سے اہل حل وعقد سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور انھوں نے ابو بکر صدیق کو اپنا خلیفہ چن لیا کیونکہ ایک تو ابو بکر رسول اللہ سے بہت نزدیک تھے ، دوسرے انھی کو رسول اللہ ص نے اپنے مرض الوفات میں نماز پڑھانے کے لیے اپنا جانشین مقرر کیا تھا ۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے ابو بکر کو ہمارے دین کے کام کے لیے پسند کیا تو ہم انہیں اپنے دنیا کے کام کے لیے کیوں پسند نہ کریں ۔اہل سنت کے نقطہ نظر کا خلاصہ حسب ذیل ہے :

1:- رسول اللہ ص نے کسی کو نامزد نہیں کیا ۔ اس سلسلے میں کوئی نص نہیں ۔

2:- خلیفہ کا تعین صرف شوریٰ سے ہوتا ہے ۔3:- ابوبکر کو کبار صحابہ نے خلیفہ منتخب کیا تھا ۔

یہی میری خود اپنی رائے تھی اس وقت جب کہ میں سنی تھا ۔ اس رائے کا دفاع میں پوری طاقت سے کیا کرتا تھا اور جن آیات میں شوریٰ کا ذکر ہے انہیں میں

اپنی رائے کے ثبوت میں پیش کرتا ۔ میں جہاں تک ہوسکتا تھا ، فخریہ اظہار کرتا تھا کہ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جو جمہوری نظام حکومت کا قائل ہے ۔ اسلام نے اس انسانی اصول کو جس پر دنیا کی ترقی یافتہ اور مہذب قومیں فخر کرتی ہیں اور وں سے پہلے اپنا لیا تھا ۔ مغرب میں جو جمہوری نظام انیسویں صدی میں متعارف ہوا اسلام اس سے چھٹی صدی ہی میں واقف ہوچکا تھا ۔

لیکن شیعہ علماء سے ملاقات کرنے ، ان کی کتابیں پڑھنے اور ان کے اطمینان بخش دلائل معلوم کرنے کے بعد میں نے اپنی رائے بدل دی ۔ اب حقیقت ظاہر ہوچکی تھی اور مجھے یقین ہوگیا تھا کہ یہ اللہ سبحانہ کی شان کے مناسب نہیں کہ وہ کسی بھی امت کو بغیر امام کے چھوڑ دے ۔جب کہ وہ خود فرماتا ہے :

" إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ وَ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ"

آپ صرف ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لیے ایک ہدایت دینے والا ہے ۔(سورہ رعد ۔آیت 7)

اسی طرح کیا رسول اللہ ص کی رحمت ورانت کا تقاضا یہ تھا کہ آپ اپنی امت کو بغیر کسی سرپرست کے چھوڑ دیں خصوصا ایسی حالت میں جب کہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ آپ کو خود اپنی امت میں تفرقہ کا اندیشہ تھا [1]۔ اوریہ ڈر تھا کہ کہیں لوگ الٹے پاؤں نہ پھر جائیں [2]۔ دنیا کے حصول میں ایک دوسرے پر بازی لیجانے کی کوشش نہ کرنے لگیں [3] ایک دوسرے کی گردن نہ مارنے لگیں [4]۔ اور یہود و نصاری کے طور طریقوں کی پیروی نہ کرنے لگیں ۔[5]

یہ بھی یاد رہے کہ جب عمر بن خطاب زخمی ہوگئے تو ام المومنین عائشہ نے آدمی

----

(1):-جامع ترمذی۔سنن ابو داؤد ۔سنن ابن ماجہ ۔مسندامام احمد بن حنبل جلد 2 صفحہ 332۔

(2):- صحیح بخاری جلد 7 صفحہ 902 باب الحوض اور جلد 5 صفحہ 192

(3):- صحیح بخاری جلد4 صفحہ 63۔

(4):- صحیح بخاری جلد 7 صفحہ 112

(5):-

ٔ بھیج کر انٔیں بلایا تھا کہ : اپنے بعد امت محمّدیہ کا کوئی خلیفہ مقرر کردیجیئے اور اسے اپنے بعد بےیارو مددگار نہ چھوڑ ـ

کیونکہ مجھے فتنہ کا اندیشہ ہے ـ[1]

اسی طرح حضرت عمر کے زخمی ہوجانے کے بعد عبداللہ بن عمر نے بھی اپنے والد سے کہا تھا کہ : لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کررہے ہیں لیکن اگر آپ کا کوئی اونٹ یا بھیڑ بکری چرانے والا ہو اور وہ ان کو چھوڑ کر آپ کے پاس چلا آئے تو کیا آپ یہ نہیں سمجھیں گے کہ اس نے ان کو ضائع کردیا ـ انسانوں کی دیکھ بھال تو اور بھی زیادہ ضروری ہے ـ[2]

حضرت ابو بکر نے جن کو مسلمانوں نے اجماع کے ذریعہ خلیفہ بنایا تھا خود ہی اس اصول کو توڑ دیا تاکہ اس طرح مسلمانوں میں اختلاف ،تفرقہ اور فتنہ کے امکان کا سد باب کیا جائے ـ یہ توجیہ اس صورت میں ہوں جب ہم حسن ظن سے کام لیں ورنہ امام علی ع نے جو اس قضیے میں تمام پہلوؤں سے سب سے زیادہ واقف تھے ، پہلے ہی پیشین گوئی کردی تھی کہ ابو بکر کے بعد خلافت عمر بن الخطاب ہی کے پاس جائے گی ـ یہ اس وقت کی بات ہے جب عمر نے امام علی ع پر ابوبکر کی بیعت کرنے کے لیے زور ڈالا تھا ـ امام علی ع نے کہا تھا :

"إحلب حلباً لّك شطره واشدد له اليوم يردّده عليك غداً."

آج تم دودھ دھولو، کل تمہیں اس کا آدھا حصہ مل جائے گا ـآج تم اس کی حیثیت مضبوط کردو ، کل وہ تمہیں واپس لوٹا دے گا

(3)ـ

میں کہتا ہوں کہ جب ابوبکر ہی کو شوری کے اصول پر یقین نہیں تھا تو ہم یہ مان لیں کہ رسول اللہ نے یہ معاملہ کسی کو خلیفہ نامزد کیے بغیر ایسے ہی چھوڑ دیا ہوگا ـکیا آپ کو اس مصلحت کا علم نہیں تھا جس کا علم ابو بکر ،عائشہ اور عبداللہ بن عمر کو

----

(1):- ابن قتیبہ ،الامامۃ والسیاسۃ جز 1 صفحہ 28

(2):- ابن قتیبہ ، الامامۃ والسیاسۃ جز 1 صفحہ 18 اور ابار

(3):- صحیح مسلم جز 6 صفحہ 5 باب الاستخلاف وترکہ

تھا اورجس سے سب لوگ صاف طور پر واقف تھے کہ اگر انتخاب کا اختیار عوام کو دیدیا جائے گا تو اس کا نتیجہ اختلاف کی شکل میں ظاہر ہوگا خاص کر جب معاملہ حکومت اور خلافت کا ہو ۔ خود حضرت ابو بکر کے انتخاب کے موقع پر سقیفہ میں ایسا ہوبھی چکا تھا ۔ انصار کے سردار سعد بن عبادہ ، ان کے بیٹے قیس بن سعد ، علی بن ابی طالب ع، زبیر ابن عوام[1] ،عباس بن عبدالمطلب ، اور دوسرے بنی ہاشم اوربعض دوسرے صحابہ نے جو خلافت کو علی ع کا حق سمجھتے تھے [2]، مخالفت کی تھی اور وہ علی ع کے مکان پر جمع ہوگئے تھے جہاں ان کو جلادینے کی دھمکی دی گئی تھی ۔[3]

اس کے علاوہ ہم نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ نے اپنی پوری عملی زندگی میں کبھی ایک دفعہ بھی کسی غزوہ یا سریہ کے کمانڈر کے تعین کے وقت اپنے اصحاب سے مشورہ کیا ہو ۔

اسی طرح مدینہ سے باہر جاتے وقت کسی سے مشورہ کیے بغیر جس کو مناسب سمجھتے تھے اپنا جانشین مقرر کرجاتے تھے ۔ جب آپ کے پاس وفود آتے تھے اور اپنے اسلام کا اعلان کرتے تھے اس وقت بھی ان سے مشورہ کیے بغیر ان میں سے جس کو چاہتے تھے ان کا سربراہ مقرر کردیتے تھے ۔

آپ نے اپنے اس طریق کار کو اس وقت مزید واضح کردیا جب آپ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اسامہ بن زید کو لشکر کا امیر مقرر کیا حالانکہ ان کی نوعمری اور صغر سنی کی وجہ سے کچھ لوگوں نے اعتراض بھی کیا مگر آپ نے اس اعتراض کو رد کرتے ہوئے ان لوگوں پر لعنت کی جو اس لشکر میں شامل ہونے سے گریز کریں [4]۔ اور واضح کردیا کہ امارت ،ولایت اور خلافت میں لوگوں کی مرضی داخل نہیں ، یہ معاملہ رسول ص کے حکم سے طے ہوتاہے اور رسول کا حکم اللہ کا حکم ہے ۔جب صورت یہ ہو تو ہم دیکھتے ہیں دوسرے فریق کے دلائل پر بھی غور کریں ۔دوسرے

----

(1):- صحیح بخاری جلد 8 صفحہ 26 باب رجم الحبلی من الزنا

(2) (3):-ابن قتیبہ ،الامامۃ والسیاسۃ جلد اول صفحہ 18 اوربعد ۔

(4):- الملل والنحل شہرستانی۔

فریق سے میری مراد شیعہ ہیں ۔ یہ بات پر زور دیتے ہیں کہ رسول اللہ ص نے امام علی ع کو خلیفہ مقرر کیا تھا اور مختلف موقعوں پر اس کی تصریح بھی کردی تھی جن میں سب سے مشہور " غدیر خم" کا جلسہ ہے ۔

انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ اختلاف کی صورت میں آپ نے اپنے مخالف کی رائے اور دلیل کو سنیں ، خصوصا ایسی حالت میں جب کہ مخالف ایسے حقائق سے استدلال کررہا ہو جن کو آپ بھی تسلیم کرتے ہوں ۔[1]

شیعوں کی دلیل میں کوئی وقتی یا وضعی بات نہیں جے آسانی سے نظر انداز کیا جاے ۔بلکہ عاملہ قرآنی آیات کا ہے جو اس بارے میں نازل ہوئی ہیں ۔ جن کو خود رسول اللہ ص نے جو اہمیت دی وہ اس قدر مشہور و معروف ہیں ۔ ان میں خاص وہ عام ہے کہ حدیث و تاریخ کی کتابیں اس سے بھری ہوئی ہیں اور راوی اسے نسلا بعد نسل نقل کرتے چلے آرہے ہیں ۔

1:- ولایت علی ع قرآن کریم میں

اللہ تعالی فرماتا ہے :

"إنما وليكم الله ورسوله والذين آمنوا الذين يقيمون الصلاة ويؤتون الزكاة وهم راكعون "

تمہارے ولی تو بس اللہ اور اس کا رسول اور وہ مومنین ہیں جو پابندی سے نماز پڑھتے ہیں ، رکوع کی حالت میں زکوات دیتے

----

(1):- قرآن کریم بھی ہمیں انصاف سے کام لینے کی تلقین کرتا ہے اور کہتا ہے :

اے ایمان والو! ---- لوگوں کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دو ۔(سورہ مائدہ ۔آیت 8

واضح رہے کہ شیعوں کی کوئی دلیل ایسی نہیں ہے جس کی اصل اہل سنت کی کتابوں میں موجود نہ ہو ۔

ہیں ۔جو کوئی اللہ ، اس کے رسول اور ان مومنین کی ولایت قبول کرے گا (وہ اللہ کی جماعت میں داخل ہوگا)بے شک اللہ ہی کی جماعت غلبہ پانے والا ہے ۔(سورہ مائدہ ۔آیت 55-56)

ابو اسحاق ثعلبی [1] نے اپنی تفسیر کبیر میں اپنی اسناد سے ابو ذر غفاری سے یہ روایت بیان کی ہے ۔ ابو ذر کہتے ہیں کہ : میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے ان کانوں سے سنا ، اگر نہ سنا ہو تو یہ کان بہرے ہوجائیں اور اپنی ان آنکھوں سے دیکھا ، اگر نہ دیکھا ہو تو یہ آنکھیں اندھی ہوجائیں ۔آپ فرماتے تھے کہ "علی "نیکیوں کو رواج دینے والے اور کفر کو مٹانے والے ہیں ۔ کامیاب ہے وہ جوان کی مدد کرے گا اور ناکام ہے وہ جو ان کی مدد چھوڑ دے گا ۔ایک دن میں رسول اللہ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک مانگنے والا مسجد میں آگیا ،اسے کسی نے کچھ نہیں دیا ۔ علی ع نماز پڑھ رہے تھے ، انھوں نے اپنی چھوٹی انگلی سے انگوٹھی اتار دی ۔اس پر رسول اللہ ص نے عاجزی سے اللہ تعالی سے دعا کی اور کہا : یا الہی میرے بھائی موسی نے تجھ سے دعا کی تھی اور کہا تھا : "اے میرے پروردگار !میرا سینہ کھول دے اور میرا کام آسان کردے میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ لیں ،اور میرے اپنوں میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا مددگار بنادے تاکہ میں تقویت حاصل کرسکوں اور انہیں میرا شریک کار بنادے تاکہ ہم کثرت سے تیری تسبیح کریں اور بکثرت تجھے یاد کیا کریں "۔تب تو نے انہیں وحی بھیجی کہ اے موسی ! تمہاری دعا قبول ہوئی ۔اے اللہ ! میں تیرا بندہ اور نبی ہوں ۔میرا بھی سینہ کھول دے میرا کام بھی آسان کردے اور میرے اپنوں میں سے علی ع کو میرا مددگار بنادے تاکہ میں اس سے اپنی کمر مضبوط کرسکوں "۔ ابو ذر کہتے ہیں کہ ابھی رسول اللہ نے اپنی بات پوری کی ہی تھی جبریل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے :" إنما وليكم الله ورسوله"[2]۔

----

(1):-ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم نیشاپوری ،ثعلبی المتوفی سنہ 437ھ ۔ابن خلکان کہتے ہیں کہ علم تفسیر میں یکتائے زمانہ تھے ، روایت میں ثقہ اور قابل اعتماد تھے ۔

(2):-۔۔۔۔،سنن نسائی ، مسند احمد بن حنبل ، صواعق محرقہ ابن حجر ہیثمی مکی ۔ شرح نہج البلاغہ ۔

شیعوں میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ آیت امام علی بن ابی طالب ع کی شان مین اتری ہے ۔ اس کی توثیق ائمہ اہل بیت ع کی روایت سے ہوتی ہے جو شیعوں کے نزدیک قطعا مسلم الثبوت روایت ہے اور ان کی متعدد بڑی کتابوں میں موجود ہے :1:- اثبات الہداۃ ۔علامہ محمد بن حسن عاملی سنہ 1104 ھ۔2:- بحار الانوار ۔علامہ محمد باقر مجلسی سنہ 1111ھ۔3:- تفسیر المیزان ۔علامہ محمد حسین طباطبائی سنہ 1402 ھ۔4:- تفسیر الکاشف ۔ علامہ محمد جواد مغنیہ -5:- الغدیر۔علامہ عبدالحسین احمد امینی سنہ 1390ھ علمائے اہل سنت کی بھی ایک بڑی تعداد نے اس آیت کے علی بن ابی طالب علیہ الصلواۃ والسلام کے بارے میں نازل ہونے کے متعلق روایت کی ہے ۔ میں ان میں سے فقط علمائے تفسیر کا ذکر کرتا ہوں :

1:- تفسیر کشاف عن حقائق التنزیل ۔جار اللہ محمود بن عمر زمخشری سنہ 538 ھ جلد 1 صفحہ 649

2:- تفسیر جامع البیان ۔(1)حافظ محمد بن جریر طبری سنہ 310 ھ جلد 6 صفحہ 288

3:- تفسیر زاد المسیر فی علم التفسیر ۔سبط ابن جوزی سنہ 654 جلد 2صفحہ 219۔4:- تفسیر جامع الاحکام القرآن ۔محمد بن احمد قرطبی سنہ 671ھ جلد 63صفحہ 219

5:- تفسیر کبیر ۔امام فخر الدین رازی شافعی سنہ 606ھ جلد12 صفحہ 26۔6:- تفسیر القرآن العظیم ۔اسماعیل بن المعروف ابن کثیر سنہ 774ھ جلد 2 صفحہ 71

7:- تفسیر القرآن الکریم ۔ابو البرکات عبداللہ بن احمد نسفی سنہ 710 ھ جلد 1صفحہ 289۔8:- تفسیر شواہد التنزیل لقواعد التفضیل والتاویل ۔حافظ حاکم حسکانی جلد 1 صفحہ 161۔9:- تفسیر در منثور ۔حافظ جلال الدین سیوطی سنہ 911 ھ جلد 2 صفحہ 293

----

(1):-اہل سنت میں راویان حدیث کے القاب کی درجہ بندی مندرجہ ذیل ہے :

1:- محدث : جسے درایت حدیث پر عبور ہو 2:-حافظ: جسے ایک لاکھ حدیثیں یاد ہوں

3:- حجت : جسے تین لاکھ حدیثیں یاد ہوں 4:- حاکم : جسے سب حدیثیں یاد ہوں۔(ناشر)

10:- اسباب انزول ۔ امام ابو الحسن واحدی نیشاپوری سن 468ھ صفحہ 148

11:- احکام القرآن ۔ابو بکر احمد بن علی الجصاص حنفی سن 370ھ جلد 4 صفحہ 103

12:- التسہیل علوم التنزیل ۔حافظ کلبی غرناطوی سن ھ جلد 1 صفحہ 181

علمائے اہل سنت میں سے جن کے نام میں نے لیے ہیں ، ان سے زیادہ وہ ہیں جن کے نام میں نے نہیں لیے ۔ لیکن وہ علمائے شیعہ سے اس پر متفق ہیں کہ یہ آیت ولایت علی بن ابی طالب ع کے بارے میں نازل ہوئی ہے ۔

2:- آیہ تبلیغ کا تعلق بھی ولایت علی ع سے ہے

اللہ تعالی کا فرمان ہے :

"يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ "

اے رسول !جو حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس آیا ہے اسے پہونچادو ۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو گویا تم نے اسے کا کوئی پیغام ہی نہیں پہچایا ۔اور اللہ تمہیں لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا ۔(سورہ مائدہ ۔آیت 67)

بعض اہل سنت مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت بعثت کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی تھی جب رسول اللہ ص قتل اور ہلاکت کے خوف سے اپنے ساتھ محافظ رکھتے تھے جب آیت نازل ہوئی کہ " وَاللّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ "تو آپ نے اپنے محافظوں سے کہا : تم جاؤ ،اب اللہ نےمیری حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے ۔

ابن جریر اور ابن مردویہ نے عبداللہ بن شقیق سے روایت بیان کی ہے کہ کچھ صحابہ رسول اللہ کے ساتھ سائے کی طرح رہتے تھے ۔ جب آیت نازل ہوئی " وَاللّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ" تو آپ نے باہر نکل کر فرمایا : لوگو ! اپنے گھر والوں کے پاس چلے جاؤ ،اللہ نے میری حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے ۔(تفسیر در منثور ۔سیوطی جلد 3 صفحہ 119)

ابن حبّان اور ابن مردویہ نے ابو ہریرہ سے روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب ہم کسی سفر میں رسول اللہ کے ساتھ ہوتے تھے تو سب سے بڑا اور سایہ دار درخت ہم آپ کے لیے چھوڑ دیتے تھے ۔آپ اسی کے نیچے اترتے تھے ایک دن آپ ایک درخت کے نیچے اترے اور اس پر اپنی تلوار لٹکادی ۔ ایک شخص آیا اور اس نے تلوار اٹھا لی اور کہنے لگا : محمد ! بتاؤ اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا ؟ " آپ نے فرمایا :" اللہ بچائے گا تو تلوار رکھ دے :" اس نے تلوار رکھ دی ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ :" وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ "[1]

ترمذی ،حاکم اور ابو نعیم نے عائشہ سے روایت کی ہے ۔حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ کے ساتھ محافظ رہتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی : " وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ " تو آپ نے قبّہ سے سر نکال کر کہا : تم لوگ چلے جاؤ ، اللہ نے میری حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے ۔

۔ طبرانی ، ابو نعیم ، ابن مردویہ اور ابن عساکر نے ابن عبّاس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ص کے ساتھ محافظ رہتے تھے ۔ آپ کے چچا ابو طالب ہر روز بنی ہاشم میں سے کسی شخص کو آپ کے ساتھ رہنے کے لیے بھیج دیا کرتے تھے ۔پھر آپ نے ان سے کہہ دیا : چچا جان ! اللہ نے میری حفاظت کاذمہ لے لیا ہے اب کسی کو بھیجنے کی ضرورت نہیں ۔

جب ہم ان احادیث پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مضمون آیت کریمہ کے ساتھ میل نہیں کھاتا اور نہ اس کے سیاق وسباق کے ساتھ ٹھیک بیٹھتا ہے ۔ ان سب روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت بعثت کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے ۔ایک روایت میں تصریح ہے کہ یہ واقعہ ابو طالب کی زندگی کا ہے یعنی ہجرت سے کئی سال قبل کا ۔ خصوصا ابو ہریرہ تو یہ تک کہتے ہیں کہ جب ہم سفر میں رسول اللہ ص کے ہمراہ ہوتے تھے تو ان کے لیے سب سے بڑا درخت چھوڑ دیتے تھے ظاہر ہے یہ روایت موضوع ہے کیونکہ ابو ہریرہ جیسا کہ وہ خود اعتراف کرتے ہیں

----

(1):- تفسیر در منثور ۔سیوطی

سنہ 7 ہجری سے قبل اسلام اور رسول اللہ کو جانتے بھی نہیں تھے ۔[1] عائشہ اس وقت تک یا تو پیدا ہی نہیں ہوئی تھیں یا ان کی عمر دوسال سے زیادہ نہیں تھی کیونکہ یہ معلوم ہے کہ ان کا نکاح رسول اللہ سے ہجرت کے . ر ہوا اور اس وقت ان کی عمر زیادہ سے زیادہ باختلاف روایت گیارہ سال تھی ۔پھر یہ روایتیں کیسے صحیح ہوسکتی ہیں ؟ تمام سنی اور شیعہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ سورہ مائدہ مدنی سورت ہے ۔اور یہ قرآن کی سب سے آخری سورت ہے جو نازل ہوئی ۔

احمد اور ابو عبید نے اپنی کتاب فضائل میں ، نحاس نے کتاب ناسخ میں ۔ نسائی ، ابن منذر ،حاکم ابن مردویہ اور بیہقی اپنی سنن میں جبیر بن نفیر سے روایت کرتے ہیں کہ جبیر نے کہا : میں حج کرنے گیا تو حضرت عائشہ سے بھی ملنے گیا ۔انھوں نے کہا : جبیر! تم نے سورہ مائدہ پڑھی ہے ؟ میں نے کہا : جی ہاں ۔کہنے لگیں یہ آخری سورت ہے جو نازل ہوئی ۔اس میں تم جس چیز کو حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور جسے حرام پاؤ اسے حرام سمجھو۔[2]

احمد اور ترمذی نے روایت کی ہے کہ اور حاکم نے اسے صحیح اور حسن کہا ہے ابن مردویہ اور بیہقی نے بھی یہ روایت نقل کی ہے کہ عبداللہ بن عمر نے نزول کے اعتبار سے سورہ مائدہ کو آخری سورت بتایا ہے ۔[3]

ابو عبیدہ نے محمد بن کعب قرظی کے حوالے سے روایت بیان کی ہے ۔وہ کہتے ہیں کہ سورہ مائدہ رسول اللہ ص پر حجۃ الوداع میں اتری ۔اس وقت آپ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک اونٹنی پر سوار تھے ،جس کی وجہ سے اونٹنی کا کندھا ٹوٹ گیا تو آپ اتر گئے ۔[4]

ابن جریر نے ربیع بن انس سے روایت کی ہے کہ جب سورہ مائدہ رسول اللہ پر نازل ہوئی اس وقت آپ اپنی سواری پر سوار تھے ۔جس کی وجہ سے اونٹنی بیٹھ گئی

----

(1):- فتح الباری جلد 6 صفحہ 31 ۔البدایۃ والنہایہ جلد 8 صفحہ 102 ۔ سیر اعلام النبلاء ذہبی جلد 2 صفحہ ۔۔ الاصابہ ، ابن حجر جلد 3 صفحہ 287

(2)(3)(4):- تفسیر در منثور ،سیوطی جلد 3 صفحہ 3

تھی [1]۔

ابو عبیدہ نے ضمرہ بن حبیب اور عطیہ بن قیس سے روایت کی ہے ، وہ دونوں کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا : نزول کے اعتبار سے مائدہ آخری سورت ہے جو اس میں حلال ہے اسے حلال سمجھو اور جو اس میں حرام ہے اسے حرام سمجھو [2]۔اب ان تمام روایات کی موجودگی میں کوئی انصاف پسند سمجھ دار شخص یہ دعوی تسلیم کرسکتا ہے کہ مندرجہ بالا آیت بعثت رسول ص کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی تھی ۔ جہاں تک شیعوں کا تعلق ہے ان میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ نزول کے اعتبار سے سورہ مائدہ قرآن کی آخری سورت ہے اور خاص کر آیہ تبلیغ حجۃ الوداع کے بعد 18 ذی الحجۃ کو امام علی ع کے منصب امامت پر تقرر سے پہلے غدیر خم میں نازل ہوئی ۔ اس دن جمعرات تھی ۔پانچ ساعت دن گزر جانے کے بعد جبرئیل نازل ہوئے اورآنحضرت سے بولے :اے محمد ص ! اللہ نے آپ کو سلام کہا ہے اور کہا ہے کہ :

"يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللّهَ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ"۔اللہ تعالی کا " وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ "کہنا واضح طور پر ظاہر کرتا ہے کہ کہ یا تو رسالت کا کام ختم ہوچکاہے یا ختم ہونے کے قریب ہے اور صرف ایک اہم کام باقی رہ گیا ہے جس کے بغیر دین کی تکمیل نہیں ہوسکتی ۔اس آیت کریمہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ص کو یہ اندیشہ تھا کہ جب وہ اس اہم کا م کی طرف لوگوں کو بلائیں گے تو لوگ ان کو جھٹلائیں گے ۔لیکن اللہ تعالی نے انھیں تاخیر کی اجازت نہیں دی کیونکہ وقت موعود نزدیک تھا اور یہ اس کام کے لیے بہترین موقع تھا آپ کے ساتھ ایک لاکھ سے زیادہ اصحاب موجود تھے جنھوں نے ابھی ایک ہفتہ پہلے آپ کے ساتھ حج کیا تھا ۔ ابھی تک ان کے قلوب مراسم حج کے نور سے معمور تھے ، انہیں یہ بھی یاد تھا کہ رسول اللہ ص نے انہیں اپنی وفات کے قریب

----

(1)(2):- سیوطی ،تفسیر درمنثور جلد 3 صفحہ 3۔

ہونے کی خبر دی ہے ۔آپ نے فرمایا تھا :

" لعلّی لآ ألقاكم بعد عامي هذا ويوشك أن يّاتي ربّي وأدعى فأُجيب."

شاید اس سال کے بعد میں تم سے نہ مل سکوں ۔ وہ وقت قریب ہے جب پروردگار کا بلاوا آجائے گا اور مجھے جانا ہوگا ۔اب وہ وقت قریب تھا جب لوگ اپنے اپنے گھروں کو جانے کے لیے منتشر ہونے والے تھے ۔ شاید پھر اتنے بڑے مجمع سے ملاقات کا موقع نہ مل سکے ۔غدیر کئی راستوں کے سنگم پرواقع تھا ۔ رسول اللہ کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ کسی طرح بھی ایسے سنہری موقع کو ہاتھ سے جانے دیں ۔ اور کیسے جانے دے سکتے تھے جب وہ گھڑی آچکی تھی جس میں ایک کو ہاتھ سے جانے دیتے ۔ اور کیسے جانے دے سکتے تھے جب وہ گھڑی آچکی تھی جس میں ایک طرح کی تنبیہ بھی تھی اور کہا گیا تھا کہ آپ کی رسالت کا دارومدار اسی پیغام کو پہنچانے پر ہے ۔ اللہ سبحانہ نے آپ کو لوگوں کے شر سے بچانے کی ضمانت بھی دیدی تھی اور بتا دیا تھا کہ منکرین سے خوف کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ آپ سے پہلے بھی کتنے ہی رسول کو جھٹلائے جاچکے ہیں لیکن اس کی وجہ سے جو پیغام ان کو دیا گیا تھا وہ اس کو پہنچانے سے باز نہیں رہے ، اس لیے کہ رسول کا فریضہ ہی پہنچانا ہے ۔ "ما على الرّسول إلّا البلاغ" کو اللہ کو پہلے سے معلوم تھا کہ اکثر لوگ حق کو پسند نہیں کرتے [1]۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے قرآن میں فرمایا ہے : کہ اللہ کو معلوم ہے کہ ان میں جھٹلانے والے ہیں [2]۔جب بھی اللہ انہیں حجت قائم کیے بغیر چھوڑ نے والا نہیں ۔" لِئَلاَّ يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّهُ عَزِيزاً حَكِيماً "اس کے علاوہ آپ کے سامنے ان رسولوں کی مثال تھی جن کو ان کی قوموں نے جھٹلایا ۔اللہ تعالی فرماتا ہے :

" وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودُ () وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ () وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ وَكُذِّبَ مُوسَى فَأَمْلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ

----

(1):-سورہ زخرف ۔آیت 78 ۔ (2):- سورہ احاقہ ۔آیت 49 ۔(3):- سورہ نساء ۔آیت 165

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ"

اگر یہ لوگ تم کو جھٹلاتے ہیں و‌ئکیا ہوا ، ان سے پہلے قوم نوح اور عاد وثمود اور قوم ابراہیم ، قوم لوط اور اہل مدین بھی تو اپنے اپنے پیغمبروں کو جھٹلاچکے ہیں اور موسیٰ بھی تو جھٹلائے جا چکے ہیں ۔ چنانچہ پہلے تو میں کافروں کو مہلت دیتا رہا پھر میں نے انہیں پکڑلیا ۔سو دیکھ لو میرا عذاب کیسا ہوا ۔ (سورہ حج۔آیت 42-44)

اگر ہم تعصّب اور اپنے مذہب کی جیت سے محبت کا خیال چھوڑدیں تو یہ تشریح زیادہ سمجھ میں آنے والی ہے اور اس آیت کے نزول سے پہلے اور بعد میں جو واقعات پیش آئے ان سے بھی زیادہ ہم آہنگ ہے ۔

علمائے اہلسنت کی ایک بڑی تعداد نے اس آیت کے امام علی ع کے تقرر کے بارے میں غدیر خم کے مقام پر نازل ہونے کی روایت بیان کی ہیں اور ان کو صحیح کہا ہے اور اس طرح اپنے شیعہ بھائیوں کے ساتھ اتفاق رائے کا اظہار کیا ہے ۔ ہم مثال کے طور پر ذیل میں چند علمائے اہل سنت کاذکر کرتے ہیں :

1:- حافظ ابو نعیم اصفہانی متوفی سنہ 430ھ نزول قرآن ۔2:- امام ابوالحسن واحدی نیشاپوری، متوفی سنہ 468اسباب النزول صفحہ 150-3:- امام ابو اسحاق ثعلبی نیشاپوری، متوفی سنہ 427ھ تفسیر الکشف والبیان-4:- حافظ حاکم حسکانی حنفی شواھد التنزیل لقواعد التفضیل بوالتاویل جلد 1 صفحہ 187۔5:- امام فخر الدین رازی شافعی متوفی سنہ 606 ھ تفسیر کبیر جلد 12 صفحہ 50۔6:- حافظ جلال الدین سیوطی شافعی سنہ 911ھ تفسیر الدرالمنثور جلد 3 صفحہ 117۔7:- مفتی شیخ محمد عبدہ سنہ 1323 ھ تفسیر المنار جلد 2 صفحہ 86 وجلد6 صفحہ 463۔8:-حافظ ابو القاسم ابن عساکر شافعی سنہ 571ھ تاریخ دمشق جلد 2 صفحہ 86۔

9:- قاضی محمد بن علی شوکانی سنہ 1250ھ تفسیر فتح القدیر جلد 2 صفحہ 60۔10:- ابن طلحہ شافعی سنہ 652ھ مطالب السؤل جلد 1 صفحہ 44۔11:- حافظ سلیمان قندوزی حنفی سنہ 1294ینابیع المودۃ صفحہ 120ھ۔12:- محمد عبدالکریم شہرستانی شافعی سنہ 548ھ المللوالنحل جلد 1 صفحہ 163۔

13:- نورالدین ابن الصباغ المالکی سنہ 855ھ الفصول المہمہ صفحہ 25۔14:- حافظ محمد بن جریر طبری سنہ 310ھ کتاب الولایہ ۔ 15:- حافظ ابو سعید سجستانی سنہ 477ھ کتاب الولایہ ۔ 16:- بدر الدین ابن عینی حنفی سنہ 855ھ عمدۃ القاری فی شرح البخاری جز 8 صفحہ 584- 17:- سید عبدالوہاب البخاری سنہ 932 ھ تفسیر القرآن ۔

18:- سید شہاب الدین آلوسی شافعی سنہ 1270ھ روح المعانی جز 2 صفحہ 384۔

19:- شیخ الاسلام محمد بن ابراہیم حموینی حنفی سنہ 722 ھ فرائد السمطین جز 1 صفحہ 185۔

20:- سید صدیق حسن خان فتح البیان فی مقاصد القرآن جز 3 صفحہ 63 ۔[1]

اب دیکھنا یہ ہے کہ جب رسول اللہ ص کو حکم دیا گیا کہ جو کچھ آپ پر اترا ہے اسے لوگوں تک پہنچا دیجئے تو اس پر آپ نے کیا کیا ؟

شیعہ یہ کہتے ہیں کہ آپ نے لوگوں کو ایک جگہ غدیر خم کے مقام پر جمع کیا اور ایک طویل اور نہایت بلیغ خطبہ دیا ۔ آپ کے گواہی مانگنے پر لوگوں نے گواہی دی کہ آپ کا ان پر خود ان سے زیادہ حق ہے ۔ اس پر آپ نے علی بن ابی طالب ع کا ہاتھ بلند کرکے کہا :-

"من كنت مولاه فهذا عليٌّ مولاه أللهمّ وال من وّالاه وعاد من عاداه وانصرمن نّصره وخذل من خذله وأدرالحقّ حيث ما دار".[2]

میں جس کا مولا ہوں یہ علی بھی اس کے مولا ہیں ۔ خداوندا! جو علی ع سے دوستی رکھے اس سے دوستی رکھ اور جو ان سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ ۔ جو ان کی مدد کرے تو بھی اس کی مدد کر اور جو ان کا ساتھ چھوڑ دے تو بھی اس کا ساتھ

----

(1):- میں نے یہاں کچھ علماء کا ذکر کیا ہے جبکہ علامہ امینی نے اپنی کتاب الغدیر میں تفصیل سے علمائے اہل سنت کا ذکر کیا ہے ۔

(2):- یہ حدیث حدیث غدیر کے نام سے موسوم ہے ۔ شیعہ اور سنی علماء نے اسے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے ۔

چھوڑ دے ۔ جس طرف علی ع کا رخ ہو اسی طرف حق کا رخ پھیر دے ۔

اس کے بعد آپ نے حضرت علی ع کو عمامہ پہنایا اور اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ علی ع کو امیرالمومنین ہوجانے کی مبارک باد دیں ۔ چنانچہ سب نے مبارک باد دی ۔ابو بکر اور عمر نے بھی تبریک وتہنیت پیش کی اور کہا : اے فرزند ابو طالب ع ! تمہیں اس بات کی پیشوائی مبارک ہو ۔ آج سے تم ہر مومن اور مومنہ کے مولا بن گئے ۔[1]

اس تقریب کے اختتام پر یہ آیت نازل ہوئی :

"الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلاَمَ دِيناً "

آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کردیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کردی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کرلیا ۔(سورہ مائدہ ۔آیت 3)

یہ شیعوں کا نظریہ ہے جو ان کے نزدیک مسلّمات میں سے ہے اور جس کے متعلق ان کے یہاں دورائیں نہیں ہیں ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا اس واقعہ کا ذکر اہل سنت کے یہاں بھی موجود ہے ؟

ہم نہیں چاہتے کہ جانبداری سے کام لیں اور وثیق کی باتوں میں آجائیں ۔ کیونکہ اللہ تعالی نے ہمیں تنبیہ کی ہے :

" وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّهَ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ"

کچھ لوگ ایسے ہیں جب وہ دنیا وی غرض سے باتیں کرتے ہیں تو انکی باتیں آپ کو اچھی معلوم ہوتی ہیں اور جو ان کے دل میں ہے وہ اللہ کو اس پر گواہ لاتے ہیں مگر (درحقیقت) وہ سخت جھگڑا لو ہیں ۔(سورہ بقرہ ۔آیت 204)

----

(1):- مسند امام احمد بن حنبل ۔تفسیر جامع البیان۔طبری ۔تفسیر کبیر، رازی ۔ صواعق محرقہ ،ابن حجر ہیثمی مکی ۔دار قطنی ۔بیہقی ۔خطیب بغدادی اور شہرستانی وغیرہ نے بھی یہ واقعہ اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے ۔

اس لیے ضروری ہے کہ ہم اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے پوری احتیاط سے کام لیں ، فریقین کے دلائل پر دیانت داری سے غور کریں اور ایسا کرتے ہوئے ہمارا مقصد اللہ کی رضا ہو ۔ رہا یہ سوال کہ کیا اس واقعہ کا ذکر اہل سنت کے یہاں بھی ہے ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جی ہاں! بہت علمائے اہل سنت نے اس واقعے کے ہر مرحلے کا ذکر کیا ہے ۔ آپ کی خدمت میں چند مثالیں پیش کرتا ہوں :

امام احمد بن حنبل نے زید بن ارقم کی حدیث نقل کی ہے ۔وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ کے ساتھ ہم ایک وادی میں اترے جو وادی خم کے نام سے موسوم تھی ، رسول اللہ ص نے نماز کا حکم دیا ۔چنانچہ ہم نے دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں نماز پڑھی اس کے بعد آپ نے خطبہ دیا ۔ دھوپ سے بچاؤ کی غرض سے آپ کے لیے ایک درخت پر کپڑا پھیلادیا گیا تھا ۔ رسول اللہ ص نے فرمایا : کیا تم نہیں جانتے کیا تم گواہی نہیں دیتے کہ میرا تم پر خود تم سے زیادہ حق ہے ؟ لوگوں نے کہا : جی ہاں بے شک ! آپ نے کہا : "من کنت مولاه فهذا عليٌّ مولاه أللهمّ وال من وّالاه وعاد من عاداه"

پس جس کا میں مولا ہوں ۔اس کا علی ع بھی مولا ہیں ۔ بارالہا ! جو ان سے دوستی رکھے تو بھی اس سے دوستی رکھ اور جو ان سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ ۔۔۔۔۔[1]

امام نسائی کتاب الخصائص میں زید بن ارقم سے روایت نقل کی ہے۔ زید بن ارقم نے کہا :جب حجۃالوداع سے واپس آتے ہوئے رسول اللہ ص غدیر خم کے مقام پر اترے تو آپ نے درختوں کے نیچے جھاڑ جھنکاڑ صاف کرنے کا حکم دیا ۔پھر آپ نے کہا : "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا بلاوا آگیا اور میں جارہا ہوں ۔ میں تمہارے درمیان دوگراں قدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں ، ایک چیز دوسری چیز سے بڑی ہے کتاب اللہ اور میری عترت ! یعنی میرے اہلبیت ع ۔دیکھو میرے بعد تم ان سے کیا سلوک کرتے ہو۔ یہ دونوں چیزیں حوض پر آنے تک ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں ہوں گی ۔ " بیشک اللہ

----

(1):-مسند امام احمد بن حنبل جلد 4 صفحہ 372

میرا مولا ہے اور میں ہر مومن کا ولی ہوں ۔پھر آپ نے علی ع کا ہاتھ پکڑ کر کہا :
"من كنت وليّه فهذا وليّه أللهمّ وال من وّالاه وعادمن عاداه".

جس کا میں ولی ہوں ،یہ بھی اس کے ولی ہیں ۔ اے اللہ ! جو علی ع سے دوستی رکھے تو بھی اس سے دوستی رکھ اور جو ان سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ ۔

ابو طفیل کہتے ہیں میں نے زید بن ارقم سے پوچھا : کیاتم نے خود رسول اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ؟ زید نے کہا : جتنے لوگ بھی وہاں درختوں کے قریب تھے ، سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا (1)۔

حاکم نیشاپوری نے زید بن ارقم سے دو طریقوں سے یہ روایت بیان کی ہے اور ان دونوں طریقے علی شرط الشیخین (بخاری ومسلم) صحیح ہیں ۔ زیدبن ارقم نے کہا کہ : جب رسول اللہ حجۃ الوداع سے واپسی میں غدیر خم کے مقام پر اترے ،آپ نے درختوں کے جھاڑ جھنکاڑ صاف کرنے کا حکم دیا ۔ صفائی کے بعد آپ نے فرمایا کہ : ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا بلاوا آگیا ہے اور میں جارہا ہوں مگر میں تمہارے درمیان دوگرانقدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں ، ان میں ایک دوسری سے بڑی ہے ۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسری عترت یعنی اہل بیت ع ۔ اب دیکھو تم میرے بعد ان کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہو کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں ہونگی یہاں تک کہ میرے پاس حوض پر پہنچ جائیں گے ۔ اس کے بعد کہا : اللہ تعالی میرا مولی ہے اور میں ہر مومن کا مولی ہوں ۔پھر علی ع کا ہاتھ پکڑ کر کہا :
"من كنت مولاه فهذا وليّه أللهمّ وال من وّالاه وعاد من عاداه"

جس کا میں مولا ہوں ،اس کے یہ ولی ہیں ۔ اے خدا ! جو علی ع کو دوست رکھے تو بھی اس سے دوستی رکھ اور جو علی ع سے دشمنی

----

(1):- نسائی خصائص امیرالمومنین صفحہ 21

رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ۔[(1)] یہ حدیث مسلم نے بھی اپنی صحیح میں اپنی سند سے زید بن ارقم ہی کے حوالے سے بیان کی ہے لیکن مختصر کرکے ۔ زید بن ارقم نے کہا:

ایک دن رسول اللہ ص نے مکہ و مدینہ کے درمیان واقع ایک تالاب کے قریب خطبہ دیا جسے خم کہا جاتا ہے ۔ آپ نے حمد وثنا اور وعظ ونصیحت کے بعد فرمایا کہ : لوگو! میں بھی انسان ہوں ، وہ وقت قریب ہے جب میرے پروردگار کا بلاوا آجائے اور میں چلاجاؤں ۔ میں تم میں دوگراں قدر چیزیں چھوڑ رہاہوں ۔ پہلی چیز کتاب اللہ ہے جس میں ہدایت اور نور ہے ۔ کتاب اللہ کا دامن پکڑلو اور اس سے چمٹے رہو ۔ آپ نے کتاب اللہ سے تعلق پر لوگوں کو اکسایا اور رغبت دلائی پھر کہا : دوسرے میرے اہل بیت ع ۔میں اپنے اہل بیت ع کے بارے میں تمہیں اللہ یاد دلاتا ہوں ، میں اپنے اہل بیت ع کے بارے میں تمہیں اللہ یاد دلاتا ہوں میں اپنے اہل بیت ع کے بارے میں تمہیں اللہ یاد دلاتا ہوں "۔ (آپ نے زیادہ تاکید کے لیے تین بار کہا)[(2)]۔

اگر چہ امام مسلم نے واقعہ کو مختصر کرکے بیان کیا ہے اور پورا واقعہ بیان نہیں کیا لیکن بحمداللہ اتنا بھی کافی وشافی ہے ۔ اختصار شاید زید بن ارقم نے خود کیا ہے ، کیونکہ وہ سیاسی حالات کی وجہ سے "حدیث غدیر" کو چھپانے پر مجبور تھے ۔ یہ بات سیاق حدیث سے معلوم ہوتی ہے کیونکہ راوی یہ کہتا ہے کہ میں ، حصین بن سبرہ اور عمر بن مسلم ہم تینوں زید بن ارقم کے پاس گئے ،جب ہم بیٹھ گئے تو حصین نے زید سے کہا : آپ نے بڑے اچھے دن دیکھے ہیں ، آپ نے رسول اللہ ص کو دیکھا ہے ، آپ کی باتیں سنیں ، آپ کے ساتھ غزوات میں شرکت کی ،آپ کے پیچھے نماز پڑھی ،ہمیں بھی کچھ سنائیے جو آپ نے رسول اللہ ص سے سنا ہو ۔زید نے کہا : بھتیجے ! میں بڑا ہوگیا ہوں اور

----

(1):-مستدرک علی الصحیحین جلد 3 صفحہ 109

(2):- صحیح مسلم جلد 7 صفحہ 122 باب فضائل علی بن ابی طالب ع ۔اس حدیث کو امام احمد بن حنبل ،ترمذی ۔۔۔۔نے نقل کیا ہے ۔

میری عمر زیادہ ہو گئی ۔ رسول اللہ ص کی بعض باتیں جو مجھے یاد تھیں ، اب بھول گیا ہوں اس لیے میں جو کچھ سناؤں ، وہ سن لو اور جو نہ سناؤں وہ نہ لو اور جو نہ سناؤں تو مجھے اس کے سنانے کی تکلیف نہ دو ، اس کے بعد کہا : ایک دن رسول اللہ ص نے ہمیں اس تالاب کے قریب خطبہ دیا ، جسے خم کہا جاتا ہے ۔ اس سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ حصین نے زید بن ارقم سے غدیر کے بارے میں دریافت کیا تھا اور یہ سوال دوسرے لوگوں کی موجودی میں پوچھ کر زید کو مشکل میں ڈال دیا تھا ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ زید کو معلوم تھا کہ اس سوال کا صاف جواب ایسی حکومت کے ہوتے ہوئے انہیں مشکلات میں مبتلا کرسکتا تھا ۔ جو لوگوں سے یہ کہتی ہو کہ علی بن ابی طالب ع پر لعنت کریں ۔ اسی لیے انھوں نے سائل سے معذرت کر لی تھی کہ ان کی عمر زیادہ ہو گئی ہے اور وہ بہت کچھ بھول گئے ہیں ۔ پھر انھوں نے حاضرین سے مزید کہا کہ جو کچھ میں سناؤں وہ سن لو اور جو نہ سنا نا چاہوں اس کے سنانے کی تکلیف نہ دو ۔

اگر چہ خوف کے مارے زید بن ارقم نے واقعہ کو بہت مختصر کرکے بیان کیا ہے پھر بھی ، اللہ انہیں جزائے خیر دے انھوں نے بہت سے حقائق بیان کردیے اور نام لیے بغیر " حدیث غدیر" کی طرف اشارہ بھی کردیا ۔ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ص نے ہمیں خطبہ دیا اس تالاب کے نزدیک جسے خم کہا جاتا ہے اور جو مکے اور مدینے کے درمیان واقع ہے ۔ اس کے بعد حضرت علی ع کی فضیلت بیان کی اور بتلایا کہ علی ع حدیث ثقلین کی رو سے کتاب اللہ کے ساتھ شریک ہیں ، لیکن یہاں بھی علی کا نام نہیں لیا اور یہ لوگوں کی ذہانت پر چھوڑدیا کہ وہ خود نتیجہ نکال لیں ۔کیونکہ یہ سب مسلمانوں کو معلوم ہے کہ علی ع ہی اہلبیت ونبوّت کے سردار ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ خود امام مسلم نے بھی حدیث کا وہی مطلب سمجھا جو ہم نے سمجھا ہے کیونکہ انھوں نے یہ حدیث باب فضائل علی بن ابی طالب ع میں بیان کی ہے حالانکہ حدیث میں علی بن ابی طالب کا نام تک نہیں ۔طبرانی نے صحیح سند سے معجم کبیر میں زید بن ارقم اور حذیفہ بن اسید غفاری سے روایت بیان کی ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے غدیر خم میں درختوں کے نیچے

خطبہ دیا ۔آپ نے فرمایا : اب وقت آگیاہے کہ میرا بلا آجائے اور میں چلاجاؤں ۔میری بھی ذمہ داری ہے اور تمہاری بھی ذمہ داری ہے ۔ اب تم کیا کہتے ہو ؟ سب نے کہا : ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے اللہ کا پیغام پہنچایا اور کوشش کی اور ہمیں نصیحت کی ،اللہ آپ کو جزائے خیر دے ۔آپ نے فرمایا "کیا تم گواہی نہیں دیتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ص اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں ۔ جنت حق ، دوزخ حق ہے ، موت حق ہے اور موت کے بعد زندہ ہونا برحق ہے ۔قیامت ضرور آنے والی ہے اس میں کوئی اور اللہ قبر کے مردوں کو ضرور زندہ کرے گا " حاضرین نے کہا : جی ہاں ! ہم اس کی گواہی دیتے ہیں ۔آپ نے فرمایا :" اے اللہ تو اس کا گواہ رہنا "پھر فرمایا :" لوگو! اللہ میرا مولا ہے اور میں مومنین کا مولی ہوں ۔میرا ان پر خود ان سے زیادہ حق ہے ۔ پس جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ (علی ع)بھی مولا ہیں ۔ اے اللہ ! جو ان سے دوستی رکھے تو بھی اس سے دوستی رکھ اورجو ان سے دشمنی رکھےتو بھی اس سے دشمنی رکھ"۔پھر فرمایا :میں تم سے آگے جارہا ہوں ، تم حوض پر ضرور آؤ گے ، حوض یہاں سے لے کر صنعاء تک کے فاصلے سےچوڑا ہے ۔اس میں اتنے چاندی کے پیالے ہیں جتنے آسمان پرستارے ، جب تم میرے پاس آؤ گے تو میں ثقلین کے بارے مین پوچھوں گا کہ تم نے میرے بعد ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا ۔ ثقل اکبر کتاب اللہ ہے ۔ یہ ایک ڈوری ہے جن کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ایک سرا تمہارے ہاتھ میں ۔اس لیے اسے مضبوط پکڑے رہنا نہ گمراہی اختیار کرنا اور نہ اپنی روش بدلنا ۔ثقل اصغر میری عترت میرے اہل بیت ع ہیں ۔ خدائے لطیف وخبیر نے مجھے خبردی ہے کہ وہ دونوں ختم نہیں ہوں گے جب تک میرے پاس حوض پر نہ آجائیں ۔[1]

اسی طرح امام احمد بن حنبل نے براء بن عذاب سے دو طریقوں سے یہ روایت بیان کی ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ص کے ساتھ تھے ۔جب ہم غدیر پر اترے تو

----

(1):- یہ روایت ابن حجر نے صواعق محرقہ مین طبرانی اور ترمذی سے نقل کی ہے ۔

وہاں کو رسول اللہ ص نے پکار کر کہا :" الصلاۃ جامعۃ "[1] رسول اللہ ص کے لیے درختوں کے نیچے جگہ صاف کردی گئی۔ آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی پھر علی ع کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا : کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میرا مومنین پر خود ان سے زیادہ حق ہے۔ سب نے کہا : جی ہاں معلوم ہے۔ آپ نے دوبارہ دریافت کیا : کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میرا ہر مومن پر خود اس سے زیادہ حق ہے۔ سب نے اقرار کیا تب آپ نے علی ع کا ہاتھ پکڑ کر کہا:

"من كنت مولاه فهذا عليٌّ مولاه أللهمّ وال من وّالاه وعاد من عاداه"

جس کا میں مولا ہوں ، علی ع بھی اس کے مولا ہیں۔ اے اللہ ! جو ان سے دوستی رکھے تو بھی اس سے دوستی رکھ اور جو ان سے دشمنی رکھے تو بھی ان سے دشمنی رکھ۔

اس کے بعد عمر جب علی ع سے ملے تو بولے : ابن ابی طالب مبارک ہو تم ہر مومن اور مومنہ کے مولا بن گئے [2]۔

خلاصہ یہ کہ جن محدثین کا ہم نے ذکر کیا ہے ان کے علاوہ بھی سربرآوردہ علمائے اہل سنت نے حدیث غدیر کی روایت اپنی کتابوں میں بیان کی ہے ، جیسے ترمذی ،ابن ماجہ ، ابن عساکر ، ابن صباغ مالکی ، ابن اثیر ،ابن مغازلی ،ابن حجر ، ابو نعیم ، سیوطی ،خوارزمی ، ہیثمی ، سلیمان قندوزی ، حموینی ،حاکم حسکانی اور امام غزالی ،امام بخاری نے یہ روایت اپنی تاریخ میں بیان کی ہے۔

مختلف مسلک ومذاہب کے پہلی صدی سے چودھویں صدی ہجری تک کے ان علماء کی تعداد جنھوں نے اپنی کتابوں میں یہ روایت بیان کی ہے تین سو ساٹھ سے

----

(1):- جب کبھی رسول اللہ ص صحابہ کرام کو کوئی اہم حکم دینا چاہتے تھے تو انہیں نماز جماعت میں شمولیت کی دعوت دیتے تھے۔ اس نماز میں حاضر ہونا ان کے لیے نماز جمعہ کی طرح فرض ہوتا تھا۔ اس اجتماعی نماز کے لیے منادی " الصلاۃ جامعۃ "پکارتا تھا نیز نماز استسقاء اور نماز آیات وغیرہ میں بھی اسی شعار سے لوگوں کو جمع کیا جاتا تھا۔(ناشر)

(2):- مسند امام احمد بن حنبل جلد 4 صفحہ 117۔فضائل الخمسۃ من الصحاح الستہ جلد 1 صفحہ 350۔

سے اوپر ہے ۔ جو شخص مزید تحقیق کرنا چاہے وہ علامہ امینی کی کتاب الغدیر کا مطالعہ کرے [1]۔

کیا اس پر بھی کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ "حدیث غدیر" شیعوں کی گھڑی ہوئی ہے ؟

عجیب وغریب بات ہے یہ ہے کہ جب حدیث غدیر کا ذکر کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت نے اس کا نام بھی نہیں سنا ۔ اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ اس حدیث کے بارے میں جس کی صحت پر سب کا اتفاق ہے علمائے اہل سنت یہ دعوی کرتے ہیں کہ رسول اللہ ص نے کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا تھا اور معاملہ شوری پر چھوڑ دیا تھا ۔

اللہ کے بندو! کیا خلافت سے متعلق اس سے بھی زیادہ صاف اور صریح کوئی حدیث ہوسکتی ہے ؟

یہاں میں اپنی اس بحث کا ذکر کروں گا جوایک دفعہ تیونس کی جامعہ زیتونہ کے ایک عالم سے ہوئی تھی ۔ جب میں نے ان صاحب سے خلافت علی ع کے ثبوت میں حدیث غدیر کاذکر کیا تو انھوں نے اس حدیث کے صحیح ہونے کا اعتراف کیا لیکن ایک پیوند لگادیا ۔ انھوں نے مجھے اپنی لکھی ہوئی قرآن کی تفسیر دکھائی ،جس میں "حدیث غدیر کاذکر تھا اور اس کو صحیح بھی تسلیم کیا تھا ۔ لیکن اس کے بعد انھوں نے لکھا تھا :

شیعوں کا خیال ہے کہ یہ حدیث سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت پر نص ہے لیکن اہل سنت واجماعت کے نزدیک یہ دعوی غلط ہے ۔کیونکہ یہ دعوی سیدنا ابو بکر صدیق ، سیدنا عمر فاروق اور سیدنا عثمان ذوالنورین کی خلافت کے منافی ہے ۔اس لیے ضروری ہے کہ حدیث میں جو لفظ مولا آیا ہے اس کے معنی محب ومددگار

----

(1):- علامہ امینی کی کتاب الغدیر گیارہ جلدوں میں ہے ۔ یہ بڑی نفیس کتاب ہے ۔اس میں مصنف نے برسوں تحقیق کے بعد غدیر سے متعلق سب مواد اہل سنت کی کتابوں سے جمع کیا ہے ۔

کے لیے جائیں ، .یسا کہ یہ فظ ان عنوں میں قرآن کریم میں ھی آیا ہے ۔ خلفاء راشدین اور صحابہ کرام ر ں اللہ ۔نھم اجمعین نے بھی اس فظ کے ہی عنی سمجھے ہیں ۔ ابعین اور مسلمان علماء نے ان سے ہی عنی سمجھے ہیں اس لیے رافضی جو اس حدیث کی ۔ اویل کرتے ہیں اس کا کوئی اعتبار نہیں ۔ کیونکہ یہ لوگ خلفاء کی خلافت کو تسلیم نہیں کرتے اور صحابہ رسول ص پر ن ن کرتے ہیں ۔ صرف یہی بات ان کے جھوٹے اور غلط دعوؤں کے بطلان کے لیے کافی ہے ۔

میں نے ان عام سے پوچھا ۔یہ بتلائیے کہ کیا واقعی یہ قصہ غدیر خم میں پیش آیا تھا ؟

انھوں نے جواب دیا : اگر پیش آیا تو علماء ۔اور محدثین اسے کیوں بیان کرتے ۔

میں نے کہا : کیا یہ بات رسول اللہ ص کے شایان شان ہے کہ وہ جلتی ہوئی دھوپ میں اپنے اصحاب کو جمع کرکے طویل خطبہ صرف یہ کہنے کے لیے دیں کہ علی ع تمہارا مددگار ہے ۔ یہ تشریح آپ کی سمجھ میں آتی ہے ؟

کہنے لگے کہ بعض صحابہ نے علی ع کی شکایت کی تھی ، ان میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو علی ع سے بغض اور اختلاف رکھتے تھے ۔ رسول اللہ ص نے اس بغض کے ازالے کے لیے فرمایا : علی ع تو تمہارا مددگار ہے ۔ مطلب یہ تھا کہ علی سے محبت رکھو بغض و عناد نہ رکھو ۔

میں نے کہا: اتنی سی بات کے لیے سب کو روکنے ، ان کے ساتھ نماز پڑھنے اور خطبے کو ان الفاظ سے شروع کرنے کی ضرورت نہیں تھی کہ :کیا میرا تم پر تم سے زیادہ حق نہیں ؟ " یہ آپ نے مولا کے معنی کی وضاحت کے لیے ہی تو کہا تھا ۔ اگر جو آپ کہتے ہیں وہی صحیح ہے تو یہ بھی ہوسکتا تھا کہ جن لوگوں کو علی ع سے شکایت تھی آپ ان کو بلا کر کہہ دیتے کہ علی ع تو تمہارا دوست اور مدد گار ہے ۔ بات ختم ہوجاتی ۔ایک لاکھ سے زیادہ مجمع کو دھوپ میں روکنے کی جس میں بوڑھے اور عورتیں بھی شامل تھیں ، کیا ضرورت تھی ؟ کوئی ہوشمند تو یہ بات کبھی مان نہیں سکتا !

کہنے لگے : کیا کوئی ہوشمند یہ مان سکتا ہے کہ جو بات تم اور شیعہ سمجھ گئے وہ ایک لاکھ صحابہ نہ سمجھ سکے ؟

میں نے کہا : جی نہیں بات تو یہ ہے کہ ان میں صرف تھوڑے سے لوگ تھے جو مدینہ منورہ میں رہتے تھے ۔ دوسرے بھی وہ بالکل وہی سمجھے میں وار شیعہ سمجھے ہیں ۔ جب ہی تو علماء راوی ہیں کہ ابو بکر اور عمر یہ کہہ کر علی ع کو تبریک پیش کررہے تھے کہ مبارک ہو ابن ابی طالب ! اب تم ہر مومن اور مومنہ کے مولا ہوگئے ہو ! کہنے لگے : پھر رسول اللہ ص کی وفات کے بعد انھوں نے علی ع کی بیعت کیوں نہیں کی ؟ کیا وہ نعوذ باللہ رسول اللہ ص کے حکم کی مخالفت اور حکم عدولی کررہے تھے ۔ میں نے کہا : علمائے اہل سنت اپنی کتابوں میں خود تسلیم کرتے ہیں کہ بعض صحابہ تو خود آپ کی زندگی اور آپ کی موجودگی میں آپ کے احکام کی مخالفت کیا کرتے تھے ۔ تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے اگر انھوں نے آپ کی وفات کے بعد آپ کے احکام پر عمل نہیں کیا ۔ پھر جب صحابہ کی اکثریت اسامہ بن زید کو امیر لشکر بنانے پر ان کی کم عمری کی وجہ سے معترض تھی حالانکہ یہ محض محدود نوعیت کی قلیل المدت مہم تھی تو وہ علی ع کا نوعمری کے باوجود مدت العمر کے لیے خلیفہ اور حکمران بنایا جانا کیسے قبول کرسکتے تھے ؟ آپ خود کہہ رہے ہیں کہ بعض صحابہ علی ع سے بغض اور کینہ رکھتے تھے ۔ گھبرا کر کہنے لگے : اگر علی کرم اللہ وجہہ یہ جانتے کہ رسول اللہ ص نے انہیں خلیفہ نامزد کیا ہے ، تو وہ کبھی اپنا حق نہیں چھوڑ سکتے تھے اور نہ خاموشی اختیار کرسکتے تھے ۔ وہ تو اتنے دلیر اور بہادر تھے کہ سب صحابہ ان سے ڈرتے تھے مگر وہ کسی سے خوف نہیں کھاتے تھے ۔ میں نے کہا : حضرت ! یہ ایک الگ موضوع ہے ، میں اس میں الجھنا نہیں چاہتا کیونکہ آپ صحیح احادیث نبوی ہی کو نہیں مانتے بلکہ ناموس صحابہ کے تحفظ کے لیے ان کی تاویل کرتے اور ان کے کچھ کے کچھ معنی بیان کرتے ہیں ۔ میں ایسے میں کیسے آپ کو یقین دلا سکوں گا کہ امام علی ع نے کیوں خاموشی اختیار کی اور خلافت پر اپنے حق کے لیے احتجاج نہیں کیا ۔ وہ صاحب مسکرائے اور کہا : میں تو خود سیدنا علی ع کو سب سے افضل سمجھتا ہوں اور اگر معاملہ میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں صحابہ میں سے کسی کو بھی ان پر ترجیح نہ دیتا ،

کیونکہ وہ شہر علم کا دروازہ تھے ، شیر خدا تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت جس کو چاہتی ہے آگے بڑھاتی ہے اور جس کو چاہتی ہے پیچھے ہٹاتی ہے ۔ "لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ"(اللہ سے کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ کیا کرتا ہے ہاں اللہ سب سے جواب طلب کرسکتا ہے)۔

اب مسکراکے میری بات سن رہی تھی ۔ میں نے کہا : یہ بھی ایک دوسرا موضوع ہے اگر اس پر گفتگو شروع ہوئی تو تحریر کی بحث چھڑ جائیگی جس پر ہم پہلے بات چیت کرچکے ہیں ۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ ہم دونوں اپنی اپنی رائے پر قائم رہے ۔

جناب والا! مجھے تعجّب اس پر ہے کہ جب بھی میری گفتگو کسی سنی عالم سے ہوتی ہے اور میں اسے لاجواب کردیتا ہوں ،وہ فوراً ایک موضوع سے دوسرے موضوع کی طرف بھاگنا شروع کردیتا ہے اور اصل بات بیچ میں ہی رہ جاتی ہے ۔وہ صاحب بولے : میں تو اپنی رائے پر قائم ہوں ، میں نے بات نہیں بدلی ۔بہر حال میں ان سے رخصت ہوکرچلاآیا اور دیر تک سوچتا رہا کہ کیا وجہ ہے کہ مجھے اپنے علماء میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ملتا جو اس سرگزشت میں آخر تک میرا ساتھ دے اور ہمارے یہاں کے محاورے کے مطابق دروازے کو اس کی ٹانگ پر کھڑا رکھے ۔

بعض سنی بات تو شروع کرتے ہیں لیکن جب اپنے اقوال کی دلیل پیش نہیں کرسکتے تو یہ کہہ کر بچ نکلنے کی کوشش کرتے ہیں کہ :" تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ " وہ لوگ تھے جو گزرگے ۔ ان کے اعمال ان کے ساتھ ،تمہارے اعمال تمہارے ساتھ ۔

بعض لوگ کہتے ہیں :ہمیں گڑے مردے اکھاڑنے اور جھگڑے کھڑے کرنے سے کیا؟ بات یہ ہے کہ شیعہ سنی دونوں ایک خدا کو مانتے ہیں ، ایک رسول کو مانتے ہیں ، اتنا کافی ہے ۔

بعض تو مختصر بات کرتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں : صحابہ کے بارے میں خدا سے

ڈرو ۔" اب ایے لوگوں کے ساتھ کسی علمی بحث کی گنجائش کہاں ۔ اور رجوع الی الحق کی کیا صورت ۔حق سے ہٹ کر تو گمراہی ہی ہے ۔ ان لوگوں کو اس قرآنی اسلوب کی کیا خبر ، جس میں دلیل پیش کرنے کو کہا گیا ہے ۔قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَاگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ)

اکمال دین کی آیت کا تعلق بھی خلافت سے ہے

اللہ تعالی کا ارشاد ہے :

"الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ أَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلامَ دِيناً "

وثیقہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت امام علی ع کے خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے تقرر کے بعد غدیر خم کے مقام پر نازل ہوئی ۔یہ روایت ائمہ اہل بیت ع کی ہے ۔اور اسی پر شیعہ امامت کو اصول دین میں شمار کرتے ہیں ۔جن سنی علماء نے یہ روایت بیان کی ہے کہ یہ آیت غدیر خم میں امام علی ع کے تقرر کے بعد نازل ہوئی ، ان کی تعداد تو بہت ہے ۔ ہم مثال کے طور پر چند ناموں کا تذکرہ کرتے ہیں :

1:- ابن مغازلی شافعی مناقب علی بن ابی طالب ع صفحہ 19 ۔متوفی سنہ 483ھ۔

2:- خطیب بغدادی تاریخ بغداد جلد 8 صفحہ 592 ۔ متوفی سنہ 463ھ۔3:- ابن عساکر تاریخ دمشق جلد 2 صفحہ 75۔

4:- حافظ سیوطی ، تفسیر الاتقان جلد 1 صفحہ 13۔5:-حافظ سیوطی، تفسیر الدر المنثور جلد 3صفحہ 19۔

6:- خوارزمی حنفی ۔مناقب امیر المومنین صفحہ 80 متوفی سنہ 568ھ۔

7:- سبط ابن جوزی تذکرۃ الخواص صفحہ 30 متوفی سنہ 654۔

8:- حافظ ابن کثیر تفسیر القرآن العظیم جلد 2 صفحہ 14 متوفی سنہ 774ھ۔9:- حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ جلد 3 صفحہ 312۔

10:- آلوسی ، تفسیر روح المعانی جلد 6 صفحہ 55

11:-حافظ قندوزی حنفی ینابیع المودۃ صفحہ 115۔12:- حافظ حسکانی حنفی تفسیر شواھد التنزیل جلد 1 صفحہ 157 متوفی سنہ 490 ھ۔

اس سبب کے باوجود علمائے اہل سنت نے "عظمت صحابہ" کے پیش نظر یہ ضروری سمجھا ہے کہ اس آیت کا نزول کسی اور موقع پر دکھایا جائے ۔ کیونکہ اگر علمائے اہل سنت یہ تسلیم کرلیتے ہیں کہ کہ یہ آیت غدیر خم میں نازل ہوئی تھی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انھوں نے ضمنی طور پر اس کا بھی اعتراف کرلیا کہ علی بن ابی طالب ع کی ولایت ہی وہ چیز تھی جس سے اللہ تعالی نے دین کو کامل کیا اور مسلمانوں پر اپنی نعمت تمام کی ۔ اعتراف کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حضرت علی ع سے پہلے تینوں خلفاء کی خلافت ہوا بن کر اڑجائے گی ، صحابہ کی عدالت کی بنیاد ہل جائے گی ۔ اور بوستان خلافت منہدم ہوجائیگا اور بہت سی احادیث اس طرح پگھل جائیں گی جیسے نمک پانی میں گھل جاتا ہے ۔ اصحاب مذاہب غبار بن کر اڑجائیں گے ، بہت سے راز افشا ہوں گے اور عیب کھل جائیں گے ۔ لیکن یہ ناممکن ہے کیونکہ معاملہ ایک بہت بڑے گروہ کے عقیدے کا ہے جس کی پشت پر اس کے اپنے علماء ہیں اور اپنے سربرآوردہ حضرات ہیں اس لیے ممکن نہیں کہ وہ بخاری و مسلم جیسے لوگوں کی تکذیب کریں جن کی روایت کے مطابق یہ آیت عرفہ کی شام کو جمعہ کے دن نازل ہوئی ۔اس طرح پہلی روایات محض شیعوں کی خرافات بن جاتی ہیں جن کی کوئی بنیاد نہیں اور شیعوں کو طعون کرنا صحابہ کو طعون کرنے سے بہتر بنایا جاتا ہے ،کیونکہ صحابہ تو معصوم عن الخطا ہیں [(1)]۔ اور کسی کو یہ حق نہیں کہ ان کے افعال واقوال پر نکتہ چینی کرے ۔ رہے شیعہ ! وہ تو مجوسی ہیں ، کافر ہیں ، زندیق ہیں ، ملحد ہیں ، ان کے مذہب کا بانی عبداللہ بن سبا ہے ،[(2)] جو یہودی تھا اور اسلام اور مسلمانوں

----

(1):- اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ، جس کی بھی اقتدا کروگے ہدایت پاؤگے۔

(2):- عبداللہ بن سبا کا کوئی وجود نہیں ۔ دیکھیے کتاب عبداللہ بن سبا مولفہ علامہ مرتضی عسکری، کتاب الفتنۃ الکبری مولفہ طہ حسین اور کتاب الصلۃ بین التصوف والتشیع مولفہ ڈاکٹر مصطفی کامل شیبی ۔آخر الذکر کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن سبا سے مراد عمار یاسر کو لیا گیا ہے ،دل چاہے تو کتاب کا مطالعہ کیجئے ۔!

کے خلاف سازش کے تحت رسے حضرت عثمان کے عہد میں مسلمان ہوگیا تھا ۔ اس طرح کی باتیں کرکے ان کو دھوکا دینا آسان ہے جن کی بچپن سے تربیت ہی " تقدس صحابہ" کے ماحول میں ہوتی ہو ۔ (خواہ کسی صحابی نے رسول اللہ کو صرف ایک دفعہ ہی دیکھا ہو) ۔ ہم سب لوگوں کو یقین دلائیں کہ شیعہ روایات محض شیعوں کی خرافات نہیں ، بلکہ ائمہ اثنا عشر کی احادیث ہیں جن کی اثبات نص رسول ص سے ثابت ہے ۔ بات یہ ہے کہ قرن اول کی حکومتوں نے امام علی ع اور ان کی اولاد کے خلاف ات میں نفرت پھیلائی ، یہاں تک کہ ان پر منبروں سے لعنت کی گئی اور "شیعان علی" کو قتل کیا گیا اور ان کے گھروں سے نکال دیا گیا ۔ شیعوں کے خلاف نفرت پھیلانے کے لیے ڈس انفارمیشن سیل قائم کیا گیا اور طرح طرح کی افواہیں پھیلائی گئیں ۔ شیعوں سے بے بنیاد قصے اور غلط عقائد منسوب کیے گئے ۔ آج کل کی اصطلاح میں اس وقت شیعہ " حزب مخالف " تھے ، اس لیے اس وقت کی حکومت شیعوں کو ختم کرنے والا الگ تھلگ کرنے میں کوشاں تھیں ۔

اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانے کے مصنفین اور مورخین بھی شیعوں کو رافضی کہتے ہیں ،ان کی تکفیر کرتے ہیں اور حکمرانوں کو خوش کرنے کے لیے شیعوں کا خون بہانا حلال قرار دیتے ہیں ۔

جب اموی حکومت ختم ہوئی اور عباسی حکومت برسراقتدار آئی تو بعض مورخین اپنی ڈگر پر چلتے رہے جبکہ بعض نے اہل بیت ع کی حقیقت کو پہچانا [1] اور اعتراف کرنے کی کوشش کی ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علی ع کا شمار بھی خلفائے راشدین " میں کرلیا گیا لیکن کسی کو یہ اعلان کرنے کی جراءت نہیں ہوئی کہ خلافت پر سب سے زیادہ حق علی ع کا تھا ۔

اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اہل سنت کی صحاح میں بہت ہی کم فضائل علی ع

----

(1):- وجہ یہ ہے کہ اہل بیت ع نے اپنے اخلاق ، اپنے علوم ، اپنے زہد وتقوی اور اپنی ان کرامات سے جو اللہ نے ان کو عطا کی تھیں ، اپنے آپ کو منوالیا تھا ۔

کی روایات آئی ہیں اور جو آئی ہیں وہ بھی صرف وہی ہیں جو علی ع سے پہلے کے خلفاء کی خلافت سے کسی طرح متصادم نہیں ہیں۔ بعض نے تو کثیر تعداد میں ایسی روایات وضع کی ہیں جن میں خود علی کی زبان سے ابو بکر ،عمر ، عثمان کے فضائل بیان کیے گئے ہیں تاکہ یہ کہ بزعم خویش کوشش یہ کی گئی ہے کہ شیعوں کا راستہ بند کردیا جائے جو علی ع کی افضلیت کے قائل ہیں ۔

اپنی تحقیق کے دوران مجھ پر یہ بھی انکشاف ہوا کہ لوگوں کی شہرت اور عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جاتا تھا کہ وہ علی ابن ابی طالب ع کے ساتھ کس قدر بغض رکھتے ہیں ۔ امویوں اور عباسیوں کی سرکار میں وہی مقرب تھے اور ان ہی کو بڑا بنایا جاتا تھا جنھوں نے امام علی ع کے خلاف یا تو جنگ کی تھی ۔ یا زبان سے ان کی مخالفت کی تھی ۔ چنانچہ بعض صحابہ کا درجہ بڑا بنایا جاتا تھا ، بعض کا گھٹایا جاتا تھا۔ بعض شعراء پر انعام واکرام کی بارش ہوتی تھی اور بعض کو قتل کرادیا جاتا تھا ۔ شاید ام المومنین عائشہ کی بھی یہ قدرومنزلت نہ ہوتی اگر انہیں علی ع سے بغض نہ ہوتا اور انھوں نے علی ع کے خلاف "جنگ جمل" نہ لڑی ہوتی ۔اسی سلسلے کی ایک کڑی یہ ہے کہ عباسیوں نے بخاری ، مسلم اور امام مالک کو شہرت دی کیونکہ انھوں نے اپنی کتابوں میں فضائل علی ع کی احادیث بہت کم نقل کی ہیں بلکہ ان کتابوں میں تو یہ تصریح بھی ہے کہ علی بن ابی طالب ع کو کوئی فضیلت اور فوقیت حاصل ہی نہیں تھی ۔ بخاری نے تو اپنی صحیح میں ابن عمر سے روایت نقل کی ہے کہ : رسول اللہ ص کے زمانے میں ہم ابو بکر کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے ،پھر عمر کا درجہ تھا پھر عثمان کا پھر باقی صحابہ میں ہم کسی کو دوسروں پر فوقیت نہیں دیتے تھے ۔[1] گویا بخاری

----

(1):- صحیح بخاری جلد 4 صفحہ 191 اور صفحہ 201 ۔باب مناقب عثمان ۔

بخاری نے جلد 4 صفحہ 195 پر حضرت علی ع کے فرزند محمد بن حنفیہ سے ایک روایت منسوب کی ہے کہ انھوں نے کہا : میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ رسول اللہ ص کے بعد سب سے بہترین شخص کون ہے ؟انھوں نے کہا : ابو بکر ۔ میں نے پوچھا : ان کے بعد کہا : عمر ۔میں ڈرا کہ کہیں یہ نہ کہہ دیں کہ ان کے بعد عثمان ۔ اسی لیے میں نے کہا ان کے بعد آپ کہا میں تو فقط ایک مسلمان ہوں ۔

کے نزدیک علی ع بھی دوسرے عام لوگوں کے برابر تھے ۔(پڑھیے اور سر دھنیے !)

اسی طرح امت مسلمہ میں اور بھی فرقے ہیں جیسے معتزلہ اورخوارج وغیرہ ۔ یہ بھی وہ نہیں کہتے جو شیعہ کہتے ہیں ۔کیونکہ علی اور اولاد علی ع کی امامت کی وجہ سے ان لوگوں کے لیے خلافت تک پہنچنے ، عوام کی گردنوں پر سوار ہونے اور ان کی قسمت اور املاک سے کھیلنے کا راستہ مسدود ہوگیا تھا ۔ بنی امیہ اوربنی عباس نے عہد صحابہ و تابعین میں کیا گل نہیں کھلائے اور آج تک حکمراں کیا نہیں کرتے آرہے ہیں ؟ اسی لیے حکمراں کوخواہ وہ وراثت کے ذریعے اقتدار تک پہنچے ہوں یا بادشاہ ، خواہ وہ صدرور ہوں جنہیں ان کی قوم نے منتخب کیا ہوا ۔ انہیں خلافت اہل بیت ع کا عقیدہ ایک آنکھ نہیں بھاتا اور وہ اسے THEORACY یا ملاؤں کی حکومت کہہ کر اس کا مذاق اڑاتے ہیں جس کا شیعوں کے علاوہ کوئی قائل نہیں ۔ اس پر مستزاد یہ کہ شیعہ اپنی حماقت سے مہدی منتظر کی امامت کے بھی قائل ہیں ، جو عنقریب زمین کو عدل وانصاف سے اسی طرح بھردیں گے جیسے وہ ظلم وجور سے بھری ہوئی ہے ۔

اب ہم دوبارہ سکون اور غیر جانبداری کے ساتھ فریقین کے اقوال پر غور کرتے ہیں تاکہ ۔ تاکہ یہ تصفیہ ہوسکے کہ آیت اکمال کس موقع پر نازل ہوئی تھی ۔ اور اس کی شان نزول کیا ہے ۔ تاکہ حق واضح ہوجائے اور ہم اس کی پروا کیے بغیر کہ کون خوش ہوتا ہے اور کون ناراض حق کا اتباع کرسکیں ۔ اور سب سے بڑھ کر یہ بات رضائے الہی کا حصول ہے ۔ تاکہ اس کے عذاب سے اس دن بچ سکیں جب نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد ۔ کام آئے گا تو قلب سلیم ۔

یہ دعوی کہ آیت اکمال عرفہ کے دن نازل ہوئی ۔

صحیح بخاری میں طارق بن شہاب سے روایت ہے کہ کچھ یہودی کہتے تھے کہ اگر آیت ہماری قوم پر نازل ہوئی ہوتی تم ہم اس دن کو اپنی عید بنالیتے ۔عمر نے پوچھا کون سی آیت ان لوگوں نے کہا " الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ " ا [1]

----

(1):- صحیح بخاری جز 5 صفحہ 127

عمر نے کہا : میں خوب جانتا ہوں کہ یہ آیت کہاں نازل ہوئی تھی ۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب رسول اللہ ص عرفہ کے دن وقوف فرما رہے تھے "۔

ابن جریر نے عیسی بن حارثہ انصاری سے روایت کی ہے کہ ہم دیوان میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عیسائی نے ہم سے کہا :" تم پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے کہ اگر ہم پر نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس دن اور اس ساعت کو عید بنالیتے اور جب تک کوئی دو عیسائی بھی باقی رہتے ہمیشہ عید منایا کرتے ۔یہ آیت " الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ " ہے ۔ ہم میں سے کسی نے اسے کوئی جواب نہیں دیا ۔ پھر میں جب محمد بن کعب قرظی سے ملا تو ان سے اس آیت کے بارے میں پوچھا انھوں نے کہا :" کیا تم نے عیسائی کی بات کو جواب نہیں دیا"؟ پھر اسی سلسلے میں کہا کہ عمر بن خطّاب کہتے تھے کہ جب یہ آیت رسول اللہ ص پر اتری وہ عرفہ کے دن جبل عرفات پر کھڑے ہوئے تھے ۔یہ دن مسلمانوں کی عید رہیگا ہی جب تک کوئی ایک مسلمان باقی ہے [(1)]۔

راوی کہتا ہے کہ "ہم میں سے کسی نے اسے جواب نہیں دیا " اس کی وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ نہ کسی کو وہ تاریخ یاد تھی کہ جس تاریخ کو یہ آیت اتری اور نہ اس دن کی عظمت سے واقف تھے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راوی کو خود بھی اس پر حیرت ہوئی تھی کہ کیا بات ہے کہ مسلمان ایسے اہم دن کو نہیں مناتے ۔اسی لیے وہ جاکر محمد بن کعب قرظی سے ملتا ہے اور ان سے دریافت کرتا ہے ۔محمد بن کعب قرظی اسے بتلاتے ہیں کہ عمر بن خطاب کہتے ہیں کہ " یہ آیت اس وقت اتری جب عرفہ کے دن رسول اللہ ص جبل عرفات پر کھڑے تھے " تو اگر وہ دن بطور عید کے مسلمانوں میں معروف ہوتا تو راوی حضرات خواہ وہ صحابہ میں سے تھے یا تابعین میں سے اس سے ناواقف کیوں ہوتے ۔ ان کے نزدیک مسلّم اور مشہور بات یہی تھی کہ مسلمانوں کی عیدیں دو ہیں : ایک عید الفطر اور دوسری عید الاضحی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بخاری و مسلم نے علماء اور محدثین نے بھی اپنی کتابوں میں

----

(1):- سیوطی در منثور جلد 3 صفحہ 18

"کتاب العیدین صلاۃ العیدین اور خطبۃ العیدین" وغیرہ کے عنوان باندھے ہیں ۔ خاص وعام کے نزدیک مسلّمہ امر یہی ہے کہ تیسری عید کا وجود نہیں ۔اس لیے یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ یوم عرفہ ان کے نزدیک عید نہیں ہے ۔

لیکن بات تو یہ ہے کہ ان روایات سے ہمیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو اس کا علم نہیں تھا کہ یہ آیت کب نازل ہوئی اور وہ اس دن کو نہیں مناتے تھے اس لیے ایک دفعہ یہودیوں کو اور دوسری دفعہ عیسائیوں کو یہ خیال آیا کہ وہ مسلمانوں سے کہیں کہ اگر یہ آیت ہمارے یہاں نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس دن کو عید قرار دیتے ۔ اس پر عمر بن خطاب نے پوچھا کہ کونسی آیت ؟ جب ان کو بتایا گیا کہ " الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ " والی آیت تو انھوں نے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ آیت کہاں نازل ہوئی ، جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ص عرفہ کے دن میدان عرفات میں تھے ۔ہمیں اس روایت میں مغالطہ دینے کی بو آتی ہے ۔ کیونکہ جن لوگوں نے امام بخاری کے زمانے میں عمر بن الخطاب کی زبانی یہ روایت وضع کی وہ یہودو نصاری کی اس رائے کے درمیان کہ ایسے عظیم دن کو عید کی طرح منانا چاہیے اور اپنے اس عمل کے درمیان کہ انہیں اس آیت کے نزول کی تاریخ بھی معلوم نہیں تھی ، ہم آہنگی پیدا کرنا چاہتے تھے ۔ ان کے یہاں دو ہی عیدیں تھی ۔: پہلی عید الفطر جو ماہ رمضان کے اختتام پر یکم شوال کو ہوتی ہے اور دوسری عید الاضحی جو دہم ذوالحجہ کو ہوتی ہے ۔

یہاں یہ کہنا کافی ہے کہ حجاج بیت اللہ احرام اس وقت تک احرام نہیں کھولتے جب تک جمرہ عقبہ کی رمی ، قربانی ، اور سر منڈانے کے بعد طواف افاضہ نہ کرلیں ۔ اور یہ سب کام دس ذی الحجہ کو ہوتے ہیں دس تاریخ ہی کو وہ عید کی ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہیں ۔ حج میں احرام ایسا ہی ہے جیسے رمضان ،جس میں روزہ دار پر متعدد چیزیں حرام ہوجاتی ہیں اور وہ چیزیں عید الفطر ہی سے حلال ہوتی ہیں ۔ اسی طرح حج میں محرم دس ذی الحجہ کو طواف افاضہ کے بعد ہی احرام کھولتا ہے اور اس سے پہلے اس کے لیے جماع ، خوشبو ،زینت سے ہوئے کپڑے ،شکار اور ناخون و بال کاٹنے میں سے کوئی حلال نہیں ہوتی ۔

اس سے معلوم ہوا کہ یوم عرفہ جو ذی الحجہ کی نویں تاریخ ہے ، عید کا دن نہیں ۔

ہے ۔عید کا دن دسویں ذی الحجہ ہے اور اسی دن مسلمان ساری دنیا میں عید مناتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ یہ قول کہ آیت اکمال عرفہ کے دن نازل ہوئی تھی ۔ ناقابل فہم اور ناقابل تسلیم ہے ۔ظن غالب یہ ہے کہ جو لوگ خلافت میں شوری کے اصول کے بانی اور اس نظریہ کے قائل تھے ، انھوں نے ہی اس آیت کے نزول کی تاریخ بھی بدل دی جو دراصل غدیر خم میں امام علی ع کی ولایت کے اعلان کے فوراً بعد نازل ہوئی تھی۔ تاریخ کو یوم عرفہ سے بدل دینا آسان تھا ،کیونکہ غدیر کے دن بھی ایک لاکھ یا اس سے کچھ اوپر حاجی ایک جگہ جمع ہوئے تھے ۔

یوم عرفہ اور یوم غدیر میں ایک خاص مناسبت ہے کیونکہ حجۃ الوداع کے زمانے میں ان ہی دو موقعوں پر اتنے حاجی ایک جگہ جمع ہوئے تھے ۔ یہ تو معلوم ہی ہے کہ ایام حج میں حاجی متفرق طور پر ادھر ادھر رہتے ہیں ، صرف عرفہ ہی کا دن ایسا ہوتا ہے کہ جب حاجی ایک جگہ جمع ہوتے ہیں ۔

یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ یہ آیت عرفہ کے دن نازل ہوئی وہ کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ ص کے اس مشہور خطبے کے فوراً بعد نازل ہوئی جسے محدثین نے خطبۃ الحجۃ الوداع کے عنوان سے نقل کیا ہے ۔ یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ اس آیت کے نزول کی تاریخ خود عمر ہی نے یوم عرفہ قراردی ہو کیونکہ خلافت علی ع کے سب سے بڑے مخالف وہی تھے اور انھوں نے ہی سقیفہ میں ابو بکر کی بیعت کی بنیاد قائم کی تھی ۔

اس خیال کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو ابن جریر نے قبیصہ بن ابی ذئیب سے روایت کی ہے ۔ قبیصہ کہتے ہیں کہ کعب نے کہا تھا کہ اگر یہ آیت کسی اور امت پر نازل ہوئی ہوتی تو وہ اس دن کو جب یہ نازل ہوئی تھی یاد رکھتے اور عید قرار دے لیتے اور اس دن سب جمع ہوا کرتے ۔ عمر نے سنا تو کعب سے پوچھا : کون سی آیت ؟ کعب نے کہا :" الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ " عمر نے کہا: مجھے معلوم ہے ، یہ آیت جب نازل ہوئی تھی اور وہ جگہ بھی معلوم ہے جہاں یہ نازل ہوئی تھی ۔ یہ جمعہ کے دن نازل ہوئی تھی اور اس دن عرفہ تھا ۔ یہ

دونوں دن اللہ کے فضل سے ہمارے لیے عید ہیں ۔[1]

دوسری ۔ بات یہ ہے کہ یہ کہنا کہ آیہ اکمال عرفہ کے دن نازل ہوئی ، آیہ تبلیغ " يا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ ما أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ" کے منافی ہے ۔آیہ تبلیغ میں رسول اللہ ص کو ایک اہم پیغام پہنچانے کا حکم دیا گیا جس کے بغیر کار رسالت مکمل نہیں ہوسکتا ۔اس آیت کے بارے میں بحث گزرچکی اور بتلایا جاچکا کہ یہ آیت حجۃ الوداع کے بعد مکے اور مدینے کے درمیان راستے میں نازل ہوئی تھی ۔ یہ روایت ایک سو بیس سے زیادہ صحابہ اور تین سوساٹھ سے زیادہ علمائے اہل سنت نے بیان کی ہے ، پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالی نے دین کو مکمل اورنعمت کو تمام کردیا ہو بروز عرفہ اور پھر ایک ہفتے کے بعد اپنے نبی کو جب وہ مدینے جارہے تھے کسی ایسی اہم بات کو پہنچادینے کا حکم دیا ہو جس کے بغیر رسالت ناتمام رہتی ہو، اب عقل ودانش ذرا سوچو یہ بات کیسے صحیح ہوسکتی ہے !؟

تیسری ۔ بات یہ ہے کہ اگر کوئی دریائے تحقیق اس خطبے کو جو رسول اللہ ص نے عرفہ کے دن دیا ، غور سے دیکھے گا تو اسے اس خطبے میں کوئی نئی چیز نہیں ملے گی ، جس سے مسلمان اس سے پیشتر ناواقف تھے اور جس کے متعلق خیال کیا جاسکے کہ اس سے اللہ نے دین کو کامل اور نعمت کو تمام کردیا ۔ اس خطبے میں وہی نصیحتیں ہیں جن کو قرآن کریم یا رسول اللہ ص مختلف موقعوں پر پہلے بھی بیان کرچکے تھے اور عرفہ کے دن ان پر مزید زوردیاگیا تھا ۔ اس خطبے میں جو کچھ آیا ہے اور جسے راویوں نے محفوظ کیا ہے ، وہ حسب ذیل ہے :

۔ اللہ نے تمہاری جانوں اور تمہارے اموال کو اسی طرح محترم قراردیا ہے ،جیسا کہ اس مہینے اور آج کے دن کو ۔

۔ اللہ سے ڈرو! لوگوں کو ان کے واجبات ادا کرنے میں کمی نہ کرو اور زمین میں ازراہ شرارت فساد نہ پھیلاؤ ۔ جس کے پاس امانت ہو ، وہ صاحب امانت کو لوٹا دے ۔

----

(1):- سیوطی ۔ تفسیر درمنثور آیت " الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ "کی تفسیر میں ۔

۔ اسلام میں سب برابر ہیں ۔ عربی کو عجمی پر بجز تقوی کے کوئی فضیلت نہیں ۔

۔ جاہلیت میں جو خون ہوا اب وہ میرے پاؤں تلے اور جاہلیت کا جو سود تھا وہ بھی میرے پاؤں تلے (یعنی اب نہ جاہلیت میں جو خون ہوا اس کا انتقام نہیں لیا جائے گا اور جو قرض دیا گیا ہے اس پر سود کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا)۔

۔ لوگو! لوند[1] کا رواج کفر کو بڑھاتا ہے ۔آج زمانہ پھر وہیں پہنچ گیا ہے جہاں سے چلا تھا جب اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا ۔

۔ اللہ کے نزدیک اس کی کتاب میں مہینوں کی تعداد بارہ ہے جن میں سے چار حرام ہیں ۔

۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ عورتوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا ۔ تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر لیا ہے ۔ اور تم نے کتاب اللہ کے حکم کے مطابق ان کی شرمگاہیں اپنے لیے حلال کی ہیں ۔

۔ میں تمہیں تمہارے مملوک غلاموں، باندیوں کے بارے میں نصیحت کرتا ہوں ، جو خود کھاؤ اسی میں سے ان کو کھلاؤ اور جو پہنو اسی میں سے ان کو پہناؤ ۔

۔ مسلمان ، مسلمان کا بھائی ہے ۔اسے دھوکا نہ دے ، اس سے خیانت نہ کرے ، اس کی غیبت نہ کرے ۔ کسی مسلمان کا خون اور اس کے مال میں سے کچھ بھی دوسرے مسلمان کے لیے حلال نہیں ۔

۔ آج کے بعد شیطان اس بات سے ناامید ہو گیا ہے کہ اس کی پوجا کی جائے گی ، لیکن اپنے دوسرے معاملات میں جنہیں تم معمولی سمجھتے ہو اس کی اطاعت

----

(1):-خدا کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے ۔ ان میں سے چار مہینوں : ذی القعدہ ، ذی الحجہ ،محرم اور رجب کو خدا نے حرام قرار دیا ہے ۔ لیکن جو لوگ ان حرام مہینوں میں جنگ کرنا چاہتے تھے کعبہ کے متولی ان سے رشوت لے کر حرام مہینوں کو بدل دیتے تھے ۔ وہ ان مہینوں کی جگہ دوسرے مہینوں کو حرام قرار دیتے تھے ۔(ناشر)

انی جائے ں ۔

۔ اللہ کا بدترین دشمن وہ ہے جو اس کو قتل کرے جس نے اسے قتل نہ کیا ہو اور اسے ارے جس نے اسے ارا نہ ہو ۔ جس نے آقا کا کفران کیا اس نے وگیا جو اللہ نے محمد ص پر ارا ہے اس کو انے سے انکار کیا ۔ جس نے پنے باپ کو چھوڑ کر کسی اور اسے اپنے آپ کو وب کی تو اس پر عنت اللہ کی فرشتوں کی اور سب انسانوں کی ۔

۔ مجھے لوگوں سے اس وتت تک قتال کا حکم دیا گیا ہے جب تک وہ یہ نہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ نہ تسلیم کریں کہ میں اللہ کا رسول ہوں ۔ اگر وہ یہ ہہ دیں تو میری طرف سے ان کی جان اور ان کا ال محفوظ ہوں گے سوائے اس کے کہ جو اللہ کے قانون کے ابق ہو ۔ اور ان کا فیصلہ اللہ پر ہے ۔

۔ میرے بعد دوبارہ کافر اور گمراہ نہ ہوجانا ۔ ایسا نہ ہو کہ ایک دوسرے کی گردنیں ارنے لگو ۔

یہ ہے وہ سب کچھ جو حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ عرفہ میں ہا گیا تھا ۔ میں نے اس کے مختلف ٹکڑے تمام قابل اعتماد آخذ سے جمع کیے ہیں تاکہ کچھ چھوٹ نہ جائے میں نے رسول اللہ ص کی وہ سب ہدایات جن کا محدثین نے ذکر کیا ہے جوں کی توں نقل کردی ہیں ۔ اب دیکھئے ! کیا ان میں صحابہ کے لیے کوئی نئی بات ہے ؟ بالکل نہیں ۔ کیونکہ جو کچھ اس خطبے میں ہے وہ قرآن وسنت میں پہلے ہی مذکور ہے ۔ رسول اللہ ص کی پوری عمر ون کے ابق ہر چھوٹی بڑی بات کی تعلیم لوگوں کو دیتے گزری تھی ۔ ان ہدایات کے بارے جن کو مسلمان پہلے سے جانتے تھے ، آیہ امال ارین کے نزول کی کوئی وجہ نہیں تھی ۔ ان ہدایات کا اعادہ تو محض تاکید کے لیے تھا کیونکہ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمان اتنی بڑی تعداد میں رسول اللہ ص کی خدمت میں جمع ہوئے تھے ۔ رسول اللہ ص نے کے لیے نکلنے سے پہلے ان کو بتلادیا تھا کہ یہ حجۃ الوداع ہے ۔ اس لیے آنحضرت کے لیے ضروری تھا کہ وہ یہ ہدایات سب مسلمانوں کو سنادیں ۔

لیکن اگر ہم دوسرے قول کو قبول کرلیں جس کے ابق یہ آیت غدیر خم کے

دن اس وقت نازل ہوئی جب امام علی ع کو خلیفہ رسول اور امیر المومنین مقرر کردیا گیا تو اس صورت میں سب باتیں بالکل صحیح ہوجاتے ہیں کیونکہ اس کا فیصلہ کہ رسول اللہ ص کے بعد ان کا خلیفہ اور جانشین کون ہوگا ، نہایت اہم معاملہ تھا اور یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ اللہ تعالی اپنے بندوں کو یوں ہی چھوڑ دے اور نہ یہ رسول اللہ ص کی شان کے مناسب تھا کہ وہ کسی کو اپنا خلیفہ مقرر کیے بغیر دنیا سے چلے جائیں اور اپنی امت کو بغیر کسی نگران کے چھوڑ جائیں جب کہ آپ کا طریقہ یہ تھا کہ جب بھی آپ مدینے سے باہر تشریف لے جاتے تھے ، کسی صحابی کو اپنا جانشین مقرر کرکے جاتے تھے پھر ہم یہ کیسے مان لیں کہ آپ رفیق اعلی سے جاملے اور آپ نے خلافت کے بارے میں کچھ سوچا ؟

جب کہ ہمارے زمانے میں بے دین بھی اس قاعدے کو تسلیم کرتے ہیں اور سربراہ مملکت کاجانشین اس کی زندگی ہی میں مقرر کردیتے ہیں تاکہ حکومت کا انتظام چلتا رہے اور لوگ ایک دن بھی سربراہ کے بغیر نہ رہیں ۔

پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ دین اسلام جو سب ادیان میں کامل ترین اور سب سے جامع ہے ۔جس پر اللہ تعالی نے تمام شریعتوں کو ختم کیا ہے اور جس سے زیادہ ترقی یافتہ ، جس سے کامل تر ، جس سے عظیم تر اور جس سے خوب تر کوئی دین نہیں ہے ، اتنے اہم معاملے کی طرف توجہ نہ دے ،

ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ حضرت عائشہ ، ابن عمر اور ان سے پہلے خود ابوبکر اور عمر بھی یہ محسوس کرچکے تھے کہ فتنہ وفساد کو روکنے کے لیے خلیفہ کا تعین ضروری ہے ۔ اسی مصلحت کی وجہ سے ان کے بعد آنے والے سب خلفاء بھی اپنا جانشین مقرر کرتے رہے ۔پھر یہ مصلحت اللہ اور اس کے رسول ص سے کیسے پوشیدہ رہ سکتی تھی ؟؟؟

اسی کے مطابق یہ قول ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے رسول کو جب وہ حجۃ الوداع سے واپس آرہے تھے ، آیہ تبلیغ کے ذریعے وحی بھیجی تھی کہ علی ع کو اپنا خلیفہ مقرر کردیں : " يا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ ما أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ" ا

اس سے معلوم ہوا ،دین کی تکمیل امامت یعنی ولایت پر موقوف ہے جو

عقلاء کے نزدیک ایک ضروری چیز ہے ۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لوگوں کی مخالفت یا تکذیب کا اندیشہ تھا ۔ چنانچہ بعض روایات میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا :

" جبرئیل نے مجھے میرے پروردگار کا یہ حکم پہنچایا ہے کہ میں اس مجمع میں ٹھہر کر گورے کالے کے سامنے یہ اعلان کردوں کہ علی بن ابی طالب ع میرے بھائی ،میرے وصی اور میرے خلیفہ ہیں اور وہی میرے بعد امام ہوں گے چونکہ میں جانتا تھا کہ متقی کم اور موذی زیادہ ہیں اور لوگ مجھ پر نکتہ چینی بھی کرتے تھے کہ میں زیادہ وقت علی ع کے ساتھ گزارتا ہوں اور ان کو پسند کرتا ہوں اور اسی وجہ سے انھوں نے میرا نام " اذن" (کانوں کا کچا) رکھ دیا تھا ۔ قرآن شریف میں ہے ۔ "وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيِقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ " (سورہ توبہ ۔ آیت 61) اگر چاہوں تو میں ان لوگوں کے نام بھی بتلاسکتا ہوں ۔ مگر میں نے اپنی فراخدلی سے ان کے ناموں پر پردہ ڈال رکھا ہے ۔ ان وجوہ سے میں نے جبرئیل سے کہا کہ میرے پروردگار سے کہہ دیں کہ مجھے اس فرض کی بجاآوری سے معافی دیدے مگر اللہ نے میری عذرت قبول نہ کی اور کہا کہ یہ پیغام پہنچانا ضروری ہے ۔ پس لوگو سنو! اللہ تعالی نے تمہارا ایک ولی اور امام مقرر کردیا ہے اور اس کی اطاعت تم میں سے ہر ایک پر فرض کردی ہے ۔۔۔۔۔۔[1]

جب یہ آیت نازل ہوئی کہ "وَ اللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ " تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بغیر کسی تاخیر کے اسی وقت اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل

----

(1):- یہ مکمل خطبہ طبری نے کتاب الولایہ میں نقل کیا ہے ۔سیوطی نے بھی اسے تفسیر درمنثور جلد دوم میں ملتے جلتے الفاظ میں نقل کیا ہے ۔

کی اور اپنے . ر علی ع کو خلیہ . قررر کردیا ـ آپ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ علی علیہ ا لام کو امیر المومنین قرر ہونے پر مبارک باد دیں ـ چنانچہ سب نے انُ ین تبریک پیش کی ـاس کے . ریہ آیت . ازل ہوئی : " الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ " ا ـہی نہیں ، بعض علمائے اہل سنت خود اعتراف کرتے ہیں کہ آیہ تبلیغ امام علی ع کی اا ت کے سلسلے میں . ازل ہوئی ہے ـ چنانچہ انھوں نے ابن مردویہ سے روایت کی ہے ـ ابن مردویہ کہتے ہیں کہ ابن مسعود کہتے تھے کہ ہم رسول اللہ ص کے زمانے میں اس آیت کو اس طرح پڑھا کرتے تھے ـ:

يا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ ما أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَ إِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَما بَلَّغْتَ رِسالَتَهُ وَ اللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ "(1)ـ

اس کے ساتھ اگر ہم ان شیعہ روایات کا بھی اضافہ کردیں جو ہو ائمہ اہلبیت ع سے روایت کرتے ہیں تو یہ واضح ہوجائے گا کہ اللہ تعالی نے اپنے دین کو اا ت سے مکمل کیا اور یہی وجہ ہے کہ شیعوں کے نزدیک اا ت اصول دین میں شامل ہے ـ علی ابن ابی طالب ع کی اا ت سے ہی اللہ نے اپنی نعمت مسلمانوں پر تمام کی ـ تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی ان کی خبر گیری کرنے والا نہ ہو اور وہ خواہشات کی آماجگاہ بن جائیں ، تتنے ان میں تفرقہ ڈالریں اور وہ بھیڑوں کا ایسا گلہ رہ جائیں جن کا کوئی رکھوالا اور چرواہا نہ ہو ـ

اللہ نے اسلام کو بطور دین کے پسند کرلیا ، کیونکہ اس نے ان کے لیے ایسے ائمہ کو منتخب کیا جو ہر برائی اور گناہوں سے پاک تھے ـ اس نے ان اماموں کو حکمت ودانائی عطا کی اور انہیں کتاب اللہ کے علم کا وارث بنایا ـ تاکہ وہ خاتم المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی بن سکیں ـ اس لیے مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اللہ کے حکم اور اس کے فیصلے پر راضی رہیں اور اس کی مرضی کے سامنے سر تسلیم خم کردیں ـ اس لیے کہ اسلام کا عام مفہوم ہی اللہ کے ہر حکم کو تسلیم کرنا ا

----

(1):- شوکانی ، تفسیر فتح القدیر جلد 3 صفحہ 57 ـ سیوطی ، تفسیر درمنثور جلد 2 صفحہ 298

اور اس کی مکمل اطاعت رکھتا ہے ۔ اللہ تعالی فرماتا ہے :

" وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ () وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ () وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَى وَالْآخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ()"

تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے پسند کرتا ہے ۔ لوگوں کو پسند کا کوئی حق نہیں ۔ یہ لوگ جو شرک کرتے ہیں اللہ اس سے پاک اور برتر ہے ۔اور ان کے دلوں میں جو کچھ پوشیدہ ہے اور جو کچھ یہ لوگ ظاہر کرتے ہیں تمہارا پروردگار اس کو جانتا ہے ۔اللہ وہی ہے ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے سب تعریف اسی کی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ۔اور حکومت بھی اسی کی ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤگے ۔(سورہ قصص آیات 68-70)

ان تمام باتوں سے سمجھ میں آتا ہے کہ رسول اللہ ص نے یوم غدیر کو عید کا دن قرار دیا تھا ۔ امام علی ع کو خلافت کے لیے نامزد کرنے کے بعد جب آپ پر یہ آیت نازل ہوئی :" الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ " تو آپ نے کہا : اللہ کا شکر ہے کہ دین مکمل ہوگیا اور نعمت پوری ہوئی ۔ اللہ نے میری رسالت اور میرے بعد علی بن ابی طالب کی ولایت کو پسند کیا [1] ۔پھر آپ نے علی ع کے لیے تقریب تبریک منعقد کی خود رسول اللہ ص ایک خیمہ میں رونق افروز ہوئے اور علی کو اپنے برابر بٹھایا اور سب مسلمانوں کو حکم دیا ۔ ان میں آپ کی ازواج ، امہات المومنین بھی شامل ہیں کہ گروہ درگروہ علی ع کے پاس جاکر انہیں امامت کی مبارکباد دیں اور امیر المومنین کی حیثیت سے انہیں سلام کریں چنانچہ سب نے ایسا ہی کیا ۔ اس موقع پر امیر المومنین علی ابن ابی طالب ع

----

(1):- حاکم حسکانی بروایت ابو سعید خدری اپنی تفسیر میں اورحافظ ابو نعیم اصفہانی ما نزل من القرآن فی علی ع میں

کو مبارک باد دینے والوں میں ابو بکر اور عمر بھی شامل تھے ، وہ یہ کہتے ہوئے آئے :

"بخٍ بخٍ لك ياابن أبي طالبٍ أصبحت وأمسيت مولانا ومولى كلّ مؤمنٍ ومؤمنةٍ.[(1)]"

جب شاعر رسول حسان بن ثابت نے دیکھا کہ رسول اللہ ص اس موقع پر بہت خوش اور شاداں وفرحاں ہیں تو انھوں نے آنحضرت ص سے عرض کیا : یا رسول اللہ ! میں آپ کی اجازت سے اس موقع پر چند اشعار عرض کرنا چاہتا ہوں ۔ آپ نے فرمایا : ضرور سناؤ ۔ حسان ! جب تک تم زبان سے ہماری مدد کرتے رہوگے تمہیں روح القدس کی تائید حاصل رہے گی ۔

حسان نے شعر سنانے شروع کیے ۔

"يناديهم يوم الغدير نبيّهم

بخمٍّ فاسمع بالرّسول مناديا

(غدیر کے دن خم کے مقام پر مسلمانوں کے پیغمبر مسلمانوں کو پکاررہے ہیں ، سنو ! رسول ص کیا کہہ رہے ہیں)

اس کے علاوہ اور بھی اشعار تھے جن کو مورخین نے نقل کیا ہے [(2)]۔ اس سب کے باوجود قریش نے چاہا کہ خلافت ان کے پاس رہے اور بنی ہاشم کے یہاں خلافت اور نبوت دونوں جمع نہ ہونے پائیں تاکہ بنی ہاشم کو شیخی بگھارنے کا موقع نہ ملے ۔ اس کی تصریح خود حضرت عمر نے عبداللہ بن عباس سے ایک دفعہ گفتگو کرتے ہوئے کی [(3)]۔

اس لیے پھر کسی کی مجال نہیں ہوئی کہ پہلی تقریب کو ، جو رسول اللہ ص

----

(1):-یہ قصہ امام ابو حامد غزالی نے اپنی کتاب سر العالمین صفحہ 6 پر بیان کیا ہے ۔ اس کے علاوہ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند جلد4 کے صفحہ 281 پر اور طبری نے اپنی تفسیر کی جلد 3 کے صفحہ پر اس کا ذکر کیا ہے ۔ نیز بیہقی ، دار قطنی ، فخر رازی اور ابن کثیر وغیرہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے ۔

(2):- جلال الدین سیوطی ، " الازهار فيما عقده الشعراء من الاشعار"

(2):-طبری تاریخ الامم والملوک جلد 5 صفحہ 3 ،ابن اثیر الکامل فی التاریخ جلد3 صفحہ 31 ۔شرح نہج البلاغہ

نے خود منعقد کی تھی ،کوئی عید غدیر کا جشن منائے۔

جب لوگ نص خلافت ہی کو بھول گئے جبکہ ابھی دو ہی مہینے ہوئے تھے تو غدیر کے واقعہ کی یادمنانا جبکہ ایک سال ہو چکا تھا ۔ اسے کے علاوہ یہ عید تو نص خلافت سے منسلک تھی ۔ جب وہ نص ہی نہ رہی تو عید منانے کی وجہ ہی ختم ہو گئی ۔اسی طرح سالہا سال گزر گئے ،یہاں تک کہ ربع صدی کے بعد امام علی ع نے دوبارہ اس وقت زندہ کیا جب آپ نے اپنے عہد خلافت میں ان صحابہ سے جو غدیر خم میں موجود تھے ، کہا کہ وہ کھڑے ہو کر سب کے سامنے بیعت خلافت کی گواہی دیں ،تیس صحابیوں نے گواہی دی جن میں سے سولہ بدری صحابہ تھے [(1)] ۔ایک انس بن مالک نے کہا کہ "مجھے یاد نہیں " انہیں وہیں برص کی بیماری ہو گئی ۔ وہ روتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھے عبد صالح علی بن ابی طالب کی بد دعا لگ گئی [(2)]۔

اس طرح امام علی ع نے اس بات پر حجت قائم کردی ۔ اس وقت سے آجتک شیعہ یوم غدیر کی یاد مناتے رہتے ہیں اور تاقیامت قیامت مناتے رہیں گے ۔ یہ دن شیعوں کے نزدیک عید اکبر ہے اور کیوں نہ ہو ! جب اس دن اللہ نے دین کو ہمارے لیے کامل کیا اور اس دن نعمت تمام کی اور اسلام کو بطور ایک دین کے ہمارے پسند کیا ۔ یہ اللہ ، اس کے رسول اور مومنین کی نظر میں ایک عظیم الشان دن ہے ۔بعض علمائے اہل سنت نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ص نے علی ع کا ہاتھ پکڑ کر کہا " من کنت مولاہ فھذا علیٌّ مولاہ" الخ تو اللہ نے یہ آیت نازل کی :" الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ " ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ یہ 18 ذی الحجہ کا دن تھا اور جس نے اس دن روزہ رکھا ،اس کے لیے ساٹھ مہینوں کے روزوں کا ثواب لکھا جائے گا ۔[(3)]

----

(1):-امام احمد بن حنبل ، مسند جلد 4 صفحہ 370، ملا علاء الدین متقی ،کنزالعمال جلد 397 ۔ابن کثیر ،البدایہ والنہایہ جلد5 صفحہ 211

(2):- ہیثمی ، مجمع الزوائد جلد 9صفحہ 106 ۔ ابن کثیر ،البدایہ والنہایہ جلد 5 صفحہ 26 ،امام احمد بن حنبل ،مسند جلد اول ،

(3):- ابن کثیر ۔البدایہ والنہایہ جلد 5 صفحہ 214۔

جہاں تک شیعہ روایات کا تعلق ہے تو وہ ائمہ اہل بیت ع سے اس دن کے فضائل کے بارے میں اتنی ہیں کہ بس بیان کیے جائیے ۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ہدایت دی کہ ہم امیر المومنین ع کی ولایت کو انیں اور یوم غدیر کو عید منائیں ۔

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث غدیر صحیح معنی میں ایک بہت بڑا تاریخی واقعہ ہے جسے نقل کرنے پر امت محمدیہ نے اتفاق کیا ہے یہاں تک کہ ہم کہتے ہیں تین سو ساٹھ سنّی علماء نے اس حدیث کو بیان کیا ہے اور شیعہ علماء کی تعداد تو اس سے بھی زیادہ ہے ۔

ان حالات میں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ امت اسلامیہ دو فریقوں میں تقسیم ہو گئی ہے : ایک اہل سنت ، دوسرے اہل تشیع ۔ اہل سنت ، سقیفہ بنی ساعدہ کے شوری کے اصول پر جمے ہوئے ہیں ۔ وہ صریح نصوص کی تاویل کرتے ہیں اور حدیث غدیر وغیرہ جس پر سب راویوں کا اتفاق ہے ، اس کی مخالفت کرتے ہیں ۔

دوسرا فریق ان نصوص پر قائم ہے اور انہیں چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ۔ اس فریق نے ائمہ اہل بیت ع کی بیعت کی ہے اور ان ہی کو مانتا ہے ۔

حق تو یہ ہے کہ جب اہل سنت کے مذہب کو دیکھتا ہوں تو مجھے اس میں کوئی اطمینان بخش چیز نظر نہیں آتی ۔ خصوصا خلافت کے بارے میں ۔ ان کے سب دلائل ظنی واجتہاد پر مبنی ہیں۔ کیونکہ انتخاب کا قاعدہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ آج جس شخص کو ہم پسند کرتے ہیں وہ ضرور سب دوسروں سے افضل ہے کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اس کے دل میں کیا ہے ۔ خود ہمارے اندر ذاتی جذبات وتعصبات چھپے ہوئے ہیں اور جب بھی متعدد اشخاص میں سے ایک شخص کو پسند کرنے کا موقع ہوتا ہے ، یہ عوامل ہمارے فیصلے پر اثر انداز ہوتے ہیں ۔

یہ کوئی خیالی مفروضہ نہیں اور نہ اس بارے میں کچھ مبالغہ ہے کہ جو شخص بھی اس طرز فکر یعنی خلیفہ کے انتخاب کے تصور کا تاریخی نقطہ نظر سے مطالعہ کرے گا اسے معلوم ہوجائے گا کہ یہ اصول جس کے اتنے ڈھول پیٹے جاتے ہیں نہ کبھی کامیاب ہوا ہے اور نہ یہ ممکن ہے کہ کبھی کامیاب ہو ۔

ہم دیکھتے ہیں کہ شوری تحریک کے لیڈر ابو بکر نے جو شوری کے ذریعے منصب خلافت تک پہنچے تھے ،خود ہی دوسال بعد اس کو توڑدیا تھا جب انھوں نے اپنے مرض الموت میں عمر بن خطاب کو خلیفہ نامزد کردیا ۔ کیونکہ انہیں اپنے زمانہ حکومت میں احساس ہوگیا تھا کہ خلافت کے امیدوار بہت ہیں اور لوگ خلافت کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہیں ، اس لیے ایسے فتنے کا اندیشہ ہے جو امت کو ٹکڑے ٹکڑے کردیگا ۔ یہ اس صورت میں ہے جب ہم ابو بکر کے بارے میں حسن ظن سے کام لیں ۔ لیکن اگر انہیں خود معلوم تھا کہ دراصل خلافت کا فیصلہ نص سے ہوتا ہے ، تو پھر یہ ایک دوسرا معاملہ ہے ۔

ادھر عمربن خطاب جو سقیفہ کے موقع پر ابو بکر کی خلافت کے محرک اور معمار تھے اپنے دور خلافت میں علانیہ کہتے تھے کہ :

ابو بکر کی بیعت بلامشورہ اور اچانک ہوئی تھی ، لیکن اللہ نے مسلمانوں کو اس کے برے نتائج سے محفوظ رکھا [1]۔

اس کے بعد جب عمر ابو لؤلؤ فیروز کے وار سے زخمی ہوگئے اور انہیں اپنی موت کا یقین ہوگیا تو انھوں نے ایک چھ رکنی کمیٹی تشکیل دی ۔ تاکہ وہ خلافت کے لیے اپنے میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلے ۔ لیکن انہیں یہ بھی اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ چند لوگ بھی ایسے ہیں کہ باوجود انہیں رسول اللہ ص کی صحبت کا شرف حاصل تھا ، وہ سابقین اولین میں سے تھے اور زہد وتقوی میں ممتاز تھے ، انسانی جذبات سے ضرور متاثر ہوں گے ۔ کیونکہ یہ انسانی فطرت ہے اور اس سے صرف معصوم ہی مستثنی ہوسکتے ہیں ، اس لیے اختلاف کی صورت میں اس فریق کے حق میں فیصلہ ہوگا جس کے ساتھ عبدالرحمان بن عوف ہوں گے ۔اس کے بعد اس کمیٹی نے خلافت کے لیے امام علی ع کا انتخاب کردیا لیکن شرط یہ رکھی کہ وہ کتاب اللہ ، سنت رسول اللہ اور سنت شیخین یعنی ابوبکر اور عمر کی سنت کے مطابق حکومت کریں گے ۔ علی نے کتاب اللہ

----

(1):- صحیح بخاری جلد 8 صفحہ 26 باب رجم الحبلی من الزنا ۔

اور سنت رسول اللہ صلی ۔ بات تو تسلیم کرلی لیکن سنت شیخین کی پیروی کرنے سے انکار کردیا [1]۔ عثمان نے یہ شرائط منظور کرلیں چنانچہ ان کی بیعت کرلی گئی ۔علی ع نے اس موقع پر کہا تھا :

"فيا لله وللشّورى ! متى اعترض الرّيب فيّ مع الأول منهم حتّى صرت أقرن إلى هذه النّظائر ! لكنّي أسففت إذا أسفوا وطرتُ إذْ طاروا فصغارجلٌ مّنهم لضغنه ومال الأخر لصهره مع هنٍ وّهنٍ."

قسم بخدا ! کہاں علی اور کہاں یہ نام نہاد شوری ۔ان لوگوں میں کے پہلے حضرت (ابو بکر)کی نسبت میری فضیلت میں شک ہی کب تھا جو اب ان لوگوں نے مجھے اپنے جیسا سمجھ لیا ہے ؟ (لیکن میں بن کڑاکر کے شوری میں حاضر ہوگیا) اور نشیب وفراز میں ان کے ساتھ ساتھ چلا مگر ان میں سے ایک [2] نے بغض وحسد کے مارے میرا ساتھ نہ دیا اور دوسرا[3] دامادی اور بعض ناگفتنی باتوں کی وجہ سے ادھر جھک گیا ۔(نہج البلاغہ ۔خطبہ شقشقیہ)

جب یہ ان لوگوں کا حال تھا جو مسلمانوں میں منتخب اور اخص الخواص تھے کہ وہ بھی جذبات کی رو میں بہ جاتے تھے اور بغض وحسد اور عصبیت سے متاثر ہوتے تھے تو پھر عام دنیا داروں کا تو ذکر ہی کیا ہے ۔ بہر حال عبدالرحمان اپنے اس انتخاب پر پچھتائے بھی ۔ اور جب عثمان کے دور میں وہ واقعات پیش آئے جو معلوم ہیں تو وہ عثمان پر بگڑے بھی کہ انھوں نے اپنے عہد کا پاس نہیں کیا ۔اورجب کبار صحابہ نے ان سے آکر کہا عبدالرحمان یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے ،تو انھوں نے کہا مجھے عثمان سے یہ

----

(1):- طبری تاریخ الامم والملوک ۔ابن اثیر الکامل فی التاریخ ۔

(2):- سعد بن ابی وقاص کی طرف اشارہ ہے جنھوں نے حضرت عثمان کے بعد بھی حضرت علی ع کی بیعت نہیں کی ۔

(3):- عبدالرحمان بن عوف کی طرف اشارہ ہے ۔ یہ حضرت عثمان کی سوتیلی بہن کے شوہر تھے ۔(ناشر)

توقع نہیں تھی ، مگر اب میں نے قسم کھائی ہے کہ عثمان سے کبھی بات نہیں کروں گا ۔ کچھ دن بعد عبدالرحمان کا انتقال ہوگیا ۔ اس وقت تک بھی ان کی عثمان سے بول چال بند تھی ۔ بلکہ کہتے ہیں کہ ان کی بیماری میں عثمان ان کی عیادت کے لیے گئے تو عبدالرحمان نے دیوار کی طرف منہ کرلیا۔ بات نہیں کی [1]۔

پھر وہی ہوا جو ہونا تھا ۔ عثمان کے خلاف شورش بھڑک اٹھی اور آخر وہ قتل ہوگئے ۔ امت ایک بار پھر انتخاب کے مرحلے سے گزری ۔ خلافت کے امیدواروں میں : طلیق بن طلیق [2]، معاویہ بن ابو سفیان ،عمرو بن عاص ، مغیرہ بن شعبہ ، مروان بن حکم وغیرہ شامل تھے مگر بار علی کا چنا گیا ، مگر افسوس صد افسوس کہ اسلامی مملکت میں انتشار پھیل گیا ۔ اور وہ منافقوں ، مملکت کے دشمنوں بے تدبیروں اور ان لالچیوں کی جو لاڈگاہ بن گئی جو ہر قیمت پر مسند خلافت پر متمکن ہونے کے خواہاں تھے چاہے اس کے لیے کوئی طریقہ بھی کیوں نہ اختیار کرنا پڑے اور کتنے ہی بےگناہوں کا خون کیوں نہ بہانا پڑے ۔اوریہ کہ اس 25 سالہ مدت میں خدا اور رسول ص کے احکام میں تحریف بھی کی گئی ، پس امام علی ع ایک ایسے بحران میں پھنس گئے جس کے ہر طرف بکھری ہوئی موجیں تھیں ، احوال تیرہ و تاریک تھا ، منہ زور خواہشات کا زور تھا ۔ امام علی ع کا عہد خلافت ایسی خونریز جنگوں میں گزرا جو باغیوں ،ظالموں اور ملحدوں نے ان پر مسلط کردی تھیں ۔ وہ اس بحران سے جام شہادت نوش کرکے ہی نکل سکے ۔اور امت محمدیہ کی حالت پر افسوس کرتے ہوئے اس دنیا سے چل بسے ۔ فسلام اللہ علیہ ۔ یہ سب شوری اور انتخاب کے تصور کا شاخسانہ تھا۔

اس کے بعد امت محمدیہ خون کے سمندر میں ڈوب گئی ۔ اس کی قسمت کے فیصلے احمقوں اور رذیلوں کے ہاتھ میں آ گئے پھر شوری ٹوٹ پھوٹ کر بادشاہت میں بدل گئی اور اس نے قیصری اور کسروی کی شکل اختیار کرلی ۔ معاویہ کے عہد سے خلافت

----

(1):- طبری، تاریخ الامم والملوک ۔ابن اثیر الکامل فی التاریخ سنہ 36 کے واقعات ۔شیخ محمد عبدہ شرح نہج البلاغہ جلد 1۔

(2):- اس شخص کو رسول اللہ ص نے فتح مکہ کے دن واجب القتل قرار دیا تھا ۔

موروثی ہو ئ اورا بیٹا باپ کا جانشین ہونےلگا ۔

وہ دور ختم ہوگیا جسے خلافت راشدہ کہاجاتا ہے اور جس دور کے چار خلفاء خلفائے راشدین کہلاتے ہیں ۔ واقعہ تویہ ہے کہ ان چار میں سے بھی صرف ابو بکر اور علی ع انتخاب اور شوری کےذریعہ سے خلیفہ ہوئے تھے ۔ ان میں سے اگر ہم ابو بکر کو چھوڑ دیں کیونکہ ان کی بیعت اچانک ہوئی تھی ۔ اور اس میں آجکل کی اصطلاح میں حزب اختلاف نے شرکت نہیں کی تھی جو علی ع ، ان کے حامی صحابہ [1] اور بنی ہاشم پر مشتمل تھی ، تو صرف علی بن ابی طالب ع ہی رہ جاتے ہیں جن کی بیعت واقعی شوری اور آزادی رائے کے اصول کے تحت منعقد ہوئی ۔ اور علی ع کے انکار کے باوجود مسلمانوں نے ان سے بیعت کی۔ اگر چہ بعض صحابہ نے بیعت سے پہلو تہی ضرور کی لیکن ان پر زبر دستی نہیں کی گئی اور نہ انہیں کوئی دھمکی دی گئی ۔

اللہ تعالی کی مشیت یہ تھی کہ علی ابن ابی طالب ع نص قطعی کے ذریعے سے بھی خلیفہ ہوں اور مسلمان ان کا انتخاب بھی کریں ۔ اب علی ع کی خلافت پر کیا سنّی ،کیا شیعہ پوری امّت مسلمہ کا اجماع ہے اور جیسا کہ سب کو معلوم ہے ، دوسرے خلفاء کے بارے میں اختلاف ہے ۔

یہ دیکھ کر افسوس ہوتاہے کہ مسلمانوں نے اس نعمت خداوندی کی قدر نہیں کی ۔ اگر قدر کرتے تو ان پر آسمانی برکتوں کے دروازے کھل جاتے ۔روزی کی ہرگز تنگی نہ ہوئی آج مسلمان ساری دنیا کے قائد اورسردار ہوتے ۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے :" وأنتم الأعلون إن كنتم مؤمنين" تم ہی سب سے سربلند ہوگے بشرطیکہ تم سچے مومن ہو ۔

لیکن ابلیس لعین تو ہمارا کھلا دشمن ہے ، اس نے اللہ ربّ العزت سے کہہ دیا تھا کہ :

----

(1):- مثلا اسامہ بن زید، زبیر بن العوام ،سلمان فارسی ،ابوذر غفاری ، مقداد بن اسود عمّار بن یاسر ،حذیفہ بن یمان ، خزیمہ بن ثابت ، ابو بریدہ اسلمی ، براء بن عازب ، فضل بن عباس ، ابی بن کعب ، سہل بن حنیف ،عمار بن عبادہ ، قیس بن سعد ،خالد بن سعید ،ابو ایوب انصاری ،جابر بن عبداللہ انصاری وغیرہ ۔(ناشر)

"قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ () ثُمَّ لآتِيَنَّهُم مِّن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَن شَمَآئِلِهِمْ وَلاَ تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ" چونکہ تونے مجھے گمراہ کردیا ہے ، میں بھی اس سیدھی راہ پر بیٹھ کر رہوں گا جو تونے ان کے لیے تجویز کی ہے ، پھر آؤں گا ان کے پاس ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے ، ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے ۔ اور تو ان میں سے اکثر کو اپنا شکر گزار نہیں پائے گا ۔(سورہ اعراف ۔آیت 16-17)

آج اہل نظر دنیا میں مسلمانوں کی حالت دیکھیں خصوصا تیسری دنیا میں ، جہاں کے مسلمان پسماندہ ہیں ،جاہل ہیں ، جاہل ہیں ،ان کی قسمت کافیصلہ اغیار کے ہاتھ میں ہے ،وہ ذلیل ہیں ، کچھ نہیں کرسکتے ،ان ممالک کے پیچھے دوڑتے ہیں جو اسرائیل کو تسلیم کرتے ہیں حالانکہ اسرائیل مسلمان حومتوں کو تسلیم نہیں کرتا ۔ وہ مسلمانوں کو یروشلم میں گھسنے تک نہیں دیتا جسے اس نے اپنا دارالسلطنت بنا لیا ہے ۔آج مسلمان ممالک امریکہ اور روس کے رحم وکرم پر ہیں ۔ مسلمان قومیں جہالت ،بھوک اور بیماری کے عفریت کے چنگل بری طرح پھنسی ہوئی ہیں۔ یورپ کے تو کتے بھی انواع واقسام کے گوشت اور مچھلیاں کھاتے ہیں ، جب کہ مسلمانوں کے بچے بھوک سے دم توڑ دیتے ہیں ۔ بعض اسلامی ملکوں میں تو انہیں روٹی کا ایک ٹکڑا بھی نصیب نہیں ہوتا اور وہ کوڑے کے ڈھیر سے اپنی غذا تلاش کرتے نظر آتے ہیں "فلا حول ولا قوۃ الا باللہ علی العظیم"

سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کا بیعت ابو بکر کے بعد ، جب ابو بکر سے جھگڑا ہوا تھا تو انھوں نے مہاجرین وانصار کے سامنے تقریر کرتے ہوئے فرمایا :

"۔۔۔۔۔ معلوم نہیں لوگوں کو علی کی کیا بات ناپسند ہے کہ انھوں نے ان کی حمایت چھوڑ دی ہے ؟ بخدا ! لوگ علی کی احکام الہی کے بارے میں سختی ،ان کی ثابت قدمی اور ان کی شمشیر خارا شگاف کو پسند نہیں کرتے مگر انھوں نے خود اپنا ہی نقصان کیا ہے علی ع ۔

کی حکومت میں انھیں ظلم وستم سے واسطہ نہیں پڑتا ۔ وہ تو انھیں علم ودانش اورعدل وانصاف کے چشموں سے سیراب کرتے "۔

اس کے بعد انھوں نے پیشن گوئی کی تھی ۔ انھوں نے اپنی تقریر کے آخرمیں اس امت کے انجام کی خبر دیتے ہوئے کہا تھا

:

"جو کام ان لوگوں نے کیا ہے ہو گابھن اونٹنی کی طرح ہے ۔ بچہ ہونے دو پھر تم پیالہ بھر کے دودھ کی بجائے خون اور زہر دوہوگے ۔ اس وقت باطل پرست خسارہ میں رہیں گے اور یہ کہ آئندہ آنے والی نسلیں اپنے پچھلوں کی غلطیوں کا خمیازہ بھگتیں اور یقین رکھو کہ تم فتنہ وفساد میں ڈوب جاؤ گے اور یقین رکھو کہ تلوار چلیں گی ، ظلم وستم ہوگا ، افراتفری ہوگی ،ظالموں کی مطلق العنان حکومت ہوگی جو تمہیں پیس کے رکھ دے گی ۔ تم کس خیال میں ہو ؟ تمہیں کیوں سمجھ نہیں آتی ؟کیا ہم زبردستی وہ چیز تمہارے سر منڈھ دیں جو تمہیں پسند ہی نہیں ؟"(1)

دختر رسول ص اور گوہر کان نبوت صلیۃ طاہرہ نے جو کچھ کہاوہ اس وقت کی تاریخ میں حرف بحرف ثابت ہوا اور کون جانتا ہے ابھی پردہ غیب میں کیا ہے ۔ شاید مستقبل میں جو کچھ پیش آئے وہ ان سے بھی زیادہ بھیانک ہو۔کیوں کہ اللہ نے جو احکام نازل کیے وہ انہیں ناپسند ہوئے ۔پھر اللہ نے بھی ان کے اعمال غارت کردیئے ۔

اس بحث کا ایک اہم جزو

اس بحث کے سلسلے میں ایک خاص بات جو توجہ اور تحقیق کی مستحق ہے اور یہ وہ واحد اعتراض ہے جو اس وقت اٹھایا جاتا ہے جب مسکت دلائل کے سامنے مخالفین کے لیے فرار کا راستہ بند ہوجاتا ہے اورانھیں نصوص صریحہ کا اعتراف کرنا پڑتا

----

(1):۔طبری ،دلائل الامامۃ ۔ابن طیفور بلاغات النساء ۔ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغۃ ۔

ہے تو وہ بالآخر انکار اور تعجب کے ساتھ کہتے ہیں کہ " یہ کیسے ممکن ہے کہ امام علی ع کے امامت پر تقرر کے وقت ایک لاکھ صحابہ موجود ہوں اور پھر وہ سب کے سب اس تقرر کی مخالفت کرنے اور اسے نظر انداز کرنے پر اتفاق کرلیں ، جب کہ ان میں بہترین صحابہ اور امت کے افضل ترین اشخاص شامل تھے "۔یہ صورت خود میرے ساتھ اس وقت پیش آئی جب میں نے اس موضوع پر تحقیق شروع کی ۔مجھے یقین نہیں آتا تھا اور کسی کو بھی یقین نہیں آئیگا اگر معاملے کو اس صورت میں پیش کیا جائے ۔ لیکن جب ہم اس معاملے کا تمام پہلوؤں سے جائزہ لیتے ہیں تو پھر اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں رہتی ۔کیونکہ مسئلہ اس طرح نہیں ہے جس طرح ہم سمجھتے ہیں یا جس طرح اہل سنت پیش کرتے ہیں۔ بات ان کی بھی معقول ہے ۔حاشا وکلا ! یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک لاکھ صحابہ فرمان رسول ص کی مخالفت کریں ۔

پھر یہ واقعہ کس طرح پیش آیا ؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ جو لوگ بیعت غدیر کے موقع پر موجود تھے وہ سب مدینہ منورہ کے رہنے والے نہیں تھے ۔ان میں زیادہ سے زیادہ تین چار ہزار مدینے کے باشندے ہوں گے پھر ان میں بہت سے آزاد شدہ غلام تھے ۔ غلام بھی تھے اور مزدور لوگ بھی تھے جو مختلف اطراف واکناف سے آکر رسول اللہ ص کی خدمت میں جمع ہوگئے تھے ، ان کا مدینہ میں اپنا کوئی کنبہ قبیلہ نہیں تھا ان سب :

"اصحاب صفہ"۔ اگر ان سب کو نکال دیا جائے تو ہمارے پاس آدمیوں کی تعداد بچتی ہے یعنی زیادہ سے زیادہ دوہزار ۔یہ لوگ بھی قبائلی نظام کے تحت تھے کے سرداروں کے تابع تھے ۔ رسول اللہ ص نے اس نظام کو باقی رہنے دیا تھا ۔ جب رسول اللہ ص کے پاس کوئی وفد آتا تھا تو آپ اس کے سردار کو اس کا انچارج مقرر کردیتے تھے ۔ اسی لیے اسلام میں ان زعماء اور سرداروں کے لیے اہل حل وعقد کی اصطلاح رواج پائی ۔جب ہم سقیفہ کا کانفرنس پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے شرکاء کی تعداد جنھوں نے حضرت ابو بکر کو منتخب کیا تھا ایک سو سے ہرگز متجاوز نہیں تھی ،اس لیے انصار میں سے ۔جو مدینے کے اصل باشندے تھے ۔صرف سرداروں نے

شرکت کی تھی اور مہاجرین میں سے جو در اصل مکہ کے رہنے والے تھے اور رسول اللہ ص کے ساتھ ہجرت کرکے آئے تھے صرف تین یا چار اشخاص ہی شریک تھے جو قریش کی نمائندگی کررہے تھے ۔اس کے ثبوت کے لیے یہ کافی ہے کہ ہم یہ اندازہ لگائیں کہ سقیفہ کتنا بڑا ہوگا ۔ ہم سب کو معلوم ہے کہ سقیفہ کا کیا مطلب ہوتا ہے ۔یہ مکان کے بیرونی دروازے سے ملحق ایک برآمدہ ہوتا ہے جس میں لوگ بیٹھک جماتے ہیں ۔ یہ مکان کے بیرونی دروازے سے ملحق ایک برآمدہ ہوتا ہے جس میں لوگ بیٹھک جماتے ہیں ۔ یہ کوئی آڈیٹوریم یا کانفرنس ہال نہیں ہوتا ۔اس لیے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ" سقیفہ بنی ساعدہ " میں سو آدمی موجود ہوں گے تو درحقیقت ہم مبالغے سے کام لیتے ہیں ۔ہمارا مقصد یہ ہے کہ تحقیق کرنے والے کو یہ معلوم جائے کہ وہاں وہ ایک لاکھ آدمی نہیں تھے جو "غدیر خم"کے موقع پر موجود تھے ،بلکہ انہیں تو یہ معلوم بھی کافی عرصہ بعد ہوا ہوگا کہ سقیفہ میں کیا کاروائی ہوئی ۔ کیونکہ ان دنوں نہ فوری رابطہ تھا نہ ٹیلفون تھے اور نہ ہی نوعی سیارے تھے ۔ جب وہاں موجود زعماء کا ابوبکر کے تقرر پر انصار کے سردار سعد بن عبادہ اور ان کے بیٹے قیس کی مخالفت کے باوجود ، اتفاق ہوگیا اور غالب اکثریت سے معاملہ طے پاگیا اس وقت مسلمانوں کی بڑی تعداد سقیفہ میں موجود نہیں تھی ۔ کچھ لوگ رسول اللہ ص کی تجہیز وتکفین میں مصروف تھے ،کچھ رسول اللہ ص کی وفات کی خبر سے انتہائی مضطرب تھے ۔ عمر نے انہیں یہ کہہ کر اور بھی خوف زدہ کردیا تھا کہ خبر دار کوئی یہ بات زبان سے نہ نکالے کہ رسول اللہ ص وفات پاگئے ہیں ۔[1]اس کے علاوہ صحابہ کی ایک بڑی تعداد کو رسول اللہ ص نے سپاہ اسامہ میں بھرتی کرلیا تھا اوریہ لوگ زیادہ تر جرف میں مقیم تھے ۔ لہذا یہ لوگ رسول اللہ ص کی وفات کے وقت نہ تو مدینے میں موجود تھے اور نہ ہی سقیفہ کی کانفرنس میں شریک ہوئے ۔ اس کے باوجود بھی کیا یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کسی قبیلے کے افراد اپنے سردار کی مخالفت کرتے اور اس سے جو فیصلہ کردیا تھا اسے نہ مانتے ۔خصوصا جب کہ یہ فیصلہ ان کے لیے ایک بڑا اعزاز تھا جس کو حاصل کرنے کی ہر قبیلہ کوشش کرتا تھا ۔

----

(1):- صحیح بخاری جلد 4 صفحہ 195

کون جانتا ہے کہ کسی دن ان کے ہی تلمہ یا خاندان کو تمام خلافت حاصل ہوجائے جب کہ اس کا شرعی حق دار تو راستے سے ہٹا دیا گیا تھا اور معاملہ شوریٰ پر منحصر ہوگیا تھا۔اس صورت میں یہ باری سب کے لیے موقع تھا۔ ایسی حالت میں وہ اس فیصلے سے ویسے ہی نہ خوش ہوتے اور نہ اس کی تائید کرتے؟

دوسری بات یہ ہے کہ جب مدینے کے رہنے والے اہل حل وعقد نے ایک بات طے کردی تھی تو جزیرہ نمائے عرب کے دور افتادہ باشندوں سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ اس کی مزاحمت کریں گے کیونکہ وہ نہیں جانتے تھے کہ ان کے عدم موجودگی میں کیا ہورہا ہے جب کہ اس دور میں وسائل رسل ورسائل بالکل ابتدائی حالت میں تھے۔

اس کے علاوہ وہ یہ بھی سوچتے تھے کہ اہل مدینہ رسول اللہ کے پڑوسی ہیں وہ احکام الٰہی اور وحی سے جو کسی وقت کسی دن بھی نازل ہوسکتی تھی زیادہ واقف ہیں۔پھر یہ کہ صدر مقام سے دور رہنے والے قبیلے کے سردار کو خلافت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اسے اس سے کیا کہ ابو بکر خلیفہ ہوں یا علی ع یا کوئی اور۔گھر کا حال گھر والے جانیں۔اس کے لیے اہم بات صرف یہ تھی کہ اس کی سرداری برقرار رہے۔ اسے کوئی چھیننے کی کوشش نہ کرے۔کون جانتا ہے۔شاید کسی نے بیعت کے متعلق کچھ پوچھ گچھ کی بھی ہو۔ اور حقیقت حال جاننے کی کوشش کی ہوں۔ لیکن حکومت کے کارندوں نے خواہ ڈرا دھمکا کر یا لالچ دے کر اسے خاموش کردیا ہو۔ شاید مالک بن نویرہ کے قتل کے متعلق۔جس نے ابو بکر کو زکات دینے سے انکار کردیا تھا۔ شیعوں کی یہ بات صحیح ہو۔ حقیقت تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔لیکن جو شخص مانعین زکاۃ کے ساتھ جنگ کے دوران میں پیش آنے والے واقعات کا غور سے مطالعہ کرے گا اس کو بہت سے ایسے تضادات ملیں گے جن کے متعلق بعض مورخین کی پیش کی ہوئی صفائی سے اطمینان نہیں ہوگا۔

تیسری بات یہ ہے اس واقعہ کے اچانک پیش آجانے کا بھی اس کو بطور امر واقعی FAIT ACCOMPLI تسلیم کرلیے جانے میں بڑا دخل رہا ہے سقیفہ کانفرنس اس وقت اچانک منعقد ہوئی تھی جب بہت سے صحابہ رسول اللہ ص کی تجہیز

وتکفین میں مشغول تھے ان میں امام علی ع عباس ،دوسرے بنی ہاشم ، مقداد ،سلمان ابوذر ، عمار اور دوسرے بہت سے اصحاب شامل تھے ۔ جب تک سقیفہ کے شرکاء ابو بکر کو مسجد میں لے کرگئے اور انھوں نے عام بیعت کی دعوت دی جس پر لوگ بادل خواستہ ناخواستہ بیعت کے لیے امنڈ پڑے ، اس وقت تک علی ع اور ان کے پیروکار اپنے شرعی اور اخلاقی فریضہ سے فارغ نہیں ہوئے تھے اور ان کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ رسول اللہ ص کو بغیر غسل اور بغیر کفن دفن کے چھوڑ کر سقیفہ میں خلافت کے واسطے دوڑ پڑتے اور جب تک وہ اس فریضہ سے فارغ ہوئے ۔ اس وقت تک معاملہ ابو بکر کے حق میں فیصلہ بھی ہوچکا تھا ۔ اب جو کوئی ابوبکر کی بیعت سے پیچھے ہٹتا اس کا شمار مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے والے ان فتنہ پردازوں میں ہوتا جن سے نمٹنا اور ضروری ہوتو انہیں قتل کرنا مسلمانوں پر واجب ہوگیا تھا ۔اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ جب سعد بن عبادہ نے حضرت ابو بکر کی بیعت میں تامل کیا تو عمربن خطاب نے انہیں قتل کی دھمکی دی تھی ۔[1]

اس کے بعد بیعت سے انکار کرنے والے ان صحابہ کو جو علی ع کے گھر میں جمع تھے ، زندہ جلادینے کی اور علی ع کے گھر کو آگ لگانے دینے کی دھمکی دی گئی تھی ۔ اگر ہمیں بیعت سے متعلق عمر کی صحیح رائے معلوم ہوجائے تو بہت سے حیران کن معمّوں کا حل نکل آئے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ عمر کا خیال یہ تھا کہ بیعت کے درست ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ کوئی ایک مسلمان بیعت میں سبقت کرلے۔پھر باقی پر اس کی پیروی واجب ہوجاتی ہے ۔ اس پر بھی اگر کوئی مخالفت کرے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج اور واجب القتل ہے ۔ آیئے دیکھیں خود عمر بیعت کے بارے میں کیا کہتے ہیں ! صحیح بخاری کی روایت ہے ۔ عمر[2] کہتے ہیں :

اس پر بڑی گڑبڑ ہوئی اورخوب شور مچا ۔ میں ڈرا کہ کہیں آپس میں

----

(1):- صحیح بخاری جلد 8صفحہ 26 ۔طبری تاریخ الامم والملوک ۔ابن قتیبہ ، الامامۃ والسیاسۃ ۔

(2):- صحیح بخاری جلد 8 صفحہ 29 ۔ "باب رجم الحبلی عن الزنا اذا احصنت "

تفرقہ پڑجائے ۔میں نے ابو بکر سے کہا:ہاتھ بڑھاؤ ۔انھوں نے ہاتھ بڑھا دیا تو میں نے بیعت کرلی ۔ مہاجرین [1]اور انصار نے بھی بیعت کرلی ۔ ہم سعد بن عبادہ پر کود پڑے ۔انصار میں سے کسی نے کہا : تم نے سعد بن عبادہ کو مارڈالا ! میں نے کہا سعد بن عبادہ پر اللہ کی مار !

عمر کہتے ہیں کہ " جو مسئلہ ہمارے سامنے تھا ، اس کا اس سے مضبوط کوئی حل نہیں تھا کہ ابو بکر کی بیعت کرلی جائے ۔ہمیں ڈر تھا کہ اگر وہاں موجود لوگوں کوچھوڑ کرچلے گئے اور بیعت نہ ہوئی تو کہیں وہ ہمارے جانے کے بعد اپنے ہی لوگوں سے بیعت نہ کرلیں ۔پھر یا تو ہمیں اپنی مرضی کے خلاف بیعت کرنی پڑیگی اور اگر ہم نے مخالفت کی تو فسادبرپا ہوگا ۔ اگر کوئی کسی سے مسلمانوں کے مشورے کے بغیر بیعت کرے تو ان دونوں میں سے کسی کا ساتھ نہیں دیاجائیگا ۔

معلوم ہوا کہ عمر کے نزدیک سوال انتخاب ، اختیار اور شوری کا نہیں تھا ۔ صرف اتنا کافی تھا کہ کوئی مسلمان بڑھ کر کسی سے بیعت کرلے تاکہ باقی لوگوں پر حجت قائم ہوجائے ۔ اسی لیے عمر نے ابو بکر سے کہا کہ ہاتھ بڑھاؤ ۔ابوبکر نے ہاتھ بڑھادیا تو عمر نے بلاجھجک اور بلا کسی سے مشورہ کیے فورا اس خوف سے بیعت کرلی کہ کہیں کوئی دوسرا بازی نہ لے جائے ۔اس بات کو عمر نے اس طرح بیان کیا :

ہم ڈرتے تھے کہ اگر ہم ان لوگوں کے پاس سے چلے گئے اور بیعت نہ ہوئی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ہمارے جانے کے بعد اپنے ہی لوگوں میں سے کسی سے بیعت کرلیں ۔(عمر کوڈر تھا کہ کہیں انصار پہل کرکے

----

(1):- سب مورخین کہتے ہیں کہ سقیفہ میں صرف چار مہاجر موجود تھے ۔ یہ کہنا کہ "میں نے بیعت کی اور مہاجرین نے بیعت کرلی " یہ اس قول سے متصادم ہے جو اسی خطبے میں آگے ہے کہ علی ع ،زبیر اور ان دونوں کے ساتھیوں نے مخالفت کی ۔ صحیح بخاری جلد 8 صفحہ 26

اپنے میں کسی کی بعت نہ کرلیں)۔

مزید وضاحت اس فقرے سے ہوجاتی ہے :

پھر یا تو ہمیں اپنی مرضی کے خلاف ان سے بیعت کرنی ہوتی یا اگر ہم نے مخالفت کی تو فساد برپا ہوجائے گا ۔[1]

احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ہم یہاں یہ اعتراف کرلیں کہ عمر بن خطاب نے بیعت کے بارے میں اپنی رائے اپنی زندگی کے آخری ایام میں بدل لی تھی ۔ ہوا یوں کہ انھوں نے جو آخری حج کیا تھا اس کے دوران ایک شخص نے عبدالرحمان بن عوف کی موجودگی میں ان سے آکر کہا تھا : آپ کو معلوم ہے کہ فلاں شخص کہتا ہے کہ اگر عمر مرجائیں تو میں فلاں سے بیعت کرلوں گا ۔ ابوبکر کی بیعت تو اچانک ہوئی تھی جو اتفاق سے کامیاب ہوئی ۔ یہ سن کر عمر بہت ناراض ہوئے اور مدینے واپسی کے بعد ایک خطبہ دیا جس میں اور باتوں کے علاوہ کہا :

میں نے سنا ہے کہ تم میں سے کوئی کہہ رہا تھا کہ اگر عمر مرگئے تو میں فلاں شخص کی بیعت کرلونگا ۔ کسی شخص کو اس دھوکے میں نہیں رہنا چاہیے کہ ابوبکر کی بیعت اچانک ہوئی تھی لیکن کامیاب رہی ۔ یہ بات صحیح ہے اللہ نے اس کے برے نتائج سے محفوظ رکھا ۔[2]

پھر کہا کہ

"جو شخص مسلمانوں سے مشورہ کیے بغیر کسی سے بیعت کرے گا تو نہ بیعت کرنے والے کی بیعت صحیح ہوگی اور نہ بیعت لینے والے کی بیعت ،بلکہ وہ دونوں قتل کردیے جائیں[3]۔

کاش ! سقیفہ کے موقع پر بھی عمر کی یہی رائے ہوتی !

----

(1):- صحیح بخاری جلد 8 صفحہ 28

(2):- صحیح بخاری جلد8صفحہ 26

(3):- طبری تاریخ الامم والملوک ،استخلاف عمر۔ ابن ابی الحدید ،شرح نہج البلاغہ ۔

اب یہ بات باقی رہ جاتی ہے کہ عمر نے زندگی کے آخری ایام میں اپنی رائے تبدیل کیوں کرلی ۔کیونکہ انہیں دوسروں سے بہتر طورپر معلوم تھا کہ وہ اپنی رائے کی وجہ سے ابوبکر کی بیعت کی بنیادیں ڈھا رہے ہیں ، اس لیے کہ انھوں نے بھی ابوبکر کی بیعت مسلمانوں سے مشورہ کیے بغیر اچانک کی تھی ۔ نہ صرف یہ بلکہ ان کے اس بیان سے

خود ان کی اپنی بیعت کی بنیادیں ہل گئی اس لیے ابوبکر نے اپنی وفات کے قریب مسلمانوں سے مشورہ کیے بغیر ان کے لیے بیعت لی تھی ، یہاں تک کہ بعض صحابہ انے ابو بکر کی چٹھی سنانے کے لیے عمر باہر نکلے تو کسی نے ان سے پوچھا : ابو حفص ! اس چٹھی میں کیا ہے ؟ عمر نے جواب دیا مجھے معلوم نہیں ۔ لیکن پہلا میں شخص ہوں گا جو ابوبکر کے حکم کو سن کر اسے قبول کرے گا ۔ اس شخص نے اس پر کہا : مگر مجھے معلوم ہے کہ اس میں کیا ہے پہلی بار آپ نے انہیں حکمران بنایا تھا ، اس بار وہ آپ کو حکمران بنا رہے ہیں [1]۔یہ ویسی ہی بات ہے جیسی امام علی ع نے اس وقت ہی تھی جب وہ لوگوں کو ابوبکر کی بیعت کی دعوت دے رہے تھے ، علی ع نے کہا تھا :دودھ دوہ لو ، تمہیں تمہارا حصہ مل جائے گا ۔ آج تم ان کی خلافت پکی کردو ، کل وہ خلافت تمہیں لوٹا دیں گے [2]۔

اہم بات یہ ہے کہ ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ بیعت کے بارے میں عمر نے اپنی رائے کیوں بدلی ؟ میرا خیال یہ ہے کہ انھوں نے سنا تھا کہ بعض صحابہ ان کے مرنے کے بعد علی ابن ابی طالب ع سے بیعت کرنا چاہتے ہیں ۔ مگر یہ بات انہیں قطعا پسند نہیں تھی ۔ عمر کو یہ گوارا نہیں تھا کہ کوئی شخص یہ کہے کہ اگر عمر مرگئے تو میں فلاں شخص سے بیعت کرلونگا ۔خصوصا ایسی حالت میں جب کہ وہ خود عمر کے اپنے فعل سے استدلال کررہا ہے ۔ اس کہنے والے کا نام تو معلوم نہیں مگر اس میں شک نہیں کہ

----

(1):- ابن قتیبہ ،الامامۃ والسیاسۃ جلد 1صفحہ 18

(2):- صحیح مسلم جلد 5 صفحہ 75 ۔ صحیح بخاری جلد 7 صفحہ 9

یہ کبار صحابہ میں سے کوئی صاحب ہوں گے ۔ یہ صاحب کہہ رہے تھے کہ اگر ابوبکر کی بیعت اچانک ہوئی تھی مگر مکمل ہوئی یعنی اگرچہ یہ بیعت مشورے کے بغیر اور دفعتا ہوئی تھی مگر یہ مکمل ہو کر ایک حقیقت بن گئی ۔ اگر عمر اس طرح ابوبکر سے بیعت کرسکتے تھے تو وہ خود کیوں فلاں سے اس طرح بیعت نہیں کرسکتے "۔

یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ ابن عباس ، عبدالرحمن بن عوف اور عمر بن خطاب اس شخص کا نام نہیں لیتے جس نے یہ بات کہی تھی اور نہ اس شخص کا نام لیتے ہیں ۔جن کی یہ بیعت کرنا چاہتا تھا ۔ لیکن چونکہ یہ دونوں اشخاص مسلمانوں میں بڑی اہمیت رکھتے تھے ، اس لیے عمر یہ بات سن کر بگڑے اور پہلے ہی جمعہ کو جو خطبہ دیا اس میں خلافت کاذکر چھیڑ کر اپنی نئی رائے کا اظہار کیا ، تاکہ جو صاحب پھر ایک بار اچانک بیعت کا ارادہ کررہے تھے ان کا راستہ روکا جائے ۔کیونکہ اس بیعت کی صورت میں خلافت فریق مخالف کے ہاتھ میں جانے کا امکان تھا ۔ اس کے علاوہ اس بیان کے بین السطور سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی شخص کی انفرادی رائے نہیں تھی ، یہ رائے بہت سے صحابہ کی تھی ، اس لیے بخاری کہتے ہیں " اس پر عمر نے بگڑ کر کہا : میں انشاءاللہ شام کو تقریر کرکے لوگوں کو ان سے خبر دار کردوں گا جو ان کے معاملات پرناجائز قبضہ رکھنا چاہتے ہیں [1]۔

اس سے معلوم ہوا کہ عمر کی رائے میں تبدیلی کی اصل وجہ ان لوگوں کی مخالفت تھی جو بقول ان کے لوگوں کے معاملات پر ناجائز قبضہ رکھنا اور علی ع کی بیعت رکھنا چاہتے تھے اور یہ بات عمر کےلیے ناقابل قبول تھی ۔ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ خلافت لوگوں کے طے کرنے کا مسئلہ ہے ۔یہ علی بن ابی طالب ع کا حق نہیں ۔لیکن اگر عمر کا یہ خیال صحیح تھا تو رسول اللہ ص کی وفات کے بعد انھوں نے خود لوگوں کا حق غصب کیوں کیا تھا اور مسلمانوں سے مشورہ کیے بغیر ابوبکر سے بیعت کرنے میں جلدی کیوں کی تھی ؟

----

(1):- صحیح بخاری جلد 8 صفحہ 25

ابو حفص عمر کا رویہ ابو الحسن علی ع کے بارے میں سب کو معلوم ہے ۔عمر کی کوشش یہ تھی کہ جہاں تک ممکن ہو علی ع کو حکومت سے دور رکھا جائے ۔یہ نتیجہ ہم نے صرف مذکورہ بالا خطبے ہی سے اخذ نہیں کیا ہے بلکہ تاریخ کا متتبع کرنے والا ہر آدمی جانتا ہے کہ ابو بکر کے دور خلافت میں بھی عملا عمر بن خطاب ہی حکمراں تھے ۔اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ابوبکر نے اسامہ سے اجازت مانگی تھی کہ عمر کو ان کے پاس چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ امور خلافت میں ان سے مدد لیتے رہیں (1)۔

ساتھ ہی ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ابو بکر ، عمر اور عثمان کے پورے دور میں علی بن ابی طالب کو ذمہ داری کے عہدوں سے دور رکھا گیا ہے ۔نہ ان کو کوئی منصب دیا گیا ہے ۔نہ کسی صوبے کا گورنر بنایا گیا ہے ۔نہ کسی لشکر کا سالار مقرر کیا گیا اور نہ خزانہ ان کی تحویل میں دیا گیا ۔حالانکہ ہم سب جانتے ہیں کہ علی بن ابی طالب ع کون تھے ۔

تاریخ کی کتابوں میں اس سے زیادہ عجیب بات یہ لکھی ہے کہ عمر کو مرنے کے قریب اس بات کا افسوس تھا کہ ابو عبیدہ بن جراح یا حذیفہ بن یمان کے آزاد کردہ غلام سالم ، ان دونوں میں سے کوئی اس وقت زندہ نہیں ورنہ وہ ان ہی میں سے کسی کو اپنے بعد خلافت کے لیے نامزد کردیتے ۔لیکن اس میں شک نہیں کہ بعد میں انہیں خیال آیا کہ اس طرح کی بیعت کے بارے میں تو وہ اپنی رائے پہلے ہی بدل چکے ، اس لیے ضروری ہوا کہ بیعت کا کوئی نیا طریقہ ایجاد کیا جائے جس کو درمیانی حل قرار دیا جا سکے ،جس میں نہ تو کوئی فرد واحد اس کی بیعت کرلے جس کو وہ اپنی ذاتی رائے میں مناسب سمجھتا ہو اور پھر دوسروں کو آمادہ کرے کہ وہ بھی اس کی پیروی کریں ۔جیسا کہ خود عمر نے ابو بکر کی بیعت کے وقت کیا تھا ۔یا جس طرح ابوبکر نے اپنے بعد خلافت کے لیے عمر کو نامزد کردیا تھا ۔یا جیسا کہ ان صاحب کا ارادہ تھا جو حضرت عمر کی موت کا انتظار کررہے تھے ۔تاکہ اپنے پسندیدہ شخص کی بیعت کرسکیں ، لیکن عمر پیش بندی کرکے ان کے

----

(1):-ابن سعد نے طبقات میں اس کی تصریح کی ہے ۔ دوسرے مورخین نے بھی جنھوں نے سریہ اسامہ بن زید کا ذکر کیا ہے ، اس بات کو بیان کیا ہے ۔

منصوبے کو ناکام بنا دیا تھا ۔ نیز عمر کے لیے یہ ممکن تھا کہ وہ خلافت کے معاملہ کا تصفیہ مسلمانوں کے شوری پر چھوڑ دیتے کیونکہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے کہ رسول اللہ ص کی وفات کے بعد سقیفہ میں سخت اختلاف پیدا ہوگئے تھے اور کس طرح کشت وخون کی نوبت آتے آتے رہ گئی تھی ۔

چنانچہ حضرت عمر نے بالآخر اصحاب شوری کا اصول وضع کیا اور اس اصول کے تحت ایک چھ رکنی کمیٹی تشکیل دی جس کے خلیفہ کے انتخاب کا مکمل اختیار تھا اور اس کمیٹی کے ارکان کے علاوہ مسلمانوں میں سے کسی کو اس معاملہ میں دخل دینے کا حق نہیں تھا ۔ حضرت عمر کو معلوم تھا کہ ان چھ ارکان میں بھی اختلاف پیدا ہونا ناگزیر ہے اس لیے انھوں نے ہدایت جاری کی کہ اختلاف کی صورت میں اس فریق کا ساتھ دیا جائے جس میں عبدالرحمان بن عوف ہوں ، خواہ یہ ارکان تین تین کے دو مساوی گروہوں میں تقسیم ہوجائیں اور اس گروہ کو قتل ہی کردینا پڑے جو عبدالرحمان بن عوف کے خلاف ہو۔لیکن عمر کو یہ بھی معلوم تھا کہ ایسا ہونا ممکن نہیں ۔ کیونکہ سعد بن ابی وقاص عبدالرحمان بن عوف کے چچازاد بھائی تھے اور ان دونوں کا تعلق قبیلہ بنی زہرہ تھا ۔ ۔۔۔عمر کو یہ بھی معلوم تھا کہ سعد بن ابی وقاص علی ع سے خوش نہیں ،ان کی دل میں علی ع کی طرف سے بغض ہے کیونکہ علی ع نے ان کی ننھیال عبد شمس کے بعض افراد کو غزوات میں قتل کیا تھا ۔

عمر کو یہ بھی معلوم تھا کہ عبدالرحمان بن عوف عثمان کے بہنوئی کیونکہ ان کی بیوی ام کلثوم عثمان کی بہن ہیں ۔

۔۔۔یہ بھی جانتے تھے کہ طلحہ کا بھی جھکاؤ عثمان کی طرف ہے بعض راویوں نے ان دونوں کے درمیان تعلقات کا ذکر کیا ہے ۔ عثمان کی طرف طلحہ کے جھکاؤ کا ایک سبب یہ تھا کہ طلحہ علی ع کو پسند نہیں کرتے تھے ۔وجہ یہ تھی کہ طلحہ تیمی تھے اور حضرت ابو بکر کے منصب خلافت پر فائز ہوجانے کے بعد سے بنی ہاشم اور بنی تیم کے تعلقات ناخوشگوار ہوگئے تھے [1]۔

----

(1):- شیخ محمد عبدہ ، شرح نہج البلاغہ جلد 1 صفحہ 88

حضرت عمر کو یہ سب معلوم تھا اور انھی باتوں کے پیش نظر انھوں نے خاص طور پر ان چھ افراد کا انتخاب کیا تھا ، جو سب کے سب مہاجر اور قریشی تھے ، کوئی بھی انصار میں سے نہیں تھا ۔ ان میں سے ہر ایک کسی ایسے قبیلے کی نمائندگی کرتا تھا جس کی اپنی اہمیت تھی اور اپنا اثر ورسوخ تھا ۔

1:- علی بن ابی طالب ۔ بنی ہاشم کے بزرگ ۔2:- عثمان بن عفان ۔ بنی امیہ کے بزرگ ۔

3:- عبدالرحمن بن عوف ۔ بنی زہرہ کے بزرگ ۔4:- طلحہ بن عبیداللہ ۔بنی تیم کے بزرگ ۔

5:- سعد بن ابی وقاص ان کا تعلق بھی بنی زہرہ سے تھا ۔ ننھیال بنی امیہ تھی ۔

6:- زبیر بن العوام ۔رسول اللہ ص کی پھوپھی صفیہ کے صاحبزادے اور اسماء بنت ابی بکر کے شوہر ۔

یہ تھے وہ زعماء اور ارباب حل وعقد جن کا فیصلہ سب مسلمانوں کے لیے واجب العمل تھا ۔ خواہ وہ مسلمان مدینے کے باشندے ہوں یا دنیائے اسلام میں کسی اور جگہ کے ۔مسلمانوں کا کام چون وچرا کے بغیر حکم کی تعمیل تھا ۔ اگر کوئی تعمیل حکم نہ کرتا تو پھر اس کا خون معاف تھا ۔ یہ تھے وہ حالات جو ہم قاری کے ذہن نشین کرانا چاہتے تھے ۔ بالخصوص اس لیے کہ یہ معلوم ہوجائے کہ نص غدیر کے سلسلے میں خاموشی کیوں اختیار کی گئی تھی ۔اگر یہ مان لیا جائے کہ حضرت عمر کو ان چھ افراد کے خیالات اور ان کے طبعی رجحانات کا علم تھا تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انھوں نے اپنی طرف سے عثمان بن عفان کوخلافت کے لیے نامزد کردیا تھا ، یا یوں کہا جاسکتا ہے کہ انھیں پہلے سے معلوم تھا کہ یہ چھ رکنی کمیٹی علی بن ابی طالب ع کے حق میں فیصلہ نہیں دے گی ۔

یہاں میں ذرا رک کر اہل سنت اور ان سب لوگوں سے شوری اور آزادی خیال کے اصول پر فخر کرتے ہیں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ شوری کے اصول میں اور اس نظام میں جو عمرنے ایجاد کیا تھا کیسے ہم آہنگی پیدا کریں گے کیونکہ اس چھ رکنی کمیٹی کو مسلمانوں نے نہیں بلکہ حضرت عمر نے اپنی رائے سے منتخب اور مقرر

کیا تھا ۔ اس صورت میں ہمیں کم از کم یہ اعتراف کرلینا چاہیے کہ اس زمانہ کے اسلام میں حکومت کا نظام جمہوری نہیں ہے ۔جیسا کہ شوری اور انتخاب کے حامی فخریہ دعوی کرتے ہیں ۔

اس بنیاد پر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ شاید عمر شوری کے قائل نہیں تھے وہ خلافت کو صرف مہاجرین کا حق سمجھتے تھے ۔بلکہ اس سے بھی بڑھ کر حضرت ابو بکر کی طرح ان کا خیال یہ تھا خلافت صرف قریش سے مخصوص ہے کیونکہ مہاجرین میں تو بہت سے غیر قریشی بھی تھے بلکہ غیر عرب بھی تھے ۔ اس لیے سلمان فارسی ، عمار ، بلال حبشی ، صہیب رومی ، ابو ذرغفاری اور ہزاروں دوسرے صحابہ جو قریشی نہیں تھے ، انہیں کوئی حق نہیں تھا کہ وہ خلافت کے معاملے میں کچھ بولیں ۔ یہ محض دعوی نہیں ۔ حاشا وکلا ! یہ ان کا عقیدہ تھا جو تاریخ کی زینت ہے اور حدیث میں محفوظ ہے ۔ آئیے ، اس خطبے کو دوبارہ دیکھیں جو بخاری اور مسلم نے اپنی صحیحین میں قلمبند کیا ہے :

عمر بن خطاب کہتے ہیں کہ میرا ارادہ بولنے کا تھا ۔ میں نے ایک تقریر جو مجھے اچھی لگی تیار کرلی تھی۔ یہ تقریر میں نے ابوبکر سے پہلے کرنا چاہتا تھا ۔ میں کسی حد تک ہوشیاری سے کام لے رہا تھا ۔ جب میں نے بولنا چاہا ، ابو بکر نے کہا : ٹھہرو ! میں خاموش ہوگیا کیونکہ میں ابوبکر کو ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا ۔ اس کے بعد ابو بکر نے خود تقریر کی ۔وہ میری نسبت زیادہ متانت اور وقار سے بولے ۔میری تیار کی ہوئی تقریر میں کوئی ایسا لفظ نہیں تھا جو مجھے اچھا لگتا ہو ، اور ابو بکر نے فی البدیہ وہی لفظ بلکہ اس سے بہتر لفظ استعمال نہ کیا ہو ۔ ابو بکر نے انصار کو مخاطب کرکے کہا : تم نے جو اپنے فضائل ومحاسن بیان کیے ہیں واقعی تم ان کے مستحق ہو ، لیکن جہاں تک اس معاملہ

کا تعلق ہے یہ قریش کا حق ہے (1)

اس سے علوم ہوا کہ ابوبکر اور عمر شوری اور آزادی اظہار کے اصول کے قائل نہیں تھے۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ ابوبکر نے اپنی تائید میں انصار کے سامنے یہ حدیث نبوی پیش کی کہ "الخلافة فی قریش " اس میں شک نہیں کہ یہ صحیح حدیث ہے ،لیکن اس کی اصل وہ حدیث ہے جو بخاری ،مسلم اور سنی اور شیعہ تمام حدیث کی مستند کتابوں کی متفقہ روایت ہےکہ رسول اللہ ص نے فرمایا :

"الخلفاء من بعدي اثنا عشركلّهم من قريش"

میرے بعد بارہ خلفاء ہوں گے جو سب قریش میں سے ہونگے ۔ اس سے بھی زیادہ واضح یہ حدیث ہے :

"لا يزال هذا الأمر في قريشٍ ما بقي من النّاس اثنان."

یہ چیزیں قریش ہی میں رہے گی جب تک دو آدمی بھی باقی ہیں ۔(2) ایک اور حدیث ہے کہ

"النّاس تبع لقريشٍ في الخير والشّر."(3)

سب لوگ قریش کے تابع ہیں بھلائی میں بھی ، برائی میں بھی ،برائی میں بھی ۔ جب سب مسلمان ان احادیث پر یقین رکھتے ہیں تو کوئی کیسے کہہ سکتا ہے کہ رسول اللہ نے خلافت کا معاملہ مسلمانوں پر چھوڑدیا تھا کہ وہ باہمی مشورے سے جسے چاہیں خلیفہ منتخب کرلیں ، آپ ہی انصاف سے بتائیں کیا یہ تضاد نہیں ؟

اس تضاد سے چھٹکارا صرف اسی صورت میں ممکن ہےجب ہم ائمہ اہل بیت ع

----

(1):- صحیح بخاری جو ر 8 صفحہ 27 ۔ صحیح باب الو ۔۔ ۔

(2):- صحیح البخاری کتاب الا حکام باب الامراء من قریش ۔

(3) صحیح مسلم جو ر کتاب الامارہ۔

ان کے شیعہ اور بعض علمائے اہل سنت کا یہ قول تسلیم کرلیں کہ جناب رسول اللہ ص نے خود خلفاء کے ناموں اور ان کی تعداد کی تصریح کردی تھی ۔ اس طرح ہم عمر کا موقف بھی بہتر طور پر سمجھ سکیں گے جو ان کے اپنے اجتہاد پر مبنی تھا ۔وہ نص کو علی کے حق میں جو قریش میں سب سے چھوٹے تھے ، قبول کرنا ضروری نہیں سمجھتے تھے بلکہ مذکورہ بالا حدیث کا اطلاق عمومی طورسب قریش پر کرتے تھے ۔

اسی وجہ انھوں نے اپنے مرنے قبل چھ ممتاز قریشیوں کی ایک کمیٹی قائم کی تھی تاکہ احادیث نبوی کے درمیان کہ خلافت پر صرف قریش کا حق ہے ،ہم آہنگی پیدا کرسکیں ۔

اس بات کے باوجود کہ یہ پہلے سے معلوم تھا کہ اس کمیٹی کے ارکان علی ع کا انتخاب نہیں کریں گے ،پھر بھی علی ع کو اس کمیٹی میں شامل کرنا شاید اس کی ایک تدبیر تھی کہ علی ع کو مجبور کیا جائے کہ وہ بھی آجکل کی اصطلاح کے مطابق سیاست کے کھیل میں شامل ہوجائیں تاکہ ان کے شیعوں اور حامیوں کے پاس جو ان کی اولیت کے قائل ہیں کوئی دلیل باقی نہ رہے ۔ لیکن امام علی ع نے اپنے ایک خطبہ میں عوام کے سامنے اس پر تنقید کی ۔ آپ نے کہا :

میں نے بہت دن صبر کیا اور بہت تکلیف اٹھائی ۔آخر جب وہ (خلیفہ)دنیا سے جانے لگا تو معاملہ ایک جماعت کے ہاتھ میں سونپ گیا اور مجھے بھی اس جماعت کی ایک فرد خیال کیا ، جبکہ واللہ مجھے اس شوری سے کوئی لگاؤ نہیں تھا ۔ ان میں کے پہلے صاحب (ابوبکر)کی نسبت میری فضلیت میں شک ہی کب تھا جو اب ان لوگوں نے مجھے اپنے جیسا سمجھ لیا ہے؟ (لیکن میں دل کڑا کرکے شوری میں حاضر ہوگیا) اور نشیب وفراز میں ان کے ساتھ ساتھ چلا مگر ان میں سے ایک نے بغض وحسد کے مارے میرا ساتھ نہ دیا اور دوسرا دامادی اور بعض ناگفتہ بہ باتوں کی وجہ سے ادھر جھک گیا ۔[1]

----

(1):- شیخ محمد عبدہ ، شرح نہج البلاغہ جلد 1 صفحہ 87۔

چھوتھی بات یہ ہے امام علی ع نے ہر دلیل پیش کی گئیں بے سود ۔کیا امام علی ع ان لوگوں سے بیعت کی بھیک مانگتے جنھوں نے ان سے منہ پھیر لیا تھا ، اور جن کے دل دوسرے کی طرف جھک گئے تھے ۔ اور جو امام علی ع سے اس لیے حسد کرتے تھے کہ ان پر اللہ کا فضل تھا یا اس لیے بغض رکھتے تھے کہ امام علی ع نے ان کے سرداروں کو قتل کیا تھا ، ان کے بہادروں کو کچل دیا تھا ، ان کی عزت خاک میں ملادی تھی ، ان کو نیچا دکھایا تھا ، ان کا غرور اپنی بہادری سے توڑدیا تھا یہاں تک کہ وہ اسلام لانے اور اطاعت کرنے پر مجبور ہوگئے ۔ اس پر بھی علی ع سربلند تھے اور اپنے ابن عم کا دفاع کرتے تھے ۔انہیں اللہ کے راستے میں کسی کی ملامت کی پروا نہیں تھی ۔دنیا کی کوئی شے ان کے عزم کو متزلزل نہیں کرسکتی تھی ۔ رسول اللہ ص کو اس کا بخوبی علم تھا اور وہ ہر موقع پر اپنے چچازاد بھائی کے فضائل ومحاسن بیان کیا کرتے تھے کبھی فرماتے :

"حبّ عليٍّ إيمان وّبغضه نفاق"(1)

علی کی محبت ایمان اور علی سے بغض نفاق ہے ۔

کبھی کہتے :

"عليٌّ مّنّي وأنامن عليّ ٍ"(2) علی ع مجھ سے ہے اور میں علی ع سے ہوں ۔

"عليّ وّليّ كلّ مؤمنٍ بعدي "(3) علی ع میرے بعد ہر مومن کے سرپرست ہیں ۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا:

"عليٌّ باب مدينة علمي وأبوولدي"(4)

----

(1):- صحیح بخاری جلد 1 صفحہ 411 ۔ مستدرک حاکم جلد 3 صفحہ 126

(2):- صحیح بخاری جلد 3 صفحہ 168۔

(3):- مسند احمد جلد5 صفحہ 25 ۔مستدرک حاکم جلد3 صفحہ 124 ۔

(4):- مستدرک حاکم جلد 3 صفحہ 126۔

علی ع میرے شہر علم کا دروازہ اور میرے بچوں کے باپ ہیں ۔ آپ نے فرمایا :

"عليٌّ سيّدالمسلمين وإمام المتقّين وقائدالغرّالمحجلين ."[1]

علی ع مسلمانوں کے سردار ، متقیوں کے پیشوا اور ان لوگوں کے سالار ہیں جو روزقیامت سرخرو ہوں گے ۔

لیکن افسوس کہ اس سب کے باوجود ان لوگوں کا حسد اور بغض بڑھتا ہی گیا اس لیے اپنی وفات سے چند روز قبل رسول اللہ ص نے علی ع کو بلا کر سینے سے لگایا اور روتے ہوئے کہا :

علی ! میں جانتا ہوں کہ لوگوں کے سینوں میں تمہاری طرف سے جو بغض ہے وہ میرے بعد کھل کر سامنے آجائے گا ۔ لہذا اگر تم سے بیعت کریں تو قبول کرلینا ورنہ صبر کرنا ، یہاں تک کہ تم مظلوم ہی میرے پاس آجاؤ ۔[2]

پس اگر ابو الحسن ع نے ابو بکر کی جبری بیعت کرلی . اور صبر کیا ، تو اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ نے انہیں وصیت کی تھی ۔اس کی صحت صاف ظاہر ہے ۔

پانچویں بات یہ کہ پچھلی باتوں کے ساتھ ایک اور بات کا اضافہ کرلیجیے ۔مسلمان جب قرآن کریم پڑھتا ہے اور اس کی آیات پر غور کرتا ہے ، تو اسے ان قرآنی قصّوں سے جن میں پہلی امتّوں کا ذکر ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں ہم سے بھی زیادہ ناخوشگوار واقعات پیش آئے ۔

یہ دیکھیے !

<>قابیل نے اپنے بھائی کا سفاکی سے قتل کردیا ۔

<>شیخ الانبیاء حضرت نوح ع کی ہزار سالہ کوشش کے باوجود بھی بہت کم لوگ ان پر

----

(1):- شیخ متقی ہندی ۔ منتخب کنزالعمال جلد 5 صفحہ 34

(2):- محب طبری ، الریاض النضرہ، باب فضائل علی بن ابی طالب

ایمان لائے ۔ان کا اپنا بیٹا اور بیوی کافر تھے ۔

<>حضرت لوط کے گاؤں میں صرف ایک ہی گھر مومنین کا تھا ۔

<>فراعنہ جنھوں نے دنیا میں کبریائی کا دعوی کیا اور لوگوں کو اپنا غلام بنایا ان کے یہاں صرف ایک فرد مومن تھا ، وہ بھی تقیہ کیے ہوئے تھا یعنی اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا ۔

<>حضرت یوسف ع کو لیجیے ، انھوں نے حسد کی وجہ سے اپنے بے قصور بھائی کے قتل کی سازش کی اور اسے محض اس لیے قتل کرنا چاہا کہ وہ ان کے باپ حضرت یعقوب کو زیادہ محبوب تھا ۔

<>اور یہ بنی اسرائیل ہیں ، انہیں اللہ نے حضرت موسی ع کے ذریعے نجات دلائی ، ان کے لیے سمندر کا پانی دو حصوں میں بانٹ دیا ۔ انہیں جہاد کی تکلیف بھی نہیں اٹھانی پڑی اور اللہ نے ان کے دشمنوں ، فرعون اور اس کے لشکریوں کو ڈبو دیا ۔مگر ہوا کیا؟ ابھی سمندر سے باہر نکل کر ان کے پاؤں سوکھے بھی نہیں تھے کہ یہ ایک ایسی قوم کے پاس پہنچے جو بتوں کی پوجا کرتی تھی تو کہنے لگے :" موسی! جس طرح ان کے خدا ہیں ، ویسا ہی ایک خدا ہمارے لیے بھی بنا دو ۔ موسی نے کہا : تم تو جاہل لوگ ہو ۔ اور جب موسی اپنے پروردگار سے ملاقات کے لیے روانہ ہوئے اور اپنی عدم موجودی میں اپنے بھائی ہارون کو اپنا قائم مقام کر گئے تو لوگوں نے ان کے خلاف سازش کی اور قریب تھا کہ انہیں مار ڈالتے ۔یہی نہیں انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر ایک بچھڑے کی پوجا شروع کردی ۔ اس قوم کے لوگوں نے بہت سے انبیاء کو قتل کیا ہے ۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے :

"أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لاَ تَهْوَى أَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقاً كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقاً تَقْتُلُونَ"

کیا ایسا نہیں ہوا کہ جب کبھی کوئی رسول تمہارے پاس وہ کچھ لایا جو تمہیں پسند نہیں تھا تو تم نے سرکشی اختیار کی اور کچھ کو جھٹلایا اور کچھ کو قتل کردیا ؟(سورہ بقرہ ۔ آیت 87)

<>حضرت یحیی کو دیکھیے ! وہ نبی تھے ، پاک دامن تھے اور نیک تھے انہیں قتل کیا گیا اور ان کا سر تحفہ کے طور پر بنی اسرائیل کی ایک رنڈی کو بھیج دیا ۔

<>یہود و نصاری نے حضرت عیسی کو قتل کرنے اور صلیب پر چڑھانے کی سازش کی ۔ خود اس امت محمدیہ نے تیس ہزار کا لشکر رسول اللہ ص کے لخت جگر اور اہل جنّت کے سردار امام حسین ع کو قتل کرنے کے لیے تیار کیا ۔ حالانکہ ان کے ساتھ فقط ستر بہتر اصحاب تھے ۔ لیکن ان لوگوں نے امام حسین ع اور ان کے سب اصحاب کو قتل کر دیا ۔ حدیہ ہے کہ امام ع کے دودھ پیتے بچے تک کو نہ چھوڑا ۔

اس کے بعد حیرت کی کون سی بات باقی رہ جاتی ہے ؟ رسول اللہ ص نے خود اپنے اصحاب سے فرمایا تھا :

تم بھی اپنے سے پہلوں کے طور، طریقوں پر چلو گے ۔ تم وجب بہ وجب اور ذراع بہ ذراع یعنی ہو بہو ان کا اتباع کروگے ۔ اگر وہ گوہ کے بھٹ میں گھسے ہوں گے تو تم بھی اس میں گھس جاؤ صحابہ نے پوچھا : کیا آپ کی مراد یہود و نصاری سے ہے ؟ آپ نے فرمایا : تو اور کس سے ؟[(1)]

حیرت یہی ! ہم خود بخاری و مسلم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا یہ قول پڑھتے ہیں :

"قیامت کے دن میرے اصحاب کو بائیں طرف لایا جائے گا تو میں پوچھوں گا : انہیں کدھر لے جارہے ہو؟ کہا جائے گا : جہنّم کی طرف ۔ میں کہوں گا : اے میرے پروردگار ! یہ تو میرے اصحاب ہیں ۔ کہا جائے گا : آپ کو معلوم نہیں ، انھوں نے آپ کے بعد دین میں بدعت پیدا کی ۔ میں کہوں گا : دور ہو وہ جس نے

----

(1):- صحیح بخاری جلد 4 صفحہ 144 وجلد 8 صفحہ 151

میرے ۔ر دین میں تبدیلی کی میں دیکھتا ہوں کہ ان میں سے بہت ہی کم نجات پائیں گے ۔ [1]

ایک اور حدیث ہے کہ

میری ا ت تہتر فرقوں میں بٹ جائے ں جو سب کے سب جہنم میں جائیں گے سوائے ایک کے "[2]

ہما رب اعزت نے جو دلوں کے بھید جاننے والا ہے وہ فرماتا ہے :

" وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِي "

گو آپ کا یسا ہی بں چاہے ، اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں (سورہ یو ف ۔آیت 103)

" بَلْ جَاءهُم بِالْحَقِّ وَأَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ "

بلکہ یہ رسول ان کے پاس حق لے کر آئے لیکن ان میں سے بیشتر حق کو ناپسند کرتے ہیں ۔(سورہ مومنون ۔آیت 70)

" لَقَدْ جِئْنَاكُم بِالْحَقِّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ "

ہم نے حق تم تک پہنچا دیا لیکن تم میں اکثر حق سے بیزار ہیں ۔(سورہ زخرف ۔آیت 78)

" أَلاَ إِنَّ وَعْدَ اللّهِ حَقٌّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لاَ يَعْلَمُونَ "

یاد رکھو! اللہ کا وعدہ سچا ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے ۔(سورہ یونس ۔ آیت 55)

" يُرْضُونَكُم بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَى قُلُوبُهُمْ وَأَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ "

تمہیں باتوں سے خوش کرتے ہیں اور دل ان کے انکاری ہیں اور زیادہ تر ان میں بد عمل ہیں ۔(سورۃ توبہ ،آیت 8)

----

(1):- صحیح بخاری جلد 7 صفحہ 209 ۔ صحیح مسلم، باب احوض ۔

(2):- سنن ابن ماجہ، باب الفتن ،مسند احمد جلد3 صفحہ 120 ۔ جامع ترمذی کتاب الایمان ۔

" إِنَّ اللّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَـكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لاَ يَشْكُرُونَ "

بے شک اللہ لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے لیکن ان میں سے اکثر ناشکر ہیں ۔(سورہ یونس ۔آیت 50)

" يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللّهِ ثُمَّ يُنكِرُونَهَا وَأَكْثَرُهُمُ الْكَافِرُونَ "

یہ لوگ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں پھر اس اس کا انکار کرتے ہیں اور اکثر ان میں سے کافر ہیں ۔(سورہ نحل ۔آیت 83)

" وَلَقَدْ صَرَّفْنَاهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوا فَأَبَى أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُوراً "

ہم اس (پانی) کو ان کے درمیان تقسیم کردیتے ہیں۔ تاکہ وہ غور کریں ۔ تاہم اکثر لوگ ناشکرے ہوئے بغیر نہیں رہتے ۔(سورہ فرقان ۔آیت 50)

" وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّهِ إِلاَّ وَهُم مُّشْرِكُونَ "

ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان بھی لاتے ہیں پھر بھی شرک کیے جاتے ہیں۔(سورہ یوسف ۔آیت 106)

" بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ فَهُم مُّعْرِضُونَ "

لیکن اکثر لوگ حق سے ناواقف ہیں اس لیے اس سے روگردانی کرتے ہیں ۔(انبیاء۔آیت 24)

" أَفَمِنْ هَذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ (٥٩) وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ (٦٠) وَأَنتُمْ سَامِدُونَ (٦١) "

کیا تم اس کلام سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ، تم غفلت میں پڑے ہوتے ہو ۔(سورہ نجم آیات 59-61)

حسرت وافسوس

یہ واقعات پڑھ کر نہ صرف مجھے بلکہ ہر مسلمان کو افسوس ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے امام علی ع کو خلافت سے دور رکھ کر اپنا بڑا نقصان کرلیا ۔ امت نہ صرف ان کی حکومت سے محروم ہوئی بلکہ ان کے علوم کے بحر ذخار سے بھی صحیح معنی میں استفادہ نہ کرسکی ۔

اگر مسلمان تعصب اور جذباتیت سے بالا ہوکر دیکھیں تو انہیں صاف نظر آئیگا رسول اعظم کے بعد علی ع ہی اعلم الناس ہیں ۔ تاریخ شاہد ہے کہ علمائے صحابہ جب بھی کوئی مشکل پیش آتی تھی تو حضرت علی ع ہی کی طرف رجوع کرتے تھے اور آپ فتوی دے کر ان کی مشکل کشائی فرماتے تھے ۔ عمر بن خطاب تو اکثر کہا کرتے تھے ۔

"لولا عليٌّ لهّلك عمر".

اگر علی ع نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوگیا ہوتا ۔[1]

یہ بھی یاد رہے کہ خود امام علی علیہ السلام نے کبھی کسی صحابی سے کچھ بھی نہیں پوچھا ۔

تاریخ معترف ہے کہ علی ابن ابی طالب ع صحابہ میں سب سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ طاقتور تھے ۔ کئی موقعوں پر ایسا ہوا کہ دشمن نے پیش قدمی کی تو بہادر صحابی بھی بھاگ کھڑے ہوئے لیکن امام علی ع ہر موقع پر ثابت قدم رہے ۔اس کی دلیل کے لیے وہ امتیازی سند کافی ہے جو رسول اللہ ص نے اس

----

(1):- 1:- صحیح بخاری کتاب المحاربین ،باب لا یرجم المجنون ۔2:- سنن ابی داؤد باب مجنون یسرق صفحہ 147۔3:- مسند احمد بن حنبل جلد 1 صفحہ 140 ، 154۔ 4:- موطاء امام مالک بن انس کتاب الاشربہ صفحہ 186۔ 5:- مسند شافعی کتاب الاشربہ صفحہ 166۔ 6:- کنزالعمال ملا علاء الدین متقی جلد 3 صفحہ 95۔7:- مستدرک حاکم جلد 4 صفحہ 375 ۔8:- سنن دارقطنی کتاب ـــــ۔9:- شرح معانی الآثار طحاوی کتاب الحدود صفحہ 294۔

وتت ء ا فرائی جب آپ نے یہ ہا کہ

" ل میں اس شخص کو علم دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رھتا ہے اور اللہ اور رسول اس سے محبت رھتے ہیں ۔ جو آگے بڑھ کر حملہ کرنے والا ہے ، پیٹھ د انے والا نہیں ! اللہ نے اس کے دل کو ایمان کے لیے جا لیا ہے ۔

سب صحابہ کی ن ریں علم پر لگی ت یں مگر رسو اللہ نے علم علی بن ابی طالب ع کو ء ا فرادیا ۔[1]

مختصر یہ کہ علم و حمت اور توت وشجاعت امام علی ع کی ایسی خصو یات ہیں جن سے شیہ و سنی سب ہی واقف ہیں اور اس بارے میں دورائیں نہیں ہوسکتیں [2] نص غدیر سے قع ن ر جس سے امام علی ع کی ات ثابت ہوتی ہے ۔قرآن کریم قیادت واا ت کا م تق صرف عام ، شجاع اور توی کو قرار دیتا ہے ۔علماء کی پیروی واجب ہونے کے بارے میں اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے :

" أَفَمَن يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَن يُتَّبَعَ أَمَّن لاَّ يَهِدِّيَ إِلاَّ أَن يُهْدَى فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ "

کیا وہ شخص جو حق کا راستہ د ائے زیادہ م تق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو اس وتت تک راستہ نہیں د لاسکتا جب تک خود اسے راستہ نہ د ایا جائے تم یں کیا ہوگیا ہے ،تم سے فیصلے کرتے ہو؟(سورہ یونس ۔آیت 35)

بہادر اور جری کی قیادت کے واجب الاتباع ہونے کے بارے میں قرآن کریم میں ہے :۔

" قَالُوَاْ أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ

----

(1):- صحیح بخاری جر 4 صفحہ 5 ۔صفحہ 12 ۔جر 5 صفحہ 76-77 ۔ صحیح مسلم جر 7 صفحہ ---

(2):- بقول بو علی سینا :- علی ع صحابہ میں ایے ہی ہے محسوس میں معقول (یعنی جسم میں روح)(ناشر)

اللّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ وَاللّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ "

وہ کہنے لگے : اسے ہم پر حکمرانی کا حق کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ بہ نسبت اس کے ہم حکمرانی کے زیادہ مستحق ہیں ۔ اور اس کو تو کچھ مالی وسعت بھی نہیں دی گئی ۔ پیغمبر نے جواب میں کہا : اول تو اللہ تعالی نے اس کو تمہارے مقابلے میں منتخب فرمایا ہے دوسرے یہ کہ علم اورجسامت دونوں میں اللہ نے اس کو زیادتی دی ہے ۔ اللہ تعالی اپنا ملک جس کو چاہتا ہے دیتا ہے ۔ اللہ تعالی وسعت دینے والا ، جاننے والا ہے ۔ (سورہ بقرہ ۔ آیت 246)

اللہ تعالی نے امام علی ع کو بہ نسبت دوسرے صحابہ کے علم میں بڑی وسعت عطا کی تھی اور وہ صحیح معنی میں شہر علم کا دروازہ تھے ۔ رسول اللہ کی وفات کے بعد صحابہ ان ہی سے رجوع کرتے تھے ۔ صحابہ کو جب کوئی ایسا مشکل مسئلہ درپیش ہوتا جسے وہ حل نہیں کر پاتے تھے تو کہا کرتے تھے :

"معضلةٌ وّليس لهآ إلّا أبو الحسن ".

یہ وہ مشکل ہے جسے ابو الحسن کے سوا کوئی حل نہیں کرسکتا (1)

امام علی ع کو اللہ تعالی نے جسم میں بھی وسعت عطا فرمائی تھی بہ ایں معنی کہ وہ واقعی اسداللہ الغالب تھے ۔ ان کی قوت وشجاعت صدیوں سے زبان زدخاص وعام ہے ۔ مورخین نے ان کی قوت وشجاعت کی داستانیں رقم کی ہیں جو معجزہ سے کم نہیں ۔مثلا :

- باب خیبر کو اکھاڑنا جسے بعد میں 20 صحابی مل کر ہلا نہ سکے (2)

کعبے کی چھت پر سے بڑے بت ہبل کو اکھاڑنا ۔(3) اور

اس مضبوط چٹان کو الٹ دینا جسے پورا لشکر بھی نہیں ہلا سکتا تھا ۔(4)

----

(1):- مناقب الخوارزمی صفحہ 58 ۔تذکرۃ الخواص صفحہ 87 باب غزالی ترجمہ علی ع صفحہ 79

(2)(3)(4):- شرح نہج البلاغہ

جبَ بھی موقعہ ملتا رسول اللہ ص اپنے بھائی علی کی خوبیاں اورفضائل بیان فرماتے اور لوگوں کو ان کی خصوصیات اور امتیازات سے باخبر کرتے رہتے تھے ۔ کبھی فرماتے :

"إنّ هذا أخي وصيّي وخليفتي من بعدي فاسمعواله وأطيعوه."

یہ میرے بھائی ،میرے وصی اور میرے بعد میرے خلیفہ ہیں اس لیے ان کی بات سنو اور جو کچھ وہ کہیں اس پر عمل کرو (1)

کبھی فرماتے :

"أنت منّي بمنزلة هارون من مو سى إلّا أنّه لانبي بعدي ".

یعنی جو نسبت ہارون کو موسی سے تھی وہی نسبت تمہیں مجھ سے ہے ، بس یہ فرق ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا (2)۔

کبھی فرماتے :

"من أرادأن يحّيا حياتي ويموت مماتي ويسكن جنّة الخلد الّتي وعدني فليوال على بن أبي طالبٍ فإنّه لن يخرجكم من هدىً ولن يدخلكم في ضلالةٍ."

جو کوئی یہ چاہتا ہے کہ میری طرح جیے اور میری موت مرے اورخلد بریں میں رہے جس کا مجھ سے میرے پروردگار نے وعدہ کیا ہے اسے چاہیے کہ علی بن ابی طالب ع کا دوست بن جائے کیونکہ علی ع تمہیں ھبی ہدایت کے دائرہ سے خارج نہیں کریں گےاور نہ کبھی گمراہی کے دائرے میں داخل کریں گے (3)۔

----

(1):۔ طبری تاریخ الامم والملوک جلد 2 صفحہ 319 ۔ابن اثیر ، الکامل فی التاریخ جلد 2 صفحہ 62

(2):- صحیح بخاری ۔ باب فضائل علی ع صحیح مسلم جلد 7 صفحہ 120

(3):-مستدرک حاکم جلد 3 صفحہ128 ۔طبرانی ، معجم کبیر ۔

سیرت رسول ص کا متّبع کرنےوالے کو علوم ہوگا کہ رسول اللہ ص نے کبھی صرف اقوال پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ ان اقوال پر عملً بھی کرکے دکھایا ہے ۔ چنانچہ آپ نے اپنی زندگی میں کسی صحابی کو علی ع پر امیر مقرر نہیں فرمایا جب کہ دوسرے صحابہ ایک دوسرے پر امیر مقرر ہوتے رہتے تھے ۔ غزوہ ذات السلاسل میں ابو بکر اور عمر پر عمر وبن عاص کو امیر مقرر فرمایا تھا [1]

اسی طرح آپ نے تمام کبار صحابہ پر ایک کم عمر نوجوان اسامہ بن زید کو اپنی وفات سے کچھ قبل امیر مقرر فرمادیا تھا ۔ مگر علی بن ابی طالب ع کو جب بھی کسی دستہ کے ساتھ بھیجا آپ ہی امیر ہوئے ۔

ایک مرتبہ آپ نے دو دستے روانہ فرمائے ایک کا امیر علی کو بنایا اور دوسرے کا خالد بن ولید کو ۔ اس موقع پر آپ نے کہا کہ تم دونوں الگ الگ رہو تو تم میں سے ہر ایک اپنے لشکر کا امیر ہے لیکن اگر اکٹھے ہوجاؤ تو علی ع پورے لشکر کے سالار ہوں گے

۔

اس تمام بحث سے ہمارے نزدیک یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ رسول اللہ کے بعد علی ع ہی مومنین کے ولی ہیں اور کسی کو ان سے آگے نہیں بڑھنا چاہیے ۔لیکن انتہائی افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں نے اس سلسلے میں سنت نبوی کو نظرانداز کیا اور آج تک خسارہ اٹھا رہے ہیں کیونکہ اس وقت جو بویا تھا اسی کا پھل کاٹ رہے ہیں ۔ اگلوں نے جو بنیادرکھی تھی پچھلوں نے اس کا انجام دیکھ لیا ! کیا علی ع کی خلافت سے بہتر خلافت راشدہ کا کوئی تصور کرسکتا ہے ۔ اللہ اور اس کے رسول ص نے ان کے بارے میں جو پسند کیا تھا اگر مسلمان اس کا اتباع کرتے تو علی ع ایک ہی طریقے پر اس امت کی قیادت تیس سال تک بالکل اسی طرح کرسکتے تھے جیسے رسول اللہ ص نے کی تھی ۔ یہ اس لیے ضروری تھا کہ ابو بکر اور عمر نے متعدد موقعوں پر اپنی رائے سے اجتہاد کیا اور بعد میں ان کا اجتہاد بھی ایسی سنت بن گیا جس کی پیروی ضروری خیال کی جانے لگی تھی ۔ جب عثمان خلیفہ ہوئے تو انھوں نے اور بھی

----

(1):- سیرۃ حلبیہ ،غزوہ ذات السلاسل ۔ابن سعد طبقات کبری

زیادہ تبدیلیاں یں ۔ بلکہ ہما جاتا ہے کہ انھوں نے کتاب اللہ ، سنت رسول اللہ ص اور سنت شیخین سب کو بدل دیا ۔ اس پر صحابہ نے اعتراض بھی کیاوز ۔ بالآخر ایک عوامی انقلاب میں خود ان کی جان بھی ئی لیکن اس سے ا ت میں ایسا تنز پیدا ہوا کہ آج تک اس کے زخم مندمل نہیں ہوے ۔

اس کےبرخلاف علی ع سختی سے قرآن وست کی پابندی کرتے تھے اور ان سے سرموانحراف کے لیے تیار نہیں تھے ۔اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے اس وقت خلافت قبول کرنے سے انکار کردیا تا جب ان پر یہ شرط عائد کی ئی تھی کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ص کے ساتھ سنت شیخین کا بھی اتباع کریں گے پوچھنے والا پوچھ سکتا ہے کہ علی ع کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی پابندی پر اس قدر زورکیوں دیتے تھے جب کہ ابو بکر ، عمر اور عثمان اجتہاد اور تغییر پر مجبور ہوگئے تھے ؟

اس کا سیدھا سادہ جواب یہ ہے کہ علی ع کے پاس وہ علم تا جو اور کسی کے پاس نہیں تا ۔رسول اللہ ص نے انہیں خاص طور پر علم کے ہزار دروازوں سے ممتاز فرمایا تا اور ان ہزاروں میں سے ہر ایک سے ہزار اور دروازے کھلتے تھے [1]۔ رسول اللہ ص علی سے ہا تا کہ :

"اے علی ! میرے بعد میری ا ت میں جن امور کے بارے میں اختلاف ہوگا تم ان کو صاف صاف بیان کروگے [2]۔رہے دوسرے خلفاء ! ا ئیں قرآن کی ۔ تاویل و تدبر تو ا ر قرآن کے بہت سے ظاہری احکام بھی معلوم نہیں تھے ۔مثلا بخاری اور مسلم نے باب التیمم میں ایک روایت ہے کہ کسی شخص نے عمر بن خطاب سے ان کے ایام خلافت میں پوچھا تا :امیر المومنین ! میں جنب ہوجاؤں اور

----

(1):- ملا علاؤالدین متقی ، کنزالعمال جلد 6 صفحہ 392 حدیث 6009 ۔ابو نعیم اصفہانی ،حلیۃ الاولیاء ،حافظ قندوزی حنفی ،ینابیع المودۃ صفحہ 73 ۔ 77 ۔ابن عساکر تاریخ دمشق جلد 2 صفحہ 483۔

(2):-مستدرک حاکم جلد 3 صفحہ 123 ۔ابن عساکر تاریخ دمشق جلد 2 صفحہ 488

ملےنہ تو کیا کروں ؟ عمر نے کہا تو ایسی صورت میں نماز نہ پڑھو۔

اسی طرح انہیں "کلالۃ" (1) کا حکم معلوم نہیں تھا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ " کاش میں "کلالۃ" کا حکم رسول اللہ سے پوچھ لیتا "۔ حالانکہ یہ حکم قرآن میں مذکور ہے ۔

کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اگر یہ بات تھی تو امام علی ع نے ان امور کی وضاحت کیوں نہ کردی جن میں رسول اللہ ص کی وفات کے بعد اختلاف پیدا ہوا ؟اس کا جواب یہ ہے کہ جس مسئلے میں بھی امت کو مشکل پیش آئی ، امام علی ع نے اس کے بیان کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی ۔ ہر مشکل میں صحابہ ان ہی سے رجوع کرتے تھے ، وہ ہر بات کی وضاحت کرتے تھے ، مسئلے کا حل بیان کرتے تھے اور نصیحت کرتے تھے ۔ مگر صحابہ کو جو بات پسند آتی تھی اور جو ان کی سیاست سے متصادم نہیں ہوئی تھی وہ اسے قبول کرلیتے اور باقی کو چھوڑ دیتے تھے ۔ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اس کی سب سے بڑی گواہ خود تاریخ ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر علی بن ابی طالب ع اور ان کی اولاد میں سے ائمہ نہ ہوتے تو عوام اپنے دین کی امتیازی خصوصیات سے ناواقف ہی رہتے ۔لیکن لوگ ۔ جیسا کہ قرآن نے ہمیں بتلایا ہے ۔حق کو پسند نہیں کرتے ، اس لیے انھوں نے اپنی خواہشات کی پیروی شروع کردی اور ائمہ اہل بیت ع کے بالمقابل نئے نئے مذاہب ایجاد کرلیے ۔ اور حکومتیں بھی ائمہ اہل بیت پر پابندیاں عائد کرتی تھیں اور انہیں آنے جانے اور لوگوں سے براہ راست رابطہ قائم کرنے کی آزادی نہیں دیتی تھیں ۔ امام علی ع منبر پر سے فرمایا کرتے تھے :

"سلو ني قبل أن تفقدوني!"لوگو! اس سے پہلے کہ میں تم میں نہ رہوں ، جو پوچھنا چاہتے ہو پوچھ لو۔

امام ع کے علم وفضل کی یہی ایک دلیل کافی ہے کہ آپ نے نہج البلاغہ جیسا عظیم علمی سرمایہ چھوڑا ۔ائمہ اہل بیت ع نے علم کی اس قدر کثیر مقدار چھوڑی ہے کہ

----

(1):- کلالۃ کے معنی میں اختلاف ہے لیکن ظاہر معنی باپ اور اولاد کے علاوہ وارث کے ہیں ۔

اس نے چار دانگ عالم کو بھر دیا ۔ سب ہی ائمہ مسلمین خواہ سنی ہوں خواہ شیعہ اس کے گواہ ہیں ۔ اس بنا پر میں یہ کہتا ہوں کہ اگر قوم علی ع کا ساتھ دیتی اور انہیں سیرت رسول ص کے مطابق تیس سال تک امت کی قیادت کرنے کا موقع ملتا تو اسلام عام ہوجاتا اور اسلامی عقائد لوگوں کے دلوں میں پختگی کے ساتھ جاگزیں ہوجاتے ، پھر نہ کوئی تحریف ہوتی نہ کوئی فتنہ کبریٰ ، نہ واقعہ کربلا ہوتا نہ یوم عاشورا ۔

اگر علی ع کے بعد گیارہ ائمہ کو قیادت کا موقع ملتا جن کا تعین رسول اللہ ص نے کیا تھا اور جن کی مدت حیات تقریباً تین صدی پر محیط ہے ، تو دنیا میں ہر جگہ صرف مسلمان ہوتے اور کرہ ارض کی تقدیر بدل جاتی اور ہماری زندگی صحیح معنی میں انسانی زندگی ہوتی ۔ مگر اللہ تعالی کا تو فرمان ہے :

"الم () أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ()"

کیا ہم لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو چھوڑدیا جائے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو امتحان میں نہیں ڈالا جائیگا ۔(سورہ عنکبوت ۔آیت 1-2)

امم سابقہ کی طرح مسلم امۃ بھی اس امتحان میں ناکام رہی ۔ اس کی تصریح متعدد موقعوں پر خود رسول اللہ نے فرمائی [1] اور اسی طرح قرآن کریم متعدد آیات میں بھی اس کی صراحت ہے ۔ [2] انسان وہ ناانصاف اور جاہل ہوتا ہے

----

(1):- جیسا کہ بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ مسلمان یہودی و نصاری کے طریقوں پر قدم بقدم چلیں گے اور اگر وہ گوہ کے بھٹ میں گھسیں گے تو مسلمان بھی ایسا ہی کریں گے ۔ یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے ، اسی طرح حدیث حوض میں روسول اللہ ص نے فرمایا : میں دیکھتا ہوں کہ ان میں بہت ہی کم نجات پائیں گے ۔

(2):- جیسا کہ سورہ آل عمران میں ہے :" أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ" اور سورہ فرقان میں ہے: "يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُوراً"

جس کے بارے میں رسول اللہ ص نے فرمایا ہے :

"لن يدخل الجنّة أحد بعمله إلّا أن يتغمده الله برحمته وفضله"

کوئی شخص جنت میں اپنے اعمال کی وجہ سے داخل نہیں ہوگا بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمادے اور اسے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے ۔[1]

بحث کے آخر میں کچھ تبصرہ

میں اس طرح کے اقوال دیکھ کر اکثر دانشوروں اور پروفیسروں کی مجلس میں اس پر افسوس کیا کرتا تھا کہ خلافت اس کے صحیح حقدار علی بن ابی طالب ع کے ہاتھ سے نکل گئی ۔ آخر ایک دن ان میں سے ایک پروفیسر صاحب نے یہ کہہ کر مجھ پر اعتراض کیا کہ

" علی بن ابی طالب ع نے اسلام اور مسلمانوں کے لیے کیا کیا ہے؟انھوں نے اپنی پوری زندگی خلافت کی تگ و دو میں گزاردی اور اس کے لیے ہزاروں مسلمانوں کو مروادیا ۔ اس کی ساری جنگیں خلافت ہی کے لیے تھیں ۔ اس کے برعکس ان سے پہلے خلفائے ثلاثہ نے اپنی زندگی اسلام کی اشاعت میں صرف کردی اور عمر بھر اسلام کی عزت ووقار کے لیے کام کیا ۔ انھوں نے اس کے لیے ملک فتح کیے اور شہر آباد کیے ۔ اگرابو بکر صدیق نہ ہوتے تو عرب اسلام سے مرتد ہوگئے ہوتے ۔ اور اگر عمر بن خطاب نہ ہوتے تو ایران اور روم اسلام کی اطاعت قبول نہ کرتے ۔ اور اگر عثمان بن عفان نہ ہوتے تو آج آپ مسلمان نہ ہوتے "[2]

پھر ان صاحب نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا :

----

(1):- صحیح بخاری جلد 7 صفحہ 10 ۔ صحیح مسلم کتاب صفات المنافقین ۔

(2):- ان صاحب کا اشارہ عثمان بن عفان کے عہد میں شمالی افریقہ کے فتح ہونے کی طرف تھا ۔ مطلب یہ کہ اگر یہ فتح نہ ہوتی تو ہم بربر ہی رہتے ۔ ہمارا اسلام سے کوئی واسطہ نہ ہوتا ۔

جب علی ع کو خلافت ملی تو انھوں نے وہ طوفان کھڑا کیا کہ اللہ کی پناہ۔ بار خلافت ہی درہم برہم کر دیا۔ انتظام بگڑ گیا اور وہ اسلام جو ان خلفاء کے عہد میں طاقتور تھا، جن کی تیجانی صاحب تنقیص کرتے اور جن کی نیت اور پارسائی میں شک پیدا کرتے ہیں، وہ پیچھے ہٹ کر ناکام ہونے لگا۔ اب اس آخری الزام کا جس پر انھوں نے اپنی بات ختم کی میں کیا جواب دیتا۔ بہر حال میں نے اپنے آپ کو قابو میں رکھا اور جوش میں نہیں آیا۔ میں نے استغفار پڑھ کر کہا:

"برادران عزیز! یہ پروفیسر صاحب جو کچھ کہہ رہے ہیں آپ اس سے متفق ہیں؟ اکثر نے کہا: ہاں اور بعض نے جواب نہیں دیا، خواہ اسے لیے کہ میرا لحاظ کیا یا اس لیے کہ انھیں ان صاحب کی باتوں پر یقین نہیں تھا۔

میں نے کہا کہ آپ کی اجازت سے میں پروفیسر صاحب کی ایک ایک بات کو لے کر اس پر گفتگو کروں گا، اس کے بعد سب فیصلہ آپ کے ہاتھ ہے۔ خواہ آپ میرے حق میں فیصلہ دیں خواہ میرے خلاف۔ میں آپ سے صرف یہ چاہوں گا کہ آپ حق کا ساتھ دیں اور تعصب سے کام نہ لیں۔

سب نے کہا: بسم اللہ فرمائیے!

میں نے کہا: "پہلی بات تو یہ ہے کہ علی بن ابی طالب ع نے اپنی تمام زندگی خلافت کی تگ ودو میں نہیں گزاری، جیسا کہ پروفیسر صاحب نے فرمایا ہے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ خلافت سے گریزاں تھے۔ اگر وہ خلافت کے پیچھے دوڑتے تو رسول اللہ ص کی تجہیز وتکفین کو چھوڑ کر دوسروں کی طرح جاری سقیفہ پہنچتے اور وہاں لڑائی کی بات ور رہتی خصوصا ایسی حالت میں کہ اکثر صحابہ ان کی رائے سے اتفاق کرتے تھے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ جب ابو بکر کی موت کے بعد خلافت حضرت عمر کو مل گئی، جب بھی انھوں نے صبر سے کام لیا اور کوئی مخالفت نہیں کی۔ پھر عمر کے بعد جب انھیں خلافت کی پیشکش ہوئی تو انھوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ اس پیشکش کے ساتھ جو شرائط تھیں وہ ان کے لیے قابل قبول نہیں تھیں۔ اس سے پروفیسر صاحب کے خیالات کی بالکل تردید ہوجاتی ہے۔ کیونکہ اگر علی ع خلافت کے پیچھے دوڑ رہے ہوتے

تو ان کا کیا نتیجہ ان ترا ، وہ سنت شیخین پر عمل کی شرائط کو منظور کرلیتے اور پھر جو دل چاہتا کرتے ۔ یسا کہ عثمان نے کیا۔ اسی رویہ سے علی ع کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے ۔ علی ع نے اپنی زندگی میں نہ کبھی جھوٹ بولا اور نہ کبھی وعدہ خلافی کی ۔ ان ہی اعلی اصولوں کی پابندی کی وجہ سے لوگ ناکام رہے جب کہ دوسرے کامیاب ہوگئے کیونکہ وہ اپنی برتری برقرار رکھنے کے لیے جو چاہتے سو کرتے تھے ۔ مگر علی ع کہا کرتے تھے ۔

"میں جانتا ہوں کہ تمہاری بہتری کس بات میں ہے ۔مگر مجھے تمہاری بہتری کے لیے اپنی بربادی منظور نہیں " سبحان اللہ ! کیا کہنا امام ع کی عظمت کا ! سب مورخین بیان کرتے ہیں کہ قضیہ سقیفہ کے بعد ابو سفیان نے علی ع کے پاس آکر انہیں خلافت کا لالچ دیا اور کہا کہ میں ابو بکر اور ان کے حلیفوں سے قتال کے لیے آدمیوں کا روپیوں کا انتظام کردیتا ہوں تو آپ نے اس پیشکش کو ٹھکرادیا اور فرمایا:

" اے ابو سفیان ! تیرا فتنہ پھیلا ، میں جانتا ہوں کہ تیرے دل میں کیا ہے ۔میں مسلمانوں میں فتنہ و آشوب پسند نہیں کرتا ، بہتر یہی ہے کہ الگ رہوں اور انتراق پسندی سے اپنا دامن بچائے رہوں "

اگر آپ خلافت کے پیچھے دوڑتے ہوتے تو اس پیشکش کو ضرور قبول کرلیتے ۔لیکن آپ نے اسلام اور مسلمانوں کی سلامتی کی خاطر قربانی دی اور صبر سے کام لیا ۔ علی ع ہی نے تو ابن عباس سے کہا تھا کہ تمہاری دنیا کی میرے نزدیک بس اتنی وقعت ہے جتنی اس پتے کی جس کو کوئی ٹڈی اپنے منہ میں لے چبا ڈالے [1] یا اتنی جتنی کسی بکری کی رینٹ کی ہوتی ہے [2]

----

(1):-"إنّ دنياكم عندي لاهون من وّرقةٍ في جرادةٍ تقمضها".(نہج البلاغہ خطبہ 221)

(2):-" ولا لفيتم دنياكم هذه أزهد عندي من عطفة عنزٍ".(نہج البلاغہ خطبہ شقشقیہ)

(ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ جب امیر المومنین امام علی ع اہل بصرہ سے جنگ کے لیے نکلے تو میں مقام ذی قار میں آنجناب کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ اپنا جوتا ٹانک رہے ہیں ۔ مجھے دیکھ کر فرمایا کہ اے ابن عباس ! اس جوتے کی کیا قیمت ہوگی ؟ میں نے کہا : اب تو اس کی کچھ بھی قیمت نہیں ہوگی ۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا : "بخدا ! اگر میرے پیش نظر حق کی سربلندی اور باطل کی نابودی نہ ہو تو مجھے یہ جوتا تم لوگوں پر حکومت کرنے سے زیادہ عزیز ہے)

تو جناب آپ کا یہ فرمانا کہ علی ع خلافت کے پیچھے دوڑ تے تھے اس کی تاریخی واقعات سے تردید ہوجاتی ہے ۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ کا یہ دعوی کہ انھوں نے خلافت کے حصول کی خاطر ہزاروں مسلمانوں کو قتل کرادیا اور اس کی سب لڑائیاں صرف اسی مقصد کے لیے تھیں تو یہ دعوی بھی بالکل جھوٹ اور سراسر بہتان ہے اور حقائق کو مسخ کرنا ہے ۔ اگر آپ نے ناواقفیت کی بنا پر ایسا کہا ہے تو اللہ سے معافی مانگیں اور توبہ استغفار کریں اور اگر آپ نے جان بوجھ کر ایسا کہا ہے تو آپ کی سب معلومات بالکل غلط اور جھوٹ ہیں کیونکہ امام ع کی وہ لڑائیاں جن کا آپ نے ذکر کیا اس کے برعکس ہیں جب خلافت آپ کے پیچھے دوڑتی ہوئی آپ کے پاس آچکی تھی ۔ آپ کو خلافت کے قبول کرنے پر لوگوں نے مجبور کیا تھا بلکہ انکار کرنے کی صورت میں آپ کو قتل کرنے کی دھمکی بھی دی گئی تھی ۔ تاریخ شاہد ہے کہ علی چوتھائی صدی تک خاموش اور خانہ نشین رہے ۔ اس طویل مدت میں نہ خلفاء کی کسی جنگ میں حصہ لیا اور نہ تلوار میان سے نکالی تو جناب ! پھر آپ کیسے یہ دعوی کرتے ہیں کہ ان کی جنگیں خلافت کے حصول کی خاطر تھیں ؟ اور کیسے یہ کہتے ہیں کہ انھوں نے حصول خلافت کے لیے ہزاروں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ؟ جنگ جمل تو عائشہ[1] ، طلحہ اور زبیر نے شروع کی تھی ۔ ان ہی لوگوں نے بصرہ

----

(1):- رسول اللہ ص کی ان زوجہ محترمہ نے یہ آیہ قرآن "وقرن فی بیوتکنّ " کی خلاف ورزی کرکے سیاسی فتنوں کو عام اسلام میں راہ دی اگر چہ بعد میں وہ اس پر پشیمان ہوئیں اور بولیں : کاش میرے رسول اللہ ص سے بہت سارے بچے ہوتے اور سارے مرجاتے مگر میں اس فتنے میں ہاتھ نہ ڈالتی ! (اسد الغابہ جلد 3 صفحہ 384)(ناشر)

میں داخل ہوکر لوگوں کو قتل کیا تھا اور بیت المال لوٹ لیا تھا[1]۔ جنگ جمل کو جنگ عہد شکنان بھی کہا جاتا ہے کیونکہ طلحہ اور زبیر نے اس وقت بیعت توڑدی تھی جب امام علی ع نے انہیں کوفے اور بصرے کا والی بنانے سے انکار کردیا تھا ۔[2]

رہی جنگ صفین تو یہ معاویہ نے ہی منڈھی تھی ۔ معاویہ ہی نے ہزاروں مسلمانوں کو قتل کیا ۔ سب سے بڑھ کر عمار بن یاسر کو ۔اور یہ سب کچھ خلافت کے حصول کے لیے کیا تھا میرے بھائی ! آپ کیوں حقائق کو مسخ کرتے ہیں ۔ حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ جنگ صفین کی ابتدا معاویہ نے خون عثمان کا دعوی لے کر شروع کی تھی لیکن اصل میں معاویہ کا مقصد حکومت پر قبضہ کرنا تھا ۔ اس کی گواہی[3] خود معاویہ نے اس خطبہ میں دی جو انھوں نے جنگ کے بعد کوفہ میں داخل ہونے کے بعد دیا تھا ۔ معاویہ نے کہا:

"میں نے تم سے اس لیے جنگ نہیں کی کہ تم نماز پڑھو یا روزے رکھو یا حج کرو اور زکواۃ دو ۔ یہ سب کام تو تم پہلے سے کرتے ہو ۔ میں نے جنگ تمہارا امیر بننے کے لیے لڑی تھی ۔ اللہ نے مجھے اس میں کامیابی دی گو تمہیں یہ بات پسند نہیں تھی ۔"

جنگ صفین کو ظالم اور باغیوں کی لڑائی کہا جاتا ہے ۔رہی جنگ نہروان ! یہ خوارج کی لڑائی تھی۔ یہ جنگ بھی باغیوں نے امام علی ع پر مسلط کی تھی ۔ یہ ہیں وہ لڑائیاں جو امام علی ع نے لڑیں ۔ امام علی ع ہر موقع پر لوگوں کو کتاب اللہ کی طرف بلاتے رہے اور اپنے مخالفین پر حجت قائم کرتے رہے ۔

جناب! آپ کو صرف یہ کرنا ہے کہ آپ تاریخی کتابوں کا مطالعہ کریں تاکہ

----

(1):- طبری ابن اثیر ،یعقوبی ، مسعودی اور وہ تمام مورخین جنھوں نے جنگ جمل کا حال لکھا ہے۔

(2):- طبری تاریخ الامم والملوک جز 5 صفحہ 153 ۔ابن کثیر ،البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 227۔ ابن واضح یعقوبی تاریخ یعقوبی جز 2 صفحہ 127۔

(3):- ابن کثیر ، البدایہ والنہایہ جز 8 صفحہ 131 ۔ابو الفرج اصفہانی ، مقاتل الطالبین صفحہ 70 ۔ابن ابی الحدید ،شرح نہج البلاغہ جز 4 صفحہ 16

حق باطل کو پہچان سکیں اور اولیاء اللہ پر بیجا ازام لگانے سے بچ سکیں ۔

اس موقع پر ایک اور پروفیسر صاحب نے جو شایع تاریخ کے ماہر تھے ،اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا:

آپ نے جو کچھا ۔ بالکل صحیح ہے ۔ معاذ اللہ امام علی کرّم اللہ وجہہ خلافت کے لالچی نہیں تھے اور نہ وہ خلافت کی طمع میں کسی کو بھی قتل کرسکتے تھے ،سنت وانش کی ۔ بات ہے کہ ابھی تک بعض مسلمان علی ع پر شک کرتے ہیں جبکہ عیسائی بھی ان کا احترام کرتے ہیں ۔ میں نے حال ہی ایک عیسائی مصنف جارج جرداق کی ایک کتاب پڑھی ہے جس کا نام ہے "صوت العدالۃ الانسانیہ "(ندائے عدالت انسانی)اس کتاب میں اس نے حیران کن واقعات بیان کیے ہیں جو شخص بھی اس کتاب کو پڑھے گا ، امام علی ع کی عظمت کے سامنے سر جھکادے گا ۔ اس پر ایک تیسرے پروفیسر صاحب الکی بات کاٹ کر بولے : آپ نے شروع سے بحث بدل دی ہے آخر کیوں ؟

انھوں نے جواب دیا : میں درحقیقت نتیجہ ڈھونڈ رہا تھا میں انہیں بچپن سے نہیں جانتا تھا اس لیے چاہتا تھا کہ ان کا جواب سنوں اور ان کی معلومات کا اندازہ لگاؤں ۔ الحمدللہ !انھوں نے اپنے دلائل سے ہمیں لاجواب کردیا ہے ۔ بات یہ ہے کہ مجھے یقین ہے کہ یہ صاحبَ بھی امام علی ع کی فضیلت کے قائل ہیں لیکن انہیں ابو بکر اور عمر کی حمایت میں جوش آگیا ، اس لیے وہ نتیجہ نکال بیٹھے ۔ باتوں باتوں میں ردّ عمل کے طور پر امام علی ع کی شان میں گستاخی کر بیٹھے جس کا انہیں احساس بھی نہیں ہوا ۔

بعض پروفیسر صاحبان نے بھی اپنے ساتھی کی اس بات کو پسند کیا کیونکہ اس طرح انہیں اس مخمصے سے نجات مل گئی جس میں وہ سب کے سامنے اپنی ان باتوں کی وجہ سے پھنس گئے تھے ۔گرچہ اب حق ظاہر ہوچکا تھا اور ان صاحب کے لیے بہتر تھا کہ اپنی ضد پر قائم رہتے ہوئے صحابہ کا دفاع کرتے مگر وہ ازروئے جہالت حقائق کو مسخ کرتے ہوئے کہنے لگے :

جی ہاں ! میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ خلفاء کا اسلام اور مسلمانوں پر بڑا احسان ہے

چاہے انھوں نے کچھ بھی کیا ہو ۔آخر کو وہ بشر تھے اور کسی نے بھی ان کے عصوم ہونے کا دعوی نہیں کیا ۔ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی خوبیاں بیان کریں (اور خامیوں پر پردہ پڑا رہنے دیں) یہ صحیح نہیں ہے کہ شیعوں کی طرح خلفاء کی فضیلت کا انکار کریں اور حبّ علی میں غلو سے کام لیں ۔

میں نے کہا : اگر اجازت ہو تو میں اپنا جواب مکمّل کرلوں ۔ تاکہ آپ میں سے کسی کے ذہن میں کوئی شبہ باقی نہ رہے ۔

"ان صاحب کا یہ کہنا کہ امام علی ع سے پہلے جو تین خلفاء ہوئے ان کی زندگیاں اشاعت اسلام میں صرف ہوئیں اور ان کے عہد میں بڑی فتوحات ہوئیں ، نیز کہ اگر وہ نہ ہوتے تو آج مسلمان ہوتا ، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر فتوحات کا مقصد اللہ کی رضا اور اسلام کی عزت تھا تو اللہ اس کی جزا دے گا ، لیکن اگر مقصد اپنی فوقیت جتانا ، مال غنیمت حاصل کرنا اور عورتوں کو باندیاں بنانے کے لیے قید کرنا تھا تو پھر اس کا نہ کوئی اجر ہے اور نہ ثواب۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب عثمان بن عفان کی مخالفت نے زور پکڑا اور لوگ ان پر اعتراض کرنے لگے تو انھوں نے مروان بن حکم اور معاویہ بن ابی سفیان سے مشورہ کیا ۔انھوں نے کہا " افریقہ فتح کرنے کے لیے فوجیں بھیجو ۔ تاکہ لوگوں کا دھیان بٹ جائے ، پھر چاہے ان کی پیٹھ پر جوئیں رینگتی رہیں انھیں فکر ہوں تو اس کی کاٹھی سے ان کے گھوڑوں کی پیٹھ پر زخم پڑ جائیں "[1]چنانچہ عثمان نے اپنے دودھ شریک بھائی عبداللہ بن ابی سرح کی قیادت میں افریقہ فتح کرنے کے لیے فوج بھیج دی اور فتح کے بعد بلاشرکت غیرے عبداللہ بن ابی سرح کو افریقہ کا پورا خراج دے دیا ۔ یہ عبداللہ بن ابی سرح ایک دفعہ ایمان لانے کے بعد مرتد ہوگیا تھا اور رسول اللہ ص نے اعلان کردیا تھا کہ اس کا خون مباح ہے ،جو شخص چاہے اسے قتل کردے ۔ جب رسول اللہ ص فتح مکہ کے لیے تشریف لے گئے تو آپ نے اپنے اصحاب کو ہدایت کی عبداللہ بن ابی سرح جہاں ملے اس کو قتل کردو چاہے وہ کعبے کے

----

(1)۔طبری تاریخ الامم والملوک باب خلافت عثمان ۔ابن اثیر الکامل فی التاریخ باب خلافت عثمان۔

پردے پکڑے ہوئے ہو۔ لیکن عثمان نے اسے چھپالیا اور فتح کے بعد اسے رسول اللہ ص کے پاس لے کر آئے اور اس کی سفارش کی ۔ رسول اللہ ص خاموش رہے اس بات کے منتظر رہے کہ کوئی اٹھ کر اسے قتل کردے ، پس آپ نے بیعت کرلی۔

آپ نے بعد میں فرمایا ۔ اس پر عمر نے کہا کہ یا رسول اللہ ص مجھے آنکھ سے اشارہ کیا ہوتا ۔ آپ نے فرمایا :

"نحن معاشر الأنبياء لاينبغي أن تكون لنا خائنة الأعين."

ہم انبیاء کے لیے آنکھ سے دھوکا دینا مناسب ہے " (1)

یہ تھے فتح افریقہ کے اسباب اور ایسے شخص کے ہاتھوں افریقہ کے لوگ مسلمان ہوئے ۔میں بھی اسی شخص کے توسط سے مسلمان ہوا ! یہ تو ہوئی ایک بات ۔دوسری بات یہ ہے کہ کسی نے کہا ہے کہ اگر سقیفہ کا قصہ ہوتا اور علی کو خلافت سے دور نہ رکھا جاتا تو بڑے پیمانے پر اور زیادہ نفع بخش ہوتیں اور آج پورے کرہ ارض پر اسلام چھایا ہوتا ؟؟ پھر یہ بھی ہے کہ انڈونیشیا کو خلفاء نے فتح نہیں کیا تھا ، وہاں اسلام تلواروں کے ذریعے نہیں بلکہ سوداگروں کے ذریعے پہنچا تھا اور آج بھی وہاں دنیا بھر میں سب سے زیادہ مسلمان ہیں ۔ اور انڈونشیا اس اسپین سے بہتر ہے جو ان لوگوں کے ہاتھوں تلوار سے فتح ہوا تھا اور جو آج اسلام اور مسلماوں کا مخالف ہے ۔

برادران گرامی ! مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس سلسلے میں ایک چھوٹا سا قصہ آپ کو سناؤں :

ایک بادشاہ نے حج کو جانے سے پہلے وزیر کو اپنا قائم مقام مقرر کیا تھا ۔ ان دنوں حج کے سفر میں پورا ایک سال لگتا تھا ۔ بادشاہ کے جانے کے بعد اس کے کچھ درباریوں نے وزیر کے خلاف سازش کرکے اسے قتل کردیا اور اپنے میں سے کسی ایک کو اس کی جگہ وزیر مقرر کردیا ۔ اس نئے وزیر نے بڑے بڑے کام کیے ۔سڑکیں اور مسجدیں بنوائیں ، سرائے اور حمام بنوائے ۔بعض سرکش قبائل کو زیر کیا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ

----

(1)۔طبری تاریخ الامم والملوک باب خلافت عثمان ۔ابن عبدالبر ،استیعاب ترجمہ بن ابی سرح ۔

مملکت پہلے سے بھی زیادہ وسیع ہوئی ۔ لیکن جب بادشاہ کو سے لوٹنے پر یہ معلوم ہوا کہ اس کے قائم مقام کو قتل کردیا گیا ہے تو وہ بہت افروختہ ہوا اور سب سازشیوں کے قتل کا حکم دے دیا ۔ایک نے آگے بڑھ کر کہا: سرکار عالیجاہ ! ہم نے جو آپ کی حکومت کی توسیع کے لیے بڑے بڑے کارنامے اور خدمات لائقہ انجام دی ہیں ، کیا ان کے صلے میں ہمارے جرم کو معاف نہیں کیا جاسکتا؟ بادشاہ نے بگڑ کر کہا : چپ رہو بے غیرتو ! تم نے میرے وزیر کو قتل کرکے ۔ جسے میں نے اپنا قائم مقام مقرر کرکے گیا تھا میرے ساتھ نمک حرامی کی ہے ۔ رہی وہ خدمات جو تم نے انجام دی ہیں تو وہ اکیلا اس سے کہیں زیادہ کرسکتا تھا جو تم سب نے مل کر کیا ہے " یہ قصہ سن کر سب ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم مطلب سمجھ گئے ۔

میں نے کہا : اب اس آخری فقرے پر آئیے جو ان پروفیسر صاحب نے کہا تھا کہ جب علی ع کو خلافت ملی تو انھوں نے ایک طوفان کھڑا کردیا اور ہر چیز کو اتھل پتھل کردیا !

ہم سب کو معلوم ہے کہ اور تاریخ شاہد ہے کہ طوفان تو حضرت عثمان کے عہد میں مچا اور ہر چیز اس وقت اتھل پتھل ہوئی جب انھوں نے اقربا پروری کے نتیجے میں اپنے فاسق وفاجر رشتہ داروں کو مسلمانوں پر مسلط کردیا حالانکہ اس وقت بہترین صحابہ موجود تھے ، جنہیں اس کے سوا کیا ملا کہ انہیں زدوکوب کیا گیا [1]

شہر بدر کیا گیا [2] اور ان کی ہڈی پسلیاں توڑی گیئیں [3] اسلام اس وقت پیچھے ہٹا اور ناکام ہونے لگا جب مسلمان بنی امیہ کے غلام بن گئے ۔

پروفیسر صاحب ! آپ یہ سب حقائق لوگوں کو اور خصوصا اپنے شاگردوں کو

----

(1):- عمار بن یاسر کو زدوکوب کیا گیا ،ان کی آنت اتر آئی ، مہینوں علاج کراتے رہے ۔

(2):- ابوذر غفاری نے زرپرستی کی مخالفت کی تو شہر بدر کیے گئے ۔لٹکے پڑے ہوئے جان دے دی۔

(3):- عبداللہ بن مسعود نے فاسقوں کو مسلمانوں کا مال دینے پر اعتراض کیا تو وہ مار دی گئی کہ پسلیاں ٹوٹ گئیں ۔

کیوں نہیں بتلاتے اور ان کی صحیح رہنمائی کیوں نہیں کرتے ۔جب ام علی ع کو خلانت ملی تو انھوں نے دیۃ ا کہ کچھ بے دیۃن ہیں ، کچھ ظام ہیں اور کچھ رغ الی ۃ۔ باقی جو نپ ہو سب ہ۔افق ہیں ۔ حقیقی مسلمان صرف چند تھے جنھوں نے علی ع کی ان ہس امورپر بیۃ ت کی جن امور پر رسول اللہ ص کی بیۃ ت کی تھی ۔ام علی ع نے بگاڑ کر دور کرنے ، عۃرالت کۃو قۃائم کرنے اور حالات کو روبراہ لانے کی اپنی سی پوری کوشش کی یہاں تلکہ وہ اسی اصلاح کی کوشش میں شہید ہوگئے ۔ اس کے . ر ان کے بیۃٹے شیہد ہوئے اُ ئیں زہر دۃیا گیا اور وَہ بھی اصلاح کی راہ میں رقۃ بان ہوگئے ۔ اس کے. ر ام علی ع کے دوسرے بیٹے ام حسین اپنے ساتھیوں ، . ائیوں ،بیٹوں اور اہل بیت سمیت شہید [1] ہوئے ۔ ائمہ اہلبیت ع میں سے ہر ام نے شہادت پۃائی خۃواہ تلۃوار سے قتول ہوکرۃیا زہیر سے ۔ موم ہوکر ۔ ان سب ائمہ نے اپۃ ۱۰ کی ا ت کی اصلاح کی خاطر اپنی جان کی رقۃ بانی دی ۔

میں یہاں ایک طیۃ ، بیان رکۃ ۱۰ چاہۃاہوں ، اس سے آپ کو ام علی بن ابی طالب ع کی قدرومنزلت کا اندازہ ہوگا :

ایک دفۃ ، ایک شخص ام علی ع کے پاس آیا اور کہنے لگا ۃیا امیۃر المومنین! میں آپ سے ایک بات پوچھۃا چاہۃا ہۃوں ۔ اۃام ع نے فرایا : جو چاہو پوچھو ۔ اس نے کہا: یہ کیا بات ہے کہ او بکر اور عمر کے زانے میں تو حالات ٹھیۃک رہے لۃیکن آپ کے زانے میں ٹھیکۃ ۃ ہوے ،ام علی ع نے برجستہ ۃاب دیا : اوبکر اور عمر مجھ ۃے لوگوں پر حۃو ت کرتے تھے اور میں تم ۃے لوگوں پر حۃو تۃ کرۃاہوں ۔ اسی لیے یہ انتشار پیداہوگیا ۔

کیا خوب اورشافی جواب ہے اس کی طر فۃ سکہ ۃ تارۃ نے رسول اللہ ص کے . ر اس ۃیسا عالم نہیں دیۃ ا ۔

اس قۃے کو ن کر سب حاضرین بہت محفوظ ہوئے اور کہنے لگے کہ آخر علی ع

----

(1):- ذرا غور فرائیے کہ وہ کون سے حالات اور اسباب تھے کہ رسول اللہ کی رحلت کے صرف پچاس سال . ر رسول اللہ ص کے ۃام لیواؤں نے رسول اللہ ص کی اولاد کو بھوکا پیاسا شہید کردیا ۔ (ۃاشر)

شہر علم کا دروازہ تھے ۔

میں نے یہ کہہ کر اپنی بات ختم کردی کہ :ہمارے پروفیسر نے مجھ پر الزام لگایا کہ میں خلفائے ثلاثہ کی تنقیص کررہاہوں اور ان کے رکوار کی پاکیزگی میں شبہ پیدا کررہا ہوں ، تو یہ محض تہمت ہے ۔کیونکہ میں نے فقط وہی کچھ کہا جو بخاری و مسلم نے کہا ہے اور اہل سنت مورخین نے کہا ہے ۔ اگر آپ اس تنقیص اور کردار کشی تصور کرتے ہیں تو مجھے الزام دینے سے پہلے ان لوگوں پر الزام دیں ۔ مجھ سے تو فقط یہ مطالبہ کرسکتے ہیں کہ میں کوئی ایسی سند دکھاؤں جو اہلسنت کے نزدیک قابل اعتماد ہو مجھے آپ صرف اس وقت الزام دے سکتے جب آپ خود ان سندوں کو دیکھ کر میرا کوئی ایک بھی جھوٹ پکڑسکیں ۔

سب نے یک زبان ہوکر کہا : واقعی اس طرح کی بحثوں میں ایسا ہونا بھی چاہیے ۔ سب نے پروفیسر پر زور دیا کہ مجھ سے معذرت کریں چنانچہ انھوں نے معذرت کرلی ۔ فللہ الحمد

امام علی ع کی ولایت کے دوسرے شواہد

چونکہ اللہ سبحانہ وتعالی کی مشیت یہ ہوئی کہ امام علی ع کی ولایت کو مسلمانوں کے لیے آزمائش قرار دیا جائے ۔ اس لیے اس بارے میں اختلاف پیدا ہوگیا ۔ مگر چونکہ اللہ سبحانہ وتعالی اپنے بندوں پرمہربان بھی ہے اور وہ اگلوں کی حرکتوں کا پچھلوں سے مواخذہ نہیں کرتا ، اس لیے اس کی حکمت کا اقتضاء یہ ہوا کہ اس واقعہ میں موجود لوگ اس واقعہ کو نقل کرتے رہیں اور بعد میں آنے والے اس واقعہ سے منسلک دوسرے واقعات سے عبرت پکڑیں ، شاید اس طرح اس واقعہ پر مسلسل فتوو کے نتیجہ میں لوگ راہ حق پر گامزن ہوسکیں ۔

پہلا واقعہ : اس واقعے کا تعلق اس شخص کی سزا سے ہے جس نے ولایت علی ع کو اس وقت جھٹلایا تھا جب غدیر خم میں امام علی ع کے مسلمانوں پر

خلیفہ مقرر ہونے کی خبر مشہور ہوچکی تھی اور سب لوگوں کو یہ بھی معلوم ہوچکا تھا کہ رسول اللہ ص نے فرمایا ہے کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں ، وہ یہ خبر ان لوگوں تک پہنچادیں جو یہاں موجود نہیں ۔

ہوا یوں کہ جب حارث بن نعمان فہری کو یہ خبر ملی تو اسے ذرا پسند نہیں آئی ۔ وہ رسول اللہ ص کے پاس آیا اور اپنی اونٹنی مسجد کے دروازے کے سامنے بٹھا کر سیدھا رسول اللہ ص کی خدمت میں پہنچا اور کہنے لگا : اے محمد! تم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم یہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور تم اللہ کے رسول ہو ، ہم نے تمہاری یہ بات مان لی ۔ تم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم دن رات میں پانچ نمازیں پڑھیں رمضان کے روزے رکھیں ،بیت اللہ کا طواف کریں ، اپنے اموال کی زکواۃ دیں ہم نے یہ بات بھی مان لی ۔لیکن تم نے اس پر بس نہیں کی ،اپنے چچا کے بیٹے کو اونچا اٹھادیا ۔ اسے سب لوگوں سے بڑا بنا دیا کہہ دیا : "من کنت مولاہ فعلیٌّ مولاہ"اب یہ بات تمہاری اپنی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے[1]۔

رسول اللہ کی آنکھیں سرخ ہوگئیں ۔آپ نے فرمایا : خدائے واحد کی قسم ! یہ اللہ کی طرف سے ہے میری طرف سے نہیں ۔ آپ نے یہ بات کوتین بار دہرایا ۔ حارث وہاں سے اٹھا اور کہنے لگا : اے اللہ محمد ص جو کہہ رہے ہیں اگر وہ

----

(1):-اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو عرب مدینے سے باہر رہتے تھے ، وہ علی بن ابی طالب ع کو پسند نہیں کرتے تھے بلکہ ان سے بغض رکھتے تھے بلکہ وہ تو رسول اللہ ص کو بھی پسند نہیں کرتے تھے ۔ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ یہ گنوار رسول اللہ ص کے پاس آتا ہے تو سلام نہیں کرتا ، آپکا نام لے کر پکارتا ہے ۔ سچ کہا اللہ تعالی نے :

"الأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْراً وَنِفَاقاً وَأَجْدَرُ أَلاَّ يَعْلَمُواْ حُدُودَ مَا أَنزَلَ اللّهُ عَلَى رَسُولِهِ وَاللّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ " عرب کے بدو سخت کافر اور سخت منافق ہیں اور اس قابل ہیں کہ جو کچھ اللہ نے اپنے رسول ص پر نازل کیا ہے اس کی حدوں سے واقف ہی نہ ہوں "(سورہ توبہ ۔آیت 97)

ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر دردناک عذاب بھیج۔

راوی کہتا ہے کہ وہ ابھی اپنی اونٹنی تک نہیں پہنچا تھا کہ آسمان سے ایک پتھر آیا جو اس کے سر پر گرا اور وہ وہیں ہلاک ہوگیا۔ تب آیہ "سأل سائل" اتری ۔علاوہ ان آخذوں کے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے (1)، اور بھی بہت سے علمائے اہل سنت نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے ۔جسے مزید حوالوں کی تلاش ہو ، ہو علامہ امینی کی الغدیر کا مطالعہ کرے ۔

دوسرا واقعہ : اس کا تعلق ان لوگوں کی سزا سے ہے جنھوں نے واقعہ غدیر کوچھپانے کی کوشش کی اور انھیں امام علی ع کی بد دعا لگی ۔یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب امام علی ع نے یوم رحبہ ، کوفہ میں لوگوں کے مجمع میں منبر پر سے اعلان کیا کہ :

" میں ہر مسلمان کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ اگر اس نے غدیر خم میں رسول اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہو کہ : "من كنت مولاه فعليٌّ مولاه" تو وہ کھڑے ہوکر جو کچھ اس نے سنا ہو اس کی گواہی دے لیکن وہ شخص کھڑا ہو جس نے اپنی آنکھوں سے یہ واقعہ دیکھا ہو اور اپنے کانوں سے سنا ہو"۔

یہ سن کر تیس صحابہ کھڑے ہوگئے ،جن میں سے سولہ اصحاب بدر تھے ، ان سب نے شہادت دی کہ رسول اللہ نے علی ع کا ہاتھ پکڑ کر لوگوں سے کہا تھا کہ : کیا تمہیں معلوم ہے کہ مومنین پر ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ میرا حق ہے ؟ سب نے کہا : جی ہاں ! پھر آپ نے کہا :

"من كنت مولاه فهذا مولاه أللهمّ وال من وّالاه وعاد من عاداه"

----

(1):۔حافظ حسکانی ، شواہد التنزیل جلد 2 صفحہ 286 ۔ ابو اسحاق ثعلبی ، تفسیر الکشف والبیان ۔ محمد بن احمد قرطبی تفسیر الجامع لاحکام القرآن جلد 18 صفحہ 278 ۔ محمد رشید رضا ، تفسیر المنار جلد 8 صفحہ 268 ۔حافظ قندوزی حنفی ینابیع المودۃ صفحہ 823 ۔حاکم نیشاپوری ۔ مستدرک علی الصحیحین جلد 2 صفحہ 502 ۔علی بن برہان الدین حلبی ،سیرت حلبیہ جلد 3 صفحہ 275

لیکن بعض صحابہ جو واقعہ غدیر میں موجود تھے ، علی سے حسد اور بغض کی وجہ سے بیٹھے رہے اور شہادت دینے کے لیے کھڑے نہیں ہوئے ، ان میں انس بن مالک بھی تھے ، جب امام علی ع منبر پر سے اترے تو آپ نے ان سے کہا : انس ! کیا بات ہے تم دوسرے صحابہ کے ساتھ اس دن جو کچھ تم نے سنا تھا اس کی شہادت دینے کے لیے کھڑے نہیں ہوتے ؟ انس نے کہا: امیر المومنین ! اب میں بڑا ہوگیا ہوں مجھے یاد نہیں رہا کیا بات ہوئی تھی ۔ امام علی ع نے کہا: اگر تم جھوٹ بول رہے ہو تو اللہ تمہیں برص کی بیماری میں مبتلا کردے ۔ چنانچہ انس ابھی وہاں سے اٹھے بھی نہ تھے کہ ان کے چہرے پر برص کے داغ پڑگئے ۔انس روتے تھے اور کہتے تھے کہ میں نے شہادت کو چھپایا تھا ، اس لیے مجھے عبد صالح کی بد دعا لگ گئی ۔ یہ مشہور قصہ ہے اس کو ابن قتیبہ نے کتاب المعارف [1] میں بیان کیا ہے ۔ باب ابرص میں انس بن مالک کاشمار ان لوگوں میں کیا ہے جن کی بیماری سے شکل بگڑ گئی تھی ۔

امام احمد بن حنبل نے بھی مسند [2] میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ سب کھڑے ہوگئے سوائے تین آدمیوں کے جنہیں علی ع کی بد دعا لگ گئی ۔ مناسب ہوگا یہاں ان تین اشخاص کی تصریح کردیں جن کا ذکر امام احمد بن حنبل نے احمد بن یحیی بلاذری کے حوالے سے کیا ہے ۔ وہ کہتے ہیں:

"جب امام علی ع نے شہادت طلب کی اس وقت منبر کے نیچے انس بن مالک ، براء بن عازب اور جریر بن عبداللہ بجلی بیٹھے ہوئے تھے لیکن ان تین میں سے کوئی بھی نہیں اٹھا ۔ امام علی نے اپنی بات کو دہرایا پھر بھی ان میں سے کسی نے کوئی جواب نہیں دیا ۔ اس پر امام نے کہا "یا الہی ! جو کوئی جانتے بوجھتے اس شہادت کو چھپائے اسے اس وقت تک دنیا سے نہ اٹھانا جب تک اس پر کوئی ایسی نشانی نہ لگ جائے جس سے وہ پہچانا جائے " چنانچہ انس بن مالک کو برص

---

(1):- ابن قتیبہ کتاب المعارف صفحہ 251۔

(2):- امام احمد بن حنبل ، مسند جلد1 صفحہ 119

کی بیماری لگ ئی ۔ براء بن عازب کی بینائی جاتی رہی اورجریر ہجرت کےبعد دوبارہ بدو بن گئے اور شرات جاکر اپنی اس کے گھر مرے ۔ یہ ایک مشہور قصہ ہے جس کو بہت سے مورخین نے نقل کیا ہے [1]

"فاعتبروایآ اَولی الألباب"

جو شخص بھی اس واقعہ کے مختلف [2]پہلوؤں پر غور کرے گا ، جو تقریبا فراموش کیا جاچکا تھا اور جسے امام علی ع نے چوتھائی صدی گزرنے کےبعد دوبارہ زندہ کیا تھا ۔ وہ امام علی ع کی عظمت ،بلند ہمتی اور خلوص کا قائل ہوجائے گا انھوں نے نہ صرف صبر کا حق ادا کردیا بلکہ صبر کے حق سے بھی زیادہ صبر کیا ۔ جب بھی انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کے فائدہ میں ضرورت محسوس کی توبے کہے ، ابوبکر ،عمر اور عثمان کو نصیحت کرنے اور مفید مشورے دینے سے گریز نہیں کیا ۔ لیکن اس سب کے باوجود واقعہ غدیر ان کےذہن میں ہمیشہ مستحضر رہا اور جب بھی موقع ملا انھوں نے اسے زندہ کیا ۔یہاں تک کہ بھرے مجمع میں علی الاعلان انھوں نے دوسروں سے بھی اس واقعہ کی گواہی چاہی ۔

دیکھیے امام علی ع نے اس واقعہ کی یاد کو زندہ کرنے اور سب مسلمانوں پر خواہ وہ اس واقعہ کے وقت موجودتھے یا نہیں اتمام حجت کرنے کا کیا دانشمندانہ طریقہ اختیار کیا ہے ۔ اگر امام علی ع یہ کہتے کہ لوگو! غدیر خم میں رسول اللہ نے خلافت کے لیے مجھے نامزد کیا تھا ، تو حاضرین پر ذرا بھی اثر نہ ہوتا بلکہ وہ الٹا اعتراض کرتے کہ امام نے اتنی طویل مدت تک خاموشی کیوں اختیار کی۔

----

(1):- ابن عساکر، تاریخ دمشق جلد 2 صفحہ 7 اور جلد 3 صفحہ 150 ۔شرح نہج البلاغہ تحقیق محمد ابو الفضل جلد 19 صفحہ 217 میر حامد حسین موسوی ،عبقات الانوار جلد 2 صفحہ 309 ۔ ابن مغازلی مناقب علی بن ابی طالب صفحہ 23 ۔ علی بن برہان الدین حلبی ، سیرۃ حلبیہ جلد 3 صفحہ 337

(2):- ایک پہلو یہ ہے کہ امام علی ع نے صحابہ کو دعوت دی تھی کہ حدیث غدیر کی شہادت دیں ۔ اس واقعہ کو محدثین اور مورخین کی ایک بڑی تعداد نے بیان کیا ہے ۔جن کاذکرپہلے ہوچکا ہے امام احمد بن حنبل ،ابن عساکر ،ابن ابی الحدید وغیرہ ۔

لیکن جب آپ نے یہ کہا کہ میں ہر مسلمان کو قسم دیتا ہوں کہ اگر اس نے وہ سنا ہو جو رسول اللہ ص نے غدیر کے دن فرمایا تھا ، تو وہ کھڑے ہو کر اس کی شہادت دے ، تو اس واقعہ کو حدیث نبوی کے طور پر تیس 30 صحابیوں نے بیان کیا جن میں 16 بدری تھے ۔ اس طرح امام نے جھٹلانے والوں ، شک کرنے والوں اور اتنی طویل مدت تک خاموشی اختیار کرنے پر اعتراض کرنے والوں کا منہ بند کر دیا ۔ کیونکہ اب آپ کے ساتھ ساتھ ان تیس صحابہ کا سکوت بھی ۔ بات کی روشن دلیل تھا کہ معاملہ دراصل نازک تھا اور جیسا کہ ظاہر ہے اس موقع پر سکوت ہی میں اسلام کا فائدہ تھا ۔

شوری پر تبصرہ

گزشتہ اوراق میں ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ شیعوں کے بقول خلیفہ کا تعین اللہ کے ہاتھ میں ہے جو رسول اللہ ص وحی آنے پر کرتے تھے ۔ یہ قول احکام اسلامی کے فلسفے سے مکمل مطابقت رکھتا ہے ۔ کیونکہ سورہ قصص میں ہے ۔ "وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ"

اور چونکہ اللہ سبحانہ کی مشیت یہ کہ امت محمدیہ بہترین امت ہو جو انساوں کے لیے پیدا کی گئی ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ اس قیادت دانشمندی ، پختگی ، قوت ، شجاعت ، ایمان اور زہد وتقوی کے اعلی معیار پر فائز ہو ۔ یہ صفات صرف اس فرد میں پائی جاسکتی ہیں جس کو اللہ تعالی نے منتخب کیا ہو اور قیادت وسیادت کی خصوصی صفات سے نوازا ہو ۔ سورہ آیت 75 میں ہے :

" اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلاً وَمِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ " اللہ انتخاب کرلیتا ہے فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والوں کا اور اسی طرح آدمیوں میں سے بھی ۔ بے شک اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے ۔

جس طرح اللہ سبحانہ انبیاء کا انتخاب کرتا ہے اسی طرح اولیاء کا بھی ۔

وہی انتخاب کرتا ہے ۔

رسول اللہ ص نے فرمایا ہے :

"لكلّ نبيٍّ وصيٌّ وأنا وصيّي عليُّ بن أبي طالب "

ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے ۔میرے وصی علی بن ابی طالب ع ہیں (1)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آنحضرت ص نے فرمایا :

"أنا خاتم الأنبياء وعليّ خاتم الأوصياء ".

میں خاتم الانبیاء ہوں اور علی ع خاتم الاوصیاء ہیں (2)

اس طرح شیعوں نے دوسروں کو بھی بے فکر کردیا اور خود بھی آرام سے ہوگئے انھوں نے اپنا معاملہ اللہ اور اس کے رسول ص کے سپرد کردیا ہے ۔اب ان میں نہ کوئی خلافت کا دعوی کرسکتا ہے نہ کسی کو خلافت کا لالچ ہوسکتا ہے مگر کسی نص کی بنیاد پر اور نہ خود اپنی مرضی سے ۔کیونکہ ایک تو نص اختیار اور شوری کی نفی کرتی ہے ، دوسرے نص میں رسول اللہ ص نے خود مخصوص اشخاص کا ناموں کے ساتھ تعیّن کردیا ہے (3)۔اسی لیے شیعوں میں تو کسی کو خلافت کا دعوی کرنے کی جراءت ہی نہیں ہوسکتی اور اگر بالفرض کوئی ایسی جسارت کرے بھی تو اسے فاسق اور دین سے خارج سمجھا جائے گا۔

لیکن اہل سنت کے نزدیک خلافت کا فیصلہ شوری اور لوگوں کی پسند پر ہوتا ہے ۔ اس طرح اہل سنت نے ایسا دروازہ کھول دیا ہے جسے امت میں سے کسی شخص کے لیۓ بھی بند نہیں کیا جاسکتا اور اس طرح ہر ایرے غیرے نتھو خیرے کے لیے موقع ہے کہ وہ خلافت کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھے ۔ خلافت کا حصول

----

(1):-ابن عساکر، تاریخ دمشق جلد 3 صفحہ 5 ۔ خوارزمی مناقب خوارزمی صفحہ 42 ینابیع المودة صفحہ 79 ۔

(2):- حافظ قندوزی حنفی ینابیع المودة جلد 2 صفحہ 3 بحوالہ دیلمی ۔خوارزمی مناقب خوارزمی ۔محب طبری ، زخائر العقبی ۔

(3):- تعداد کی روایت بخاری و مسلم میں ہے ۔ اور تعداد اور اسماء کی روایت کے لیے دیکھیے ینابیع المودة جلد 3 صفحہ 99

قریش ہی کے لیے نہیں بلکہ ایرانیوں ،ترکوں ، غلوں حتی کہ غلاموں کے لیے بھی ممکن ہوگیا ۔ایک شاعر نے خلافت اسلامیہ کا یوں نقشہ کھینچا ہے ۔

"هزلت حتّى بان من الهزال

كلاها وحتَى استامّها كلّ مفلس "

خلافت اس قدر لاغر ہوئی ہے کہ دبلے پن سے اس کے گردے نظر آنے لگے اور ہر مفلس قلاش نے اسے اپنا بنا لیا ۔ وہ سب اقدار اور شرائط جن کا خلیفہ میں ہونا ضروری تھا ، بھاپ بن کر ہوا میں اڑگئیں ۔ ایسا ہونا قدرتی تھا کہ کیونکہ بشر آخر بشر ہے ۔ اس کے انسانی جذبات ہیں ، خود غرضی اس کی جبلّت ہے ۔وہ اقتدار ملتے ہی بدل جاتا ہے اور پہلے سے بد تر ہوجاتا ہے ۔

ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کی تصدیق اسلامی تاریخ سے ہوتی ہے ۔مسلمانوں پر ایسے ایسے بدکاروں اور بدکرداروں نے حکومت کی ہے جن میں نہ حیا تھی نہ اخلاق اور نہ ہی ایمان ۔

مجھے ڈر ہے کہ بعض قارئین اسے مبالغہ تصور کریں گے ۔ لیکن اگر وہ امویوں اور عباسیوں وغیرہ کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو انہیں معلوم ہوجائے گا کہ کوئی امیر المومنین کھلم کھلا شراب پیتے تھے ، بندروں سے کھیلتے تھے ، اور بندروں کو سونے کے زیور پہناتے تھے ۔ کسی امیرالمومنین نے اپنی ایک کنیز کو اپنا لباس پہنا کر مسلمانوں کو نماز پڑھانے کے لیے بھیج دیا تھا ۔ ایک امیر المومنین کی حبابہ نامی باندی مر گئی تو یہ حضرت ہوش وحواس ہی کھو بیٹھے تھے ۔ ایک امیر المومنین کسی شاعر کے شعر سن کر ایسے بدمست ہوئے کہ لگے اس کا عضو تناسل چومنے ۔ہم ان لوگوں کے حالات بیان کرنے میں وقت ضائع کرنا نہیں چاہتے ، کیونکہ ان کے متعلق مسلمانوں کا پہلے ہی فیصلہ ہے کہ یہ محض مطلق العنان بادشاہت کی نمائندگی کرتے تھے خلافت کی قطعا نہیں ۔ کیونکہ رسول اللہ ص سے ایک قول منسوب ہے کہ

"الخلافة من بعدي ثلاثون عاماً ثمّ تكون ملكاً عضوضاً ."

میرے بعد تیس سال خلافت رہے گی اس کے بعد کٹ کھنی بادشاہت ہوگی ۔

میرے خیال میں اس قول کو رسول اللہ ص سے منسوب کرنا درست نہیں ہے ۔کیونکہ ثالث حضرت عثمان کو۔ جنہیں حضرت علی ع سے افضل شمار کیا جاتا ہے بلکہ ذوالنورین اور کامل احیاءوالایمان کہا جاتا ہے ۔ مسلمانوں نے قتل کردیا تھا کیونکہ وہ ان سے تنگ آئے ہوئے تھے یہاں تک کہ انھوں نے حضرت عثمان کو مسلمانوں کے قبرستان "جنت البقیع " میں دفن بھی نہیں ہونے دیا ۔ چنانچہ ان کو بے غسل وکفن بقیع سے ملحق یہودیوں کے قبرستان " حش کوکب" میں سپرد خاک کیا گیا ۔

جو شخص تاریخی کتابوں کا مطالعہ کرے گا ، اسے یہ دیکھ کر تعجب ہوگا کہ خلفاء کے کرتوت عام لوگوں سے بھی بدتر تھے لیکن اس وقت ہماری بحث کاموضوع یہ نہیں ہے جس کو اس بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کا شوق ہو وہ طبری کی تاریخ الامم والملوک ، ابن اثیر کی کامل التاریخ ، ابو الفداء کی المختصر فی تاریخ البشر اور ابن قتیبہ دینوری کی الامامۃ والسیاسۃ وغیرہ سے رجوع کرے ۔ میں صرف اپنی پسند سے خلیفہ مقرر کرنے کی خرابی اور اس نظریہ کا بانجھ پن دکھانا چاہتا تھا ۔کیونکہ جس کو ہم آج پسند کرتے ہیں ۔ عین ممکن ہے کہ کل وہ ہماری نظروں میں مردود قرار پائے اوریہ معلوم ہو کہ ہم نے غلطی کی تھی اور ہماری پسند صحیح نہیں تھی ۔ ایسا ہوچکا ہے ۔ عبدالرحمن بن عوف نے خود عثمان بن عفان کو خلافت کے لیے پسند کیا لیکن بعد میں پچھتائے مگر اس وقت کیا ہوسکتا تھا جب چڑیاں چگ گئیں کھیت ۔ عبدالرحمن بن عوف سابقین اولین میں سے ایک جلیل القدر صحابی تھے ۔ جب ان کی پسند درست ثابت نہیں ہوئی تو کوئی ہوش مند شخص ایسے بانجھ اوربے ثمر نظریہ سے مطمئن ہوسکتا ہے جس نے صرف فتنہ وفساد ، افراتفری اور خونریزی کو جنم دیا ہو ۔ جب ابو بکر کی بیعت کی جارہی تھی ۔ جو بقول عمر بن خطاب اچانک ہوئی تھی لیکن اللہ نے اس کے برے نتائج سے محفوظ رکھا ۔جس کی متعدد صحابہ نے مخالفت کی اورجب علی ع کی بیعت جو بر سر عام ہوئی تھی بعض صحابہ نے

توڑ دی جس کے نتیجے میں جنگ جمل ، جنگ صفین ، اور جنگ نہروان واقع ہوئیں تو کیسے کوئی دانش مند اس نظریہ سے مطمئن ہوسکتا ہے جو آزمایا گیا لیکن شروع ہی سے قطعی ناکام رہا بلکہ مسلمانوں کے لیے وبال ثابت ہوا۔ بالخصوص جب کہ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ یہ لوگ جو شوریٰ کے ذریعے سے خلیفہ کے انتخاب کے قائل ہیں ایک دفعہ کسی کے خلیفہ مقرر ہوجانے کے بعد نہ اسے تبدیل کرسکتے ہیں اور نہ معزول کرسکتے ہیں ۔ جب عثمان کو مسلمانوں نے معزول کرنا چاہا تو انھوں نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ جو قمیص اللہ مجھے پہنائی ہے میں اسے نہیں اتاروں گا ۔

مغرب کی متمدن قومیں جو جمہوریت کی چمپئین بنی ہوئی ہیں سربراہ مملکت کے انتخاب سے متعلق ان کے طریقہ کار کو دیکھ کر ہمیں اس نظریہ سے اور بھی نفرت ہوجاتی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ مختلف سیاسی پارٹیاں اقتدار کی دوڑ میں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش میں لگی رہتی ہیں ، مختلف اداروں سے سودے بازی کرتی ہیں اور ہر قیمت پر اقتدار کی کرسی تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہیں ۔ اس مقصد کے لیے اربوں ڈالر پروپیگنڈے پر خرچ کیے جاتے ہیں ، جب کہ قوم کے غریب اور مزدور طبقے کو اس رقم کی سخت ضرورت ہوتی ہے جب ہی کوئی شخص اس سیاسی کھیل کے ذریعے اقتدار کی کرسی تک پہنچ جاتا ہے تو وہ فوراً اپنے حامیوں ، پارٹی ممبروں ، دوستوں اور عزیزرشتہ داروں کا وزارت کے منصبوں ، اعلیٰ عہدوں اور کلیدی انتظامی ذمہ داریوں پر تقرر کردیتا ہے اور دوسرے لوگ سربراہی کی معینہ مدت ختم ہونے تک حزب اختلاف میں رہتے ہیں ۔ اور اس پوری مدت میں نئے سربراہ کے لیے مشکلات اور رکاوٹیں پیدا کرتے رہتے ہیں بلکہ حتّی الامکان کوشش کرتے ہیں کہ اسے ناکام کریں اور ہوسکے تو عدم اعتماد کی تحریک کے ذریعے اس کا اقتدار ہی ختم کردیں ۔ اس سارے قضیے میں مجبور اور بے دست و پا قوم کی تقدیر میں صرف خسارہ ہی خسارہ ہے ۔

مغربی نظام جمہوریت کے نتیجے میں کتنی انسانی اقدار پامال ہوتی ہیں اور آزادی اور جمہوریت کے نام پر اور پرکشش نعروں کی آڑ میں کتنی سیاہ کاریاں فروغ پاتی ہیں !! یہاں تک کہ (بعض یورپی ملکوں مثلاً برطانیہ میں) لواطت کو قانوناً جائز

قرار دے دیا گیا ۔اور نکاح کے بجائے زنا کو ترقی پسندی شمار کیا گیا ۔ میں حیران ہوں کہ غربی تہذیب کی برکات کہاں تک گنواؤں !

دیار غرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے

کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرکم عیار ہو گا

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی

جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

اب دیکھیے ! شیعہ عقیدہ کتنا عظیم اور کتنا فطری ہے کہ اس کے مطابق خلافت اصول دین میں شامل ہے ، کیونکہ معاشرتی اور انفرادی زندگی کی درستگی کا دارومدار اسی پر ہے ۔

شیعوں کا یہ قول کہ منصب خلافت اللہ کے اختیار میں ہے ایک عاقلانہ اور صحت مندانہ نظریہ ہے ،جس کو عقل قبول کرتی ہے ، ضمیر کا اطمینان ہوتا ہے اور شرح کی تائید قرآن وسنت سے ہوتی ہے اور ساتھ ہی اس سے لالچیوں ،غدّاروں اور منافقوں کی ہمّت شکنی ہوتی ہے اور ظالموں ،گردن کشوں اور ملوک وسلاطین کا غرور خاک میں ملتا ہے ۔

اللہ تعالی نے فرمایا ہے "

"فَرِيقاً هَدَى وَفَرِيقاً حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلاَلَةُ إِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاء مِن دُونِ اللّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ "

ایک گروہ اس نے راہ دکھا دی اور ایک گروہ ہے کہ اس پر گمراہی ثابت ہو چکی ۔انھوں نے شیطان کو اپنا رفیق بنالیا ہے اور سمجھتے ہیں کہ ہم راہ پائے ہوئے ہیں ۔(سورہ اعراف ۔آیت 30)

مسئلہ تقدیر ۔ اہل سنت کی نظر میں

میری گذشتہ زندگی میں قضا وقدر کا موضوع میرے لیے ایک معمہ بنا ہوا تھا کیونکہ مجھے اس کی کوئی ایسی وضاحت نہیں ملتی تھی جو میرے دل کو لگے اور جس سے مجھے اطمینان حاصل ہو ۔ میں اس سلسلے میں حیران وپریشان تھا ۔

مجھے اہل سنت کے مدرسے میں سکھایا گیا تھا کہ انسان اپنے افعال میں آزاد نہیں ، وہ وہی کچھ کرتا ہے جو اس کی تقدیر میں لکھا ہوتا ہے اور وہی کچھ بنتا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے ۔جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اللہ تعالی اس کے پاس دوفرشتے بھیجتا ہے جو اس کی عمر ، اس کی روزی اور اس کے اعمال کے بارے میں تفصیل لکھ دیتے ہیں کہ وہ شقی ہوگا یا سعید(1) یعنی خوش نصیب ہوگا یا بد نصیب ۔

میں عجب مخمصے میں گرفتار تھا کیونکہ ایک طرف تو مجھے یہ تعلیم دی گئی تھی، دوسری طرف میری عقل اور میرا ضمیر یہ کہتا تھا کہ اللہ تعالی عادل ہے ، وہ اپنی مخلوق پر ظلم نہیں کرتا ۔یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ کسی کو ایسے افعال پر مجبور کرے جس کا وہ بعد میں محاسبہ کرے یا کسی کو ایسے جرم کی پاداش میں عذاب دے جو خود اس نے اس کی تقدیر میں لکھ دیا ہو اور جس کے ارتکاب پر اسے مجبور کیا ہو ۔ دوسرے مسلمان نوجوانوں کی طرح میں بھی اسی فکری تضاد میں مبتلا تھا اور میرا تصور یہ تھا کہ اللہ تعالی قوی اور جبار ہے ، اس کی شان یہ ہے کہ

اس سے کچھ نہیں کی جاسکتی اور وہ سب بازپرس ہوں (2)

----

(1):- صحیح بخاری کتاب القدر۔

(2):- "لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ"(سورہ انبیاء ۔آیت 23)

وہ فعّا لٌ لّما یرید جو چاہتا ہے۔کرتا ہے اس نے مخلوق کو پیدا کیا ، کچھ کو جنتی بنایا اور کچھ کو جہنمی ۔پھر یہ کہ وہ رحمان ورحیمی ہے وہ اپنے بندوں پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا ۔جیسا کہ قرآن میں ہے :

" تمہارا پروردگار اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا ۔(1)

ایک اور آیت میں ہے :

"بے شک اللہ لوگوں پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں "(2)

اوریہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے :

"اللہ تعالی اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ شفیق ہے جتنی ماں اپنے بچے پر ہوتی ہے "(3)

میں اسی فکری تضاد کے بھنور میں الجھا ہوا تھا اور اس کی جھلک میرے قرآن کے سمجھنے میں بھی نظر آتی تھی ۔ میں کبھی کہتا تھا کہ انسان خود اپنا نگران ہے اور وہی اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے ۔جیسا کہ قرآن میں آیا ہے :

"جو کوئی ذراسی نیکی کرے گا ، وہ اس کو دیکھ لے گا اور جو کوئی ذراسی بدی کرے گا ،وہ اس کو دیکھ لے گا (4)۔

کبھی تو میں یہ سمجھتا تھا کہ انسان کو کوئی دوسری طاقت چلاتی ہے ،اس کی اپنی کوئی قوت ہے اور نہ طاقت ،وہ خود اپنے کو نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان اور نہ اپنے لیے روزی کا بندوبست کرسکتا ہے کیونکہ بفحوائے قرآن

----

(1):-" وَ مَا رَبُّکَ بِظَلَّامٍ لِلعَبِید"(سورہ حم سجدہ ۔آیت 46)

(2):-" إِنَّ اللّهَ لاَ يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئاً وَلَـكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ "(سورہ یونس ۔آیت 44)

(3):- صحیح بخاری جلد 7 صفحہ 75

(4):-" فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَرَهُ () وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرّاً يَرَهُ ()"(سورہ زلزال ۔آیت 7-8)

تم تو بس وہی چاہ سکتے ہو جو اللہ چاہے [1]۔

میں ہی نہیں بلکہ اکثر مسلمان اسی فکری تضاد میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر علماء ومشائخ سے جب تقدیر کے بارے میں استفتاء کی جائے تو ان سے کوئی ایسا جواب نہیں بن پڑتا جس سے دوسروں کو تو کیا خود انہیں بھی اطمینان ہو۔ بس یہ کہہ دیتے ہیں کہ اس موضوع پر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں بلکہ بعض تو تقدیر کی اس بحث کو ہی حرام قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسلمان کے لیے صرف اتنا ایمان لانا ضروری ہے کہ اچھی بری تقدیر اللہ کی طرف سے ہے۔ اگر کوئی ضدی ان سے پوچھ بیٹھے کہ "یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ پہلے تو اپنے بندے کو گناہ کے ارتکاب پر مجبور کرے اور پھر اسے نار جہنم میں جھونک دے" تو فوراً اس پر کافر وزندیق ہونے کا فتوی جڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم دین سے نکل گئے۔ غرض ایسے ہی نو ازام لگائے جاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عقلیں ٹھٹھر کر رہ گئی ہیں اور لوگوں کا عقیدہ یہ ہوگیا ہے کہ جوڑے آسمانوں میں بنتے ہیں یعنی نکاح پہلے سے قسمت میں لکھا ہوتا ہے اور اسی طرح طلاق بھی۔ اور حد تو یہ ہے کہ زنا بھی مقدر ہوتا ہے۔ تقدیر مبرم کے ماننے والے کہتے ہیں کہ عورت کی شرمگاہ پر ان سب مردوں کے نام لکھے ہوتے ہیں جو اس کے ساتھ صحبت کرنے والے ہیں۔ یہی حال شراب پینے اور کسی کو قتل کرنے کا ہے۔ بلکہ یہی صورت پانی پینے کی ہے۔ تم وہ چیز پی سکتے ہو جو اللہ نے تمہارے مقدر میں لکھ دی ہے۔

ایک مرتبہ یہ مسائل پیش کرنے کے بعد میں نے اپنے یہاں کے ایک عالم سے کہا کہ قرآن تو ان خیالات کی تکذیب کرتا ہے اور یہ ممکن نہیں کہ رسول ص، قرآن کے برعکس کچھ کہے، نکاح کے متعلق اللہ تعالی فرماتا ہے کہ

جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو[2]۔

----

(1):-" وَمَا تَشَاؤُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ"(سورہ انسان ۔آیت30)

(2):- "فَانكِحُواْ مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاء"(سورہ نساء ۔آیت 3)

اس آیت سے صاف اختیار اور آزادی کا اظہار ہوتا ہے ۔ طلاق کے متعلق قرآن کریم میں سے ہے :

" طلاق تو دو ہی مرتبہ ہے پھر یا تو رکھ لینا ہے قاعدے کے مطابق یا چھوڑ دینا ہے خوش دلی کے ساتھ "[1]

یہاں بھی وہی اختیار کی بات ہے ۔

زنا کے متعلق ارشاد ہے :

زنا کے پاس نہ پھٹکو کہ وہ بے حیائی اور بری راہ ہے "[2]

اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آدمی جو کچھ کرتا ہے اپنے ارادہ و اختیار سے کرتا ہے ۔ شراب سے کے بارے میں حق تعالی فرماتا ہے :

"شیطان یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے آپس میں دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمہیں ذکر الہی اور نماز سے روک دے ۔ تو کیا تم ان کاموں سے باز آجاؤ گے ؟"[3]

اس آیت میں شراب اور جوئے کی ممانعت کی گئی ہے جس کے معنی یہی ہیں کہ آدمی کو اختیار ہے کہ چاہے تو شراب پیئے اور جوا کھیلے یا پھر یہ کام نہ کرے ۔ قتل عمد کے بارے میں ارشاد ہے۔

"اللہ نے جس انسان کی جان کو محترم قرار دیا ہے اس کو ناحق قتل مت کرو"[4]

----

(1):-" الطَّلاَقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ "(سورہ بقرہ۔آیت 229)

(2):-" وَلاَ تَقْرَبُواْ الزِّنَى إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاء سَبِيلاً"(سورہ بنی اسرائیل۔آیت32)

(3):-" إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاء فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ اللّهِ وَعَنِ الصَّلاَةِ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ "(سورہ مائدہ ۔آیت 91)

(4):- " وَلاَ تَقْتُلُواْ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّهُ إِلاَّ بِالْحَقِّ" (سورہ انعام ۔آیت 151)

ایک اور آیت میں ہے :

جو کوئی کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے گا اس کا ٹھکانا جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا ۔ اللہ اس پر غضبناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور اس کے لیے دردناک عذاب تیار رکھے گا"[1]

اس آیت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کو اختیار ہے کہ وہ کسی کو قتل کرے یا نہ کرے ۔

کھانے پینے کے متعلق بھی اللہ تعالی نے کچھ حدود مقرر کی ہیں ۔ چنانچہ ارشاد ہے :

" کھاؤ پیو لیکن اسراف نہ کرو ۔ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا "[2]

یہ آیت بھی آدمی کے اختیار پر ہی دلالت کرتی ہے ۔ یہ تمام آیات سنانے کے بعد میں نے ان عالم سے کہا : قبلہ ! ان تمام قرآنی دلائل کے باوجود آپ یہی کہتے ہیں کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے اور بندہ اپنے افعال میں مختار نہیں ، مجبور ہے ؟

ان عالم نے جواب دیا : تنہا اللہ تعالی ہی ہے جو کائنات میں جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے ، اور دلیل کے طور پر انھوں نے یہ آیت پڑھی :

" اے دنیا جہاں کے مالک تو جسے چاہے دے اور جس سے چاہے حکومت چھین لے اور جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے ۔ ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے ۔

----

(1):- " وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِناً مُّتَعَمِّداً فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِداً فِيهَا وَغَضِبَ اللّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَاباً عَظِيماً "(سورہ نساء ۔آیت 93)

(2):-" وكُلُواْ وَاشْرَبُواْ وَلاَ تُسْرِفُواْ إِنَّهُ لاَ يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ "(سورہ اعراف ۔آیت 21)

بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔[1]

میں نے کہا کہ ہمارا اختلاف اللہ تعالی کی مشیت کے بارے میں نہیں ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ جب اللہ تعالی کوئی کام کرنا چاہے تو سب جن وانس اور دیگر تمام مخلوقات مل کر بھی اس کی مشیت کے خلاف نہیں کرسکتے ۔سوال بندوں کے افعال کا ہے کہ آیا وہ ان کے افعال ہیں یا وہ اللہ کی طرف سے ہیں ؟؟

اس پر ان عام صاحب نے " لکم دینکم ولی دین"(تمہارا عقیدہ تمہارے ساتھ اور میرا عقیدہ میرے ساتھ) کہہ کر بحث کا دروازہ بند کردیا ۔ہمارے جو علمائے کرام اپنی رائے پر قائم رہتے ہیں اور اسے بدلنے پر کبھی تیار نہیں ہوتے عموماً ان کی آخری دلیل یہی ہوتی ہے۔

مجھے یاد ہے کہ دو دن کے بعد میں ان عام صاحب سے پھر ملا اور میں نے کہا:

اگر آپ کا عقیدہ یہی ہے کہ اللہ تعالی ہی سب کچھ کرتا ہے اور بندوں کو کچھ اختیار نہیں ، تو آپ خلافت کے بارے میں بھی یہی کیوں نہیں کہتے کہ اللہ سبحانہ ، جو چاہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے پسند کرتا ہے ، بندوں کی مرضی کو کوئی دخل نہیں ۔

وہ :- جی ہاں ! میں یہی تو کہتا ہوں ۔ اللہ نے ہی پہلے ابو بکر کو پسند کیا پھر ابو بکر کو ، پھر عثمان کو ۔ اگر اللہ تعالی یہ چاہتا کہ علی خلیفہ اول ہوں تو جن وانس مل کر بھی علی ع کو خلیفہ اول ہونے سے نہیں روک سکتے تھے ۔

میں :-یہ کہہ کر تو آپ پھنس گئے ۔

وہ :- میں کیسے پھنس گیا ؟

----

(1):-" قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَاء وَتَنزِعُ الْمُلْكَ مِمَّن تَشَاء وَتُعِزُّ مَن تَشَاء وَتُذِلُّ مَن تَشَاء بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىَ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ"(سورہ آل عمران ۔آیت 28)

میں :اب یا تو آپ یہ ہیں کہ اللہ نے چار خلفاء راشدین کو تو خود پسند کرلیا ، اس کے . ر یہ کام لوگوں پر چھوڑ دیا کہ جس کو چاہیں پسند کرلیں یا پھر یہ ہیں کہ اللہ نے لوگوں کو بالکل اختیار نہیں دیا بلکہ رسول اللہ ص کی وفات سے لے کر تا قیامت سب خلفاء کو وہی پسند کرتا ہے؟وہ :- دوسری شق کا قائل ہوں " قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَاء وَتَنزِعُ الْمُلْكَ مِمَّن تَشَاء وَتُعِزُّ مَن تَشَاء وَتُذِلُّ مَن تَشَاء "

میں:- اس کا مطلب یہ ہوا کہ تاریخ اسلام میں بادشاہوں اور کج کلاہوں کی وجہ سے کبھی واقع ہوئی ہو اللہ کی طرف سے تھی ۔ کیونکہ اللہ نے ہی انہیں حکومت عطا کرکے مسلمانوں پر مسلط کیا تھا ۔وہ:-جی ہاں یہی بات ہے ۔بعض نے اس آیت میں "امرنا" کو تشدید کے ساتھ پڑھا ہے یعنی "وإذا أردنا أن نهلك قريةً أمرنا مترفيها" مطلب یہ کہ ہم نے انہیں حاکم بنادیا ۔

میں :-(تعجب سے) اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے ہی چاہا تھا کہ ابن ملجم علی ع کو قتل کرے اور یزید کے ہاتھوں حسین بن علی کا قتل ہو ۔وہ :- (فتحمندانہ لہجے میں) جی ہاں ! بالکل ۔کیا آپ نے نہیں سنا کہ رسول اللہ ص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا تھا کہ . ر میں آنے والوں میں سب سے شقی وہ ہوگا جو تمہارے سر کو دو پارہ کرکے چہرے کو خون سے تر کردے گا ۔ اسی طرح رسول اللہ ص نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات بتادی تھی کہ سیدنا حسین ع کو کربلا میں قتل کردیا جائے گا ۔نیز آپ نے خبر بھی دی تھی کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے دوبڑے گروہوں میں صلح کرائیں گے اس طرح ہر شے ازل سے لکھی ہوئی ہے ۔ جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے اس سے انسان کو مفر نہیں ۔ اس طرح آپ ہار گئے ہیں میں نہیں ۔

میں کچھ دیر خاموش رہا ۔میں دیکھ رہا تھا کہ وہ پھولے نہیں سمارہے ہیں ۔کیونکہ بخیال خویش وہ میرے مقابلے میں جیت گئے تھے ۔ میں سوچ رہا تھا کہ ان حضرت کو کیسے سمجھاؤں کہ اللہ تعالی کو کسی واقعے کا علم ہونے کے قطعی یہ معنی نہیں کہ اللہ

نے وہ واقعہ تحریر میں لکھ دیا ہے یا لوگوں کو اس پر مجبور کر دیا ہے ۔ مجھے پتہ ہے معلوم تھا کہ یہ نظریہ ان صاحب کے دماغ میں بیٹھنا ممکن نہیں تھا ۔ اس لیے میں نے ایک اور سوال کیا کہ :کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ نئے اور پرانے سب بادشاہ اور وہ سب لوگ جو اسلام اور مسلمانوں سے لڑتے رہے ہیں ، اللہ کے مقرر کیے ہوئے ہیں ؟

وہ :- اس میں کیا شک ہے ۔

میں :- کیا وہ فرانسیسی آبادیاتی حکومت جس نے تیونس ، الجزائر اور مراکش پر قبضہ کر رکھا تھا ، وہ بھی اللہ کی طرف سے تھی ؟

وہ :- جی ہاں ! اور جب مقررہ وقت آیا تو فرانس ان ملکوں سے نکل گیا ۔

میں :- بہت خوب ! پھر آپ پہلے اہل سنت کے اس نظریہ کا دفاع کر رہے تھے کہ رسول اللہ ص نے وفات پائی مگر خلافت کا معاملہ شوری پر چھوڑ دیا کہ مسلمان جسے چاہیں خلیفہ بنالیں؟

وہ :- جی ہاں ! میں اب بھی اسی پر قائم ہوں اور انشااللہ قائم رہوں گا ۔

میں :- پھر آپ ان دونوں باتوں میں سے تطبیق دیتے ہیں : ایک اللہ کا اختیار اور دوسرے شوری کے ذریعے مسلمانوں کا اختیار؟

وہ جب مسلمانوں نے ابوبکر کو پسند کرلیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے بھی انہیں پسند کرلیا ۔

میں:- کیا سقیفہ میں خلیفہ کو منتخب کرنے کے بارے میں کوئی وحی نازل ہوئی تھی ؟

وہ :-استغفراللہ ! محمد ص کے بعد کوئی وحی نازل نہیں ہوئی ۔ یہ شیعوں کا عقیدہ ہے ۔

میں :- شیعوں کو اور ان کے باطل عقائد کو چھوڑیے ۔ آپ نے اپنے عقیدے کے مطابق ہمیں قائل کیجئے ۔ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی نے ابو بکر کو پسند کرلیا تھا؟

وہ :- اگر اللہ کا ارادہ کچھ اور ہوتا تو مسلمان اور سارا جہان مل کر بھی اللہ

کے ارادے کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا تھا۔اس وقت میں سمجھ گیا کہ یہ لوگ نہ سوچتے ہیں نہ قرآنی آیات پر غور کرتے ہیں ۔ ان کی رائے کبھی بھی کسی علمی نظر کے مطابق نہیں ہوسکتی ۔

اس پر مجھے ایک اور قصہ یاد آگیا :

ایک دن میں اپنے دوست کے ساتھ کھجور کے باغ میں ٹہل رہا تھا اور ہم قضا وقدر کے بارے میں باتیں کررہے تھے۔اتنے میں میرے سرپر ایک پکی ہوئی کھجور گری ۔میں نے اسے کھانے کے لیے گھاس پر سے اٹھا کر منہ میں رکھ لیا۔میرے دوست نے کہا : تم وہی چیز کھاسکتے ہو جو تمہارے نصیب میں ہو کیونکہ دانے دانے پر کھانے والے کا نام لکھا ہوتا ہے ۔

میں نے کہا : اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ لکھی ہوئی ہے تو پھر میں اسے نہیں کھاؤں گا یہ کہہ کر میں نے اسے پھینک دیا ۔

میرے دوست نے کہا: سبحان اللہ اگر کوئی چیز تمہارے نام پر لکھی ہوئی نہ ہو تو اللہ اسے تمہارے پیٹ میں سے بھی نکال لے گا ۔

میں نے کہا اگر یہ بات یہ ہے تو میں اسے کھالیتا ہوں ۔یہ کہہ کر میں نے دوبارہ اٹھالیا ۔ میں یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ اس کا ارادہ یا عدم ارادہ میرے اختیار میں ہے ۔میرا دوست مجھے دیکھتا رہا ، یہاں تک کہ میں اس کھجور کو چبا کر نگل گیا ۔ اس وقت میرے دوست نے کہا : دیکھا یہ تمہارے نام پر ہی لکھی ہوئی تھی اس طرح وہ اپنے خیال میں مجھ سے جیت گیا ۔ کیونکہ یہ تو ممکن نہیں تھا کہ اب میں اس کھجور کو پیٹ میں سے نکال لیتا ۔

جی ہاں ! اہل سنت کا قضا وقدر کے بارے میں یہی عقیدہ ہے یا یوں کہہ لیجیے کہ جب میں سنی تھا تو میرا بھی عقیدہ تھا ۔

قابل ذکر بات ہے کہ میں اس عقیدے کی وجہ سے جو فکری تضاد پر مبنی تھا پریشان رہتا تھا اور یہ بھی قابل ذکر بات ہے کہ اس عقیدے کی وجہ سے ہم لوگ جمود کا شکار ہیں ۔ ہم اسی انتظار میں رہتے ہیں کہ اللہ ہماری حالت بدل دے

ہم اپنی ذمہ داری سے بھاگتے ہیں اور اپنی ذمہ داری کو اللہ پر ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ اگر آپ کسی چور ، ڈاکو سے یا شرابی ،زانی اور جواری سے یا اس مجرم سے بات کریں جس کی نے نابالغ لڑکی کو اغوا کرکے اس سے اپنی شہوت کی آگ بجھانے کے بعد اسے قتل کردیا ہو،تو وہ یہی کہے گا کہ "وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے" میں کیا کرسکتا تھا ،میری تقدیر میں یہی لکھا تھا " ۔ یہ عجب خدا ہے جو پہلے تو انسان کو حکم دیتا ہے کہ اپنی بیٹی کو زندہ دفن کردے ۔پھر پوچھتا ہے کہ " بأيّ ذنبٍ قتلت" یہ بھی جان لیجیے کہ ان باتوں کی وجہ سے مغربی مفکرین اور دانشور ہمیں حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ہماری کم سمجھی پر ہنستے ہیں ۔ اہل یورپ اسی عقیدہ تقدیر کو عربوں کی جہالت اور ان کی پس ماندگی کا خاص سبب بتلاتے ہیں ۔ یہ بھی قدرتی امر ہے کہ محققین نے دریافت کیا ہے کہ اس عقیدہ کو اموی حکمرانوں نے رواج دیا ۔ وہ کہتے تھے چونکہ اللہ تعالی نے انہیں حکومت عطا کی ہے ، اس لیے ان کی اطاعت فرض ہے ،جس نے ان کی اطاعت کی ، اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جو ان کی مخالفت کرتا ہے وہ باغی ہے اور بغاوت کی سزاموت ہے ۔ اسلامی تاریخ میں اس کے متعدد شواہد موجود ہیں ۔

عثمان بن عفان ہی کی مثال لیں ۔ جب لوگوں نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ خلافت سے دستبردار ہوجائیں ، تو انھوں نے کہا کہ میں وہ قمیص نہیں اتاروں گا جو اللہ نے مجھے پہنائی ہے ۔ [1] گویا ان کی رائے کے مطابق خلافت وہ لباس تھا جو اللہ نے انہیں پہنایا تھا کسی کو حق نہیں تھا کہ وہ یہ لباس ان سے چھین لے ، بجز اللہ تعالی کے کہ وہی یہ لباس اتار سکتا ہے یعنی ان کی موت کی صورت میں ۔ اسی طرح معاویہ بن ابی سفیان نے اپنے ایک "خطبے میں کہا تھا کہ " میں نے تم سے اس لیے جنگ نہیں کی تھی کہ تم نماز پڑھو ،روزے رکھو یا حج کرو اور زکات دو ۔ میں نے تو اس لیے جنگ کی تھی کہ تم پر حکومت

----

(1): دیکھئے طبری اور تاریخ ابن اثیر " عثمان کا محاصرہ"

کروں ۔اللہ نے میری یہ خواہش پوری کردی حالانکہ تمہیں یہ بات ناگوار ہے "۔

یہ عثمان سے بھی ایک قدم آگے ہیں ۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالی پر الزام ہے کہ اس نے مسلمانوں کے قتل میں مدد دی ۔

معاویہ کا یہ خطبہ مشہور ہے ۔[1]

لوگوں کی مرضی کے خلاف یزید کو زبردستی ولی عہد مقرر کرتے وقت بھی معاویہ نے یہی دعوی کیا تھا کہ اللہ نے یزید کو میرا جانشین بنادیا ہے ۔ مورخین نے معاویہ کا وہ مکتوب نقل کیا ہے جو اس نے اس موقع پر چہار طرف بھیجا تھا ۔ والی مدینہ مروان بن حکم کو لکھا تھا کہ

"اللہ نے میری زبان سے بیعت یزید کا فیصلہ صادر کرادیا ہے "[2]

جب امام زین العابدین ع کو زنجیروں میں باندھ کر فاسق وفاجر ابن زیاد کے سامنے لے جایا گیا تو ان نے پوچھا یہ کون ہے ؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ علی بن الحسین ع ہیں ۔ اس نے کہا : کیا اللہ نے حسین بن علی کو ہلاک نہیں کردیا ؟ امام زین العابدین ع کی پھوپھی جناب زینب نے جواب دیا : نہیں ! انہیں نے اللہ اور اس کے رسول ص کے دشمنوں نے قتل کردیا ہے ۔ ابن زیاد نے کہا: دیکھا! اللہ نے تمہارے گھروالوں کے ساتھ کیا کیا ؟ اس پر جناب زینب نے کہا : میں نے تو جو کچھ دیکھا اچھا ہی دیکھا ہے ۔ اللہ نے ان کے لیے قتل ہونا لکھا تھا سو وہ اپنی قبروں میں جا سوئے عنقریب اللہ تجھے اور انہیں ایک جگہ جمع کرے گا وہاں دیکھ لینا کیا ہوتا ہے تیری ماں تجھ پر روئے اے ابن مرجانہ ![3]

اس طرح یہ عقیدہ بنی امیہ اور ان کے حامیوں سے پھیل کر امت اسلامیہ میں پھیل گیا ۔

----

(1):- ابو الفرج اصفہانی ، مقاتل الطالبیین صفحہ 70 ۔حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ جلد 8 صفحہ 131 ۔شرح نہج البلاغہ جلد3 صفحہ 16

(2):- ابن قتیبہ ،الامامہ والسیاسہ جلد1 صفحہ 151

(3):- ابوالفرج اصفہانی ، مقاتل الطالبیین مقتل حسین۔

قضا وقدر کے بارے میں شیعہ عقیدہ

بہت سے شیعہ علماء[1] سے میری واقفیت ہوئی اور میں نے ان کی کتابیں پڑھیں، قضاوقدر کے بارے میں بالکل نیا علم مجھ پر منکشف ہوگیا۔ ایک مرتبہ کسی نے امام علی علیہ السلام سے قضاوقدر کے بارے میں پوچھا تو آپ نے غیر مبہم، صاف اور جامع الفاظ میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

"افسوس! شاید تم یہ سمجھتے ہو کہ قضاوقدر نے لازمی اور حتمی فیصلہ کردیا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر جزا وسزا کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا اور نہ وعدہ وعید کا کچھ مطلب ہوتا۔ اللہ نے اپنے بندوں کو جن کاموں کا حکم دیا ہے، ان کا اختیار بھی دیا ہے اور جن کاموں سے منع کیا ہے، ان کا نتیجہ بھی بتلادیا ہے اللہ نے انسان کو تھوڑے سے کام کا مکلف ٹھہرایا ہے اور کوئی مشکل کام نہیں بتلایا۔ پھر یہ کہ تھوڑے کام پر بہت زیادہ اجر کا وعدہ کیا ہے۔ نہ کوئی اللہ کی نافرمانی پر مجبور ہے اور نہ کسی پر اس کی اطاعت کے لیے زبردستی ہے۔ اس نے انبیاء کو کھیل کے طور نہیں بھیجا اور کتابوں کو فضول نہیں اتارا۔ اس نے آسمانوں کو زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ یہ تو کافروں کا گمان ہے۔ ان کافروں کی تو دوزخ میں شامت آجائے گی۔"[2]

یہ بیان کتنا واضح اور کتنا غیر مبہم ہے۔ میں نے اس موضوع پر اس سے جامع اور قاطع بیان اور حقیقت کے اظہار میں اس سے بہتر دلیل نہیں دیکھی۔ اللہ

----

(1):- بہت آیت اللہ محمد باقر صدر جن سے میں خوب استفادہ کیا۔ آیت اللہ سید ابوالقاسم خوئی، علامہ علی طباطبائی اورسید حکیم وغیرہ۔

(2):- شیخ محمد عبدہ، شرح نہج البلاغہ جلد 4 صفحہ 673

نے ہمیں حکم دیا لیکن اسے نہیں ۔ نہ اننے کا اختیار بھی دیا ہے ۔

یہی مطلب ہے اس کا کہ اللہ نے اپنے بندوں کو جن کاموں کا حکم دیا ہے ان کا اختیار بھی دیا ہے ۔ اسی طرح جن کاموں سے اللہ سبحانہ نے منع کیا ہے ان کے بارے میں تنبیہ بھی کردی ہے کہ اس قانون کی خلاف ورزی کس صورت میں وہ سزا کا مستحق ہوگا ۔امام علی علیہ السلام نے اس مسئلے کی یہ کہہ کر مزید وضیح فلوی ہے کہ ۔ نہ کوئی اللہ کی نافرمانی پر مجبور کرنا چاہتا تو اس سے کون جیت سکتا لیکن اللہ تعالی نے خود اپنے بندوں کو اطاعت اور نافرمانوں کی طاقت اور اختیار دے دیا ہے ۔جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے :

"وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ "

آپ کہہ دیجیے کے حق تمہارے پروردگار کا طرف سے آپکا ہے اب جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کافر رہے ۔(سورہ کہف ۔آیت 29)

اس کے بعد امام انسانی ضمیر کو مخاطب کرتے ہیں تاکہ یہ بات دل کی گہرائیوں تک اتر جائے ۔ آپ فرماتے ہیں کہ "انسان اپنے افعال میں مجبور ہوتا تو انبیاء کا بھیجا جانا اور کتب وحی کا نازل کیا جانا محض ایک مذاق ہوتا ،جس سے اللہ رسل شافہ پاک ہے ۔کیونکہ آنا اور کتب وحی کا نازل ہونا محض لوگوں کی اصلاح ،ان کی روحانی بیماریوں کے علاج اور کامیاب زندگی گزارنے کے بہترین طریقے کی وضاحت کے لیے ہے ۔"

اللہ تعالی فرماتا ہے :

"إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يِهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ "

بیشک یہ قرآن ایسے طریقے کی ہدایت کرتا ہے جو بالکل سیدھا

ہے "۔ (سورہ بنی اسرائیل ،آیت 9)

امام علیؑ اپنی بات کو یہ کہہ کر ختم کرتے ہیں کہ

"عقیدہ جبر کے یہ معنی ہیں کہ زمین وآسمان اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اس کو بے کار پیدا کیا گیا ہے حالانکہ ایسا کہنا کفر ہے جس پر اللہ تعالی نے عذاب جہنم کی دھمکی دی ہے "

جب ہم قضا وقدر کے بارے میں شیعہ نظریہ کا موازنہ کرتے ہیں تو اسے مناسب اور معقول پاتے ہیں جب کہ ان کے مقابل میں ایک گروہ نے تفریط سے کام لیا اور وہ جبر کا قائل ہوگیا ، دوسرے نے افراط سے کام لیا اور وہ تفویض کا قائل ہوگیا ۔

پھر عقائد کی درستگی کے لیے ائمہ آئے تو انھوں نے ان دونوں فریقوں کو حق کا راستہ دکھایا اور کہا کہ

"لاجبرولاتفویض ولکن أمرٌ بین الامرین "

کام نہ جبر ہے نہ تفویض بلکہ حقیقت ان دونوں کے درمیان ہے ۔ امام صادق علیہ السلام نے بات کو ایک ایسی سادہ مثال سے سمجھایا ہے جس کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے اور جو ہر شخص کی عقل کے مطابق ہے ۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ آپ کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ "نہ جبر ہے نہ تفویض بلکہ ان دونوں کے دومیان ایک چیز ؟" آپ نے اس کے جواب میں کہا تمہارے زمین پر چلنے اور زمین پر گرنے فرق ہے ۔ مطلب یہ تھا کہ زمین پر ہم اپنے اختیار سے چلتے ہیں لیکن جب ہم گرتے ہیں تو یہ گرنا ہمارے اختیار میں نہیں ہوتا کیونکہ ہم میں سے کوئی بھی گرنا نہیں چاہتا ۔کون چاہے گا کہ گرے تاکہ اس کی کوئی ہڈی پسلی ٹوٹ جائے اور وہ معذور ہوجائے ؟

اس لیے قضا وقدر جبر وتفویض کے درمیان ایک چیز ہے ۔یعنی کچھ کام ایسے ہیں جو ہم اپنے ارادے اور اختیار سے کرتے ہیں ، اور کچھ کام ایسے ہیں جن پر ہمارا بس نہیں چلتا اور اگر ہم ان کو روکنا بھی چاہیں تو روک نہیں سکتے

ــــــــــگا اور دوسری قسم کے کاموں کا حساب

نہیں ہوگا ۔اس طرح انسان کو بیک وقت اختیار ہے بھی اور نہیں بھی ۔

الف :- جن کاموں کا انسان کو اختیار ہے وہ ان کو سوچ سمجھ کر کرتا ہے ۔ کیونکہ اسے فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ آیا وہ اس کام کو کرے یا نہ کرے ۔اسی کی طرف اللہ تعالی نے اس آیت میں اشارہ کیا ہے:

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا () فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا () قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا () وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا ()"

قسم ہے جان کی اور جس نے اسے درست کیا ، پھر نیکی اور بدی کی دونوں راہیں اسے بتادیں ۔ وہ یقینا بامراد ہوگیا جس نے اپنی جان کو پاک کرلیا ۔اور وہ یقینا نامراد ہوا جس نے اسے گناہ کرکے دبا دیا ۔(سورہ شمس ۔آیت 7تا 10)

نفس کو پاک کرنا یا نہ کرنا نتیجہ ہے اس کا کہ انسانی ضمیر کو اختیار حاصل ہے ۔ اسی طرح کامیابی اور نامرادی منطقی نتیجہ ہے اختیار کے استعمال کا ۔

ب:- جن کاموں کا انسانوں کو اختیار نہیں وہ ،وہ قوانین فطرت ہیں جو کلی طور پر اللہ کی مشیت کرتا ہیں ۔ مثلا مرد ہونا یا عورت ہونا انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہے نہ اس کا رنگ روپ اس کے اپنے اختیار میں ہے ، نہ یہ اس کے بس میں ہے کہ اس کے ماں باپ کون ہوں ، وہ غریب گھرانے میں پیدا ہو یا خوشحال گھرانے میں ہے نہ اس کا اپنے قدوقامت پر کنٹرول ہے ، نہ اپنی شکل وصورت پر اختیار ہے ۔

انسان متعدد زبردست عوامل کرتا ہے جیسے موروثی امراض یا طبعی قوانین جو اس کے فائدے کے لیے کام کرتے ہیں اور اسے ان کے سلسلے میں کوئی مشقت برداشت نہیں کرنی پڑتی ۔ چنانچہ انسان جب تھک جاتا ہے تو اسے نیند آجاتی ہے اور وہ سوجاتا ہے اورجب آرام کرچکتا ہے تو جاگ جاتا ہے جب بھوک لگتی ہے تو کھانا کھاتا ہے اورجب پیاس لگتی ہے تو پانی پیتا ہے ۔ جب خوش ہوتا ہے کھلکھلا اٹھتا ہے ، ہنستا ہے اورجب غمگین ہوتا ہے ، پژمردہ ہوجاتا ہے روتا ہے ۔ اس کے جسم کے اندر فیکٹریاں اور ورکشاپیں کام کررہی ہیں ۔ جو

ہارمون ، زندہ خلیے اور سیال ادے بناتی ہیں اور ساتھ ہی جسم کی عجب متوازن طریقے سے تعمیر کرتی ہیں ۔ یہ سب کچھ اس طرح ہوتا ہے کہ انسان کو احساس بھی نہیں ہوپاتا کہ خالق ہر لحظہ اس کے ہوئے ہے ، اس کی زندگی میں بھی بلکہ مرنے کے بعد بھی ۔ اس سلسلے میں اللہ تعالی کا ارشادہے :

" أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَن يُتْرَكَ سُدًى () أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّن مَّنِيٍّ يُمْنَى () ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّى () فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَى () أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقَادِرٍ عَلَى أَن يُحْيِيَ الْمَوْتَى"

کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اسے یونہی چھوڑدیا جائے گا ؟ کیا یہ ایک قطرہ منی نہ تھا جو ٹپکایا تھا ۔ پھر وہ خون کا لوتھڑا ہوگیا ۔ پھر اللہ نے اسے بنایا اور درست کیا ۔ پھر اس کی دو قسمیں کردیں مرد اور عورت ۔ تو کیا اللہ اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو زندہ کردے ۔(سورہ قیامت آیات 36 تا 40)

ہم کہتے ہیں اے ہمارے پالنہار ! تونے ہی ہمیں پیدا کیا اور ہمارے اعضاء کو درست کیا ۔ تو ہی موت دے گا اور تو ہی پھر زندہ کرے گا ۔ پھٹکار ان پر جو تیری مخالفت کرتے ہیں اور تجھ سے دوری اختیار کرتے ہیں انھوں نے تجھے نہیں پہچانا ۔ ہم اس بحث کو امام علی رضا کے ایک قول پر ختم کرتے ہیں ۔ مامون الرشید کے عہد میں جب کہ ابھی آپ کی عمر پورے چودہ سال بھی نہیں تھی کہ آپ کو اپنے زمانے کا سب سے بڑا عالم تسلیم کرلیاگیا تھا ۔[1]

ایک دفعہ کسی شخص نے آپ سے آپ کے دادا امام جعفر صادق ع کے اس قول کے معنی پوچھے کہ

"لاجبرولاتفويض ولكن أمرٌ بين الامرين "

کو آپ نے فرمایا : جو شخص یہ کہتا ہے کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ کرتا ہے پھر اللہ ان افعال پر ہمیں عذاب بھی دیتا ہے ، وہ جبر کا قائل ہے ۔اور جو شخص

----

(1):- ابن عبد ربہ اندلسی ، العقد الفرید جلد 3 صفحہ 42

یہ کہتا ہے کہ اللہ نے پیدا کرنے اور رزق دینے کا کام اماموں کے سپرد کردیا ہے ، وہ تفویض کا قائل ہے ۔ جو شخص جبر کا قائل ہے وہ کافر ہے اور جو تفویض کا قائل ہے وہ مشرک ہے۔

"الأمرُ بین الامرین" کے معنی ہیں ان افعال کو بجا لانا جن کا اللہ نے حکم دیا ہے اور افعال سے بچنا جن سے اس منع کیا ہے ۔بہ الفاظ دیگر اللہ تعالی نے انسان کو یہ قدرت بخشی ہے کہ وہ برائی کرے یا نہ کرے ۔ساتھ ہی اسے برائی سے منع کیا ہے ۔ اسی طرح اسے یہ بھی قدرت بخشی ہے کہ وہ نیکی کا کام کرے یا نہ کرے ۔لیکن اسے نیکی کے کام کرنے کا حکم دیا ہے ۔

جان عزیز کی قسم ! قضا وقدر کے بارے میں امام ضامن کا یہ بیان کافی وشافی ہے ،جس کو ہر شخص تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ سمجھ سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا ۔ جب آپ نے آئمہ کے بارے میں کہا :

"ان سے آگے نہ بڑھنا اور ان سے پیچھے نہ رہنا ورنہ ہلاک ہوجاؤگے اور ان کو سکھانے کی کوشش نہ کرنا کیونکہ وہ تم سے زیادہ جانتے ہیں "(1)

قضا وقدر کی بحث کے ضمن میں خلافت پر تبصرہ

اس سلسلے میں دلچسپ بات یہ ہے کہ اگر چہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ جو تقدیر میں لکھا ہے وہ ہوکر رہتا ہے ۔اوربندوں کے اعمال اللہ چلاتا ہے اور بندوں کو اس ضمن میں کوئی اختیار نہیں ۔ لیکن خلافت کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ اسے رسول اللہ ص نے شوری پرچھوڑدیا تھا ۔ کہ لوگ جس کو پسند

----

(1):- ابن حجر ،صواعق المحرقہ صفحہ 148 ۔ہیثمی ،مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 163 ۔سلیمان قندوزی ،ینابیع المودۃ صفحہ 41 ۔ سیوطی ،درالمنثور جلد 2 صفحہ 60 ۔ علی متقی ہندی کنزالعمال جلد 1 صفحہ 168

ابن اثیر اسدالغابہ جلد 3 صفحہ 137 ۔ حامد حسین عبقات الانوار جلد 1 صفحہ 184

کریں اسے خلیفہ بنالیں ۔

اس کے بالکل برعکس ، اگر چہ شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان کو اپنے سب اعمال کا اختیار ہے اوراللہ کے بندے جو چاہتے ہیں کرتے ہیں ۔ مگر خلافت کے بارے میں میں وہ کہتے ہیں کہ یہاں بندوں کو پسند کا کوئی حق نہیں ۔

پہلی نظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل سنت کے نقطہ نظر میں بھی تضاد ہے اور اہل تشیع کے نقطہ نظر میں بھی تضاد ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے ۔

جب اہل سنت یہ کہتے ہیں "اللہ اپنے بندوں کے اعمال چلاتا ہے "تو ان کا یہ قول فی الواقع جو کچھ ہوتا ہے اس سے متضاد ہے ۔ کیونکہ ان کے خیال کے مطابق اگر چہ اصل اختیار اللہ کو ہے لیکن ظاہری طورپر کچھ اختیار بندوں کو بھی ہے چنانچہ بروز سقیفہ بظاہر تو ابو بکر کو عمر اور دوسرے بعض صحابہ نے منتخب کیا تھا ، لیکن درحقیقت وہ اللہ کے حکم کو عملی جامہ پہنا رہے تھے اور ان کی حیثیت اہل سنت کے خیال کے مطابق محض ایک واسطے کی تھی اس سے زیادہ کچھ نہیں ۔

اس کے بر خلاف شیعہ جب یہ کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ نے اپنے بندوں کو ان کے افعال کا اختیار دیا ہے تو ان کے اس قول میں اور اس قول میں کہ خلافت کے معاملے میں اختیار صرف اللہ کو ہے ، کوئی تضاد نہیں ہوتا ۔ کیونکہ نبوت کی طرح خلافت بھی بندوں کا عمل نہیں اور نہ اس کو طے کرنا ان کے سپرد ہے ۔جس طرح اللہ تعالی اپنے رسول کو انسانوں میں سے پسند کرکے مبعوث فرماتا ہے، بالکل یہی صورت خلیفہ رسول کی ہے۔لوگوں کو اختیار ہے کہ وہ اللہ کے حکم کی تعمیل کریں یا اس کی نافرمانی کریں ۔ خود انبیاء کی زندگی میں ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا ہے ۔اللہ کی پسند کے بارے میں بھی بندوں کو آزادی ہے ۔نیک اور مومن اللہ کی پسند کو قبول کرتے ہیں ۔ اور کفران نعمت کرنے والے اللہ کی پسند کو قبول کرنے سے انکار کرتے اور اس کے خلاف بغاوت اور سرکشی کرتے ہیں۔ اللہ تعالی فرماتا ہے :

" فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى () وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكاً وَنَحْشُرُهُ

يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى () قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَى وَقَدْ كُنتُ بَصِيراً ()قَالَ كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذَلِكَ الْيَوْمَ تُنسَى "

جو کوئ میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ بھٹکے گا اور نہ تکلیف میں پڑے گا اور جو کوئ میری نصیحت سے منہ موڑے گا اس کے لیے تنگی کا جینا ہوگا اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا اٹھائیں گے ۔ وہ کہے گا اے میرے پروردگار ! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا میں تو آنکھوں والا تھا؟ اللہ کہے گا : یہ تو ٹھیک ہے لیکن تیرے پاس ہماری نشانیاں پہنچی تھیں اور تو نے انہیں بھلادیا تھا ۔ اسی طرح آج ہم تجھے بھلادیں گے"۔(سورہ طہ آیات 123-126)

پھر اہل سنت والجماعت کا نظریہ اس خاص مسئلے یعنی خلافت کے بارے میں دیکھیے ۔وہ کسی فریق کو بھی الزام نہیں دیتے ۔کیونکہ جو کچھ ہوا اور جتنا خون بہایا گیا اور جو بھی بدعنوانیاں ہوئیں ، سب اللہ کی طرف سے تھیں ۔ ایک شخص نے جو صاحب علم ہونے کا مدعی تھا مجھ سے کہا تھا :

"ولو شاء ربّك ما فعلوه"

اگر تیرا پروردگار نہ چاہتا تو وہ یہ سب ،کچھ نہ کرتے ،

لیکن شیعہ نظریہ یہ ہے کہ ہر اس شخص کو ذمہ داری اٹھانی پڑے گی جو بھی کجروی کا سبب بنا اور جس نے بھی اللہ کی نافرانی کی اس پر نہ صرف اپنی غلطی کا بوجھ اٹھانا ہوگا بلکہ ان کی غلطیوں کا بھی جو قیامت تک اس کا اتباع کریں گے ،کیونکہ

"كلّكم راعٍ وكلّكم مسئولٌ عن رّعيّته"

*****

رسول ص کے ترکہ کے بارے میں اختلاف

گزشتہ مباحث سے ہمیں یہ معلوم ہوگیا ہے کہ خلافت کے بارے میں اہلسنت کی کیا رائے ہے ، اور شیعوں کی کیا رائے ہے ، اور ہر فریق کے قول کے بموجب رسول اللہ ص نے اس سلسلے میں کیا اقدام کیا تھا ۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے : کیا رسول اللہ نے کوئی ایسی قابل اعتماد چیز چھوڑی ہے جس کی طرف اختلاف کی صورت میں رجوع کیاجائے ، کیونکہ اختلاف کا ہونا فطری ہے . جیسا کہ خود کتاب اللہ سے معلوم ہوتا ہے :

" يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلاً "

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی اور ان کی جو تم میں سے اولی الامر ہیں ۔ اگر تم میں کسی بات پر کوئی نزاع پیدا ہو تو اس کو لوٹادو اللہ اور رسول کی طرف ، اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور روز آخرت پر ۔یہ طریقہ اچھا ہے اور اس کا انجام بہتر ہے۔(سورہ نساء ۔آیت 59)

جی ہاں ! رسول اللہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ امت کےلیے کوئی ایسی بنیاد چھوڑ جائیں جو امت کے لیے سہارے کا کام دے ۔ رسول اللہ ص تو رحمت للعالمین تھے ۔ ان کی شدید خواہش تھی کہ ان کی امت دنیا میں بہترین امت ہو اور آپ کے بعد اس میں اختلاف پیدا نہ ہو ۔ اسی لیے صحابہ اور محدثین سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا :

میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں ۔ تم جب تک ان کو تھامے رہوگے میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہوگے کتاب اللہ اور میرے اہل بیت ۔یہ دونوں ایک دوسرے سے

کبھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض پر پہنچ جائیں گے ۔ دیکھنا یہ ہے کہ تم میرے بعد ان کے ساتھ یسا سلوک کرتے ہو ۔

یہ صحیح حدیث ہے اور فریقین کے محدثین نے اپنی کتابوں میں تیس سے زیادہ صحابہ کے حوالے سے اسے روایت کیا ہے ۔

چونکہ میری عادت ہے کہ میں وشمن کی کتابوں اور شیعہ علماء کے اقوال سے استدلال نہیں کیا کرتا ۔ اس لیے میرے لیے ضروری ہے کہ میں ان علماء اہل سنت کے نام گنواؤں جنھوں نے اس حدیث ثقلین کی صحت کا اعتراف کیا ہے اور اسے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے ۔ اگر چہ انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ شیعہ اقوال سے بھی استدلال کیاجائے ۔ بہر حال یہ ہے مختصر فہرست ان علمائے اہل سنت کی ، جنھوں نے اس حدیث کو روایت کیا ہے :

1:- مسلم بن حجاج نیشاپوری ، صحیح مسلم فضائل علی بن ابی طالب ع جز 7 صفحہ 122۔

2:- محمد بن عیسی سلمی ترمذی ،جامع الترمذی جز 5 صفحہ 328۔

3:- احمد بن شعیب بن علی نسائی " خصائص امیر المومنین صفحہ 21۔

4:- احمد بن محمد بن حنبل مسند احمد جز 3 صفحہ 17

5:- محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری المستدرک علی الصحیحین ، جز 3 صفحہ 109۔

6:- علاء الدین علی متقی ہندی کنز العمال من سنن الاقوال والافعال جز 1 صفحہ 154۔

7:- محمد بن سعد زہری بصری الطبقات الکبری جز 2 صفحہ 194۔

8:- عزالدین ابن اثیر جزری جامع الاصول جز 1 صفحہ 187۔

9:- حافظ جلال الدین سیوطی الجامع الصغیر جز 1 صفحہ 353۔

10:- حافظ نورالدین علی بن ابی بکر ، ہیثمی مجمع الزوائد ومنبع الفوائد جز 9 صفحہ 163

11:- نبہانی الفتح الکبیر جلد 1 صفحہ 451۔

12:- عزالدین ابن اثیر جزری اسدالغابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد 2 صفحہ 12۔

13:- علی بن حسین دمشقی المعروف بہ ابن عساکر تاریخ مدینہ دمشق جلد 5 صفحہ 436۔

14:- اسماعیل بن عمر المعروف بہ ابن کثیر تفسیر القرآن العظیم جلد 4 صفحہ 113۔

15:- منصور علی ناصف التاج الجامع للاصول جلد 3 صفحہ 308۔

ان کے علاوہ ابن حجر نے اپنی کتاب صواعق محرقہ میں اس حدیث کو بیان کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے نیز ذہبی نے بھی تلخیص میں اسے علی شرط الشیخین (بخاری و مسلم) صحیح قرار دیا ہے ۔خوارزمی حنفی اور ابن مغازلی شافعی نے بھی یہ روایت بیان کی ہے ۔ ۔ طبرانی نے اپنی کتاب معجم میں اسے نقل کیا ہے ۔علاوہ ازیں سیرت حلبیہ کے حاشیہ پر ، سیرت نبویہ میں اور ینابیع المودہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے ۔

کیا اس کے بعد بھی کوئی دعوی کرسکتا ہے کہ حدیث ثقلین کتاب اللہ وعترتی اہل بیتی)سے اہل سنت واقف نہیں ، یہ شیعوں کی وضع کی ہوئی ، احادیث میں سے ہے ، تعصب تنگ نظری ،فکری جمود اورجاہلانہ کٹرپن پر خدا کی مار !

صحیح بات یہ ہے کہ حدیث ثقلین جس میں رسول اللہ ص نے کتاب اللہ اور عترت طاہرہ سے وابستہ وپیوستہ رہنے کی وصیت کی ہے وہ اہل سنت کے نزدیک بھی صحیح حدیث ہے اور شیعوں کے یہاں تو اور بھی زیادہ تواتر اور صحت سند کے ساتھ

ائمہ طاہرین سے منقول ہے ۔پھر نہیں معلوم بعض لوگ کیوں اس حدیث میں شک پیدا کرتے اور اپنی سی پوری کوشش کرتے ہیں کہ اس کے الفاظ کو کتاب اللہ وسنتی سے بدل دیں ۔ اس کے باوجود مفتاح کنوز السنۃ "نامی کتاب کے صفحہ 478 پر مصنف نے وصیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم بکتاب اللہ وسنۃ رسولہ " کا عنوان بخاری ومسلم ،ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالے سے باندھا ہے لیکن اگر آپ ان چاروں کتابوں میں یہ حدیث تلاش کریں تو اس کا دور دور تک پتہ نہیں چلے گا۔ بخاری میں ایک عنوان البتہ ہے کہ" کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ "[1] لیکن اس عنوان کے تحت بھی کتاب میں اس حدیث کا وجود نہیں ۔

زیادہ سے زیادہ بخاری میں ایک حدیث ملتی ہے کہ :

طلحہ بن مصرف کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ وصیت فرمائی تھی ،انھوں نے کہا: نہیں ۔ میں نے کہا پھر باقی سب لوگوں کو وصیت کا حکم کیوں ہے ؟ عبداللہ بن ابی اوفی نے کہا : آپ نے کتاب اللہ کے متعلق وصیت کی تھی [2]۔

لیکن یہاں بھی اس حدیث کا وجود نہیں کہ رسول اللہ ص نے فرمایا :

"تركت فيكم الثّقلين كتاب الله وسنتي".

میں تم میں دوگراں قدر چیزیں چھوڑرہا ہوں ، ایک کتاب اللہ ،دوسرے میری سنت ۔

اگر فرض کرلیا جائے کہ کسی کتاب میں یہ حدیث موجود بھی ہے جب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا ۔اجماع حدیث کے دوسرے الفاظ پر ہے ۔ جیسا کہ اوپر گزر چکا ۔علاوہ ازیں اگر ہم کتاب اللہ وسنتی والی حدیث پر ذرا غور کریں تو مختلف وجوہ سے یہ حدیث واقعات کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتی۔نہ عقلاً نہ نقلاً :

----

(1):- صحیح بخاری جز 8 صفحہ 137۔

(2):- صحیح بخاری جز 3 صفحہ 168۔

پہلی وجہ : مورخین اور محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ص نے اپنی احادیث کی کتابت سے منع فرمایا تھا۔ آپ کے زمانے میں کسی کو سنت نبوی کو مدون کرنے کی اجازت نہیں تھی ۔ اس لیے یہ بات دل کو نہیں لگتی کہ آپ نے "ترکت فیکم الثّقلین کتاب اللہ وسنتي" فرمایا ہوگا۔ اس کے برخلاف جہاں تک کتاب اللہ کا تعلق ہے وہ لکھی ہوئی موجود تھی۔ کاتبان وحی اس کے لکھنے پر مامور تھے نیز اسے صحابہ یاد کرتے تھے ، وہ سینوں میں محفوظ تھی اس لیے ہر صحابی کے لیے یہ ممکن تھا کہ کتاب اللہ سے رجوع کرے ، خواہ وہ حافظ قرآن ہو یا نہ ہو۔جہاں تک سنت نبوی کا تعلق ہے وہ آپ کے زمانے میں لکھی ہوئی نہیں تھی نیز آپ کے زمانے میں کوئی احادیث کا مجموعہ تحریری شکل میں موجود تھا ، جیسا کہ معلوم ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ سنت نبوی میں آنحضرت ص کے اقوال ، افعال اور وہ تمام امور شامل ہیں جن کی آپ نے عملا تصویب کی ہو یعنی صحابہ کو کرتے دیکھ کر منع نہ کیا ہو ۔ یہ بھی معلوم ہے کہ آپ صحابہ کو خاص طور پر سنت نبوی سکھانے کے لیے کبھی جمع نہیں کیا کرتے تھے بلکہ مختلف موقعوں کی مناسبت سے فتوے فرماتے رہتے تھے ۔ ان موقعوں پر کچھ اصحاب موجود ہوتے تھے اور کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا تھا کہ اس وقت آپ کے ساتھ صرف ایک ہی صحابی ہوں ۔تو ایسی صورت میں یہ کیسے ممکن تھا کہ رسول اللہ ص یہ فرمادیتے کہ میں تمہارے درمیان اپنی سنت چھوڑ رہا ہوں ۔

دوسری وجہ : جب وفات سے تین دن قبل رسول اللہ ص کے مرض میں اضافہ ہوگیا اور تکلیف شدید ہوئی تو آپ نے موجودین سے فرمایا کہ شانے کی ہڈی اور دوات لے آؤ میں کچھ لکھوں تاکہ تم پھر کبھی گمراہ نہ ہو ۔ لیکن عمر بن خطاب نے کہا : "حسبنا کتاب اللہ "[(1)](ہمارے لیے کتاب اللہ کافی ہے) اگر اس سے پہلے رسول اللہ ص یہ فرما چکے ہوتے کہ : "ترکت فیکم الثّقلین کتاب اللہ وسنتي"تو اس صورت میں عمر بن خطاب کے لیے یہ کہنا کسی طرح جائز نہیں تھا کیونکہ اس

----

(1):- صحیح بخاری ۔ باب مرض النبي ووفاته جلد 5 صفحہ 138 صحیح مسلم جلد 2 کتاب الوصیۃ

کے معنی یہ ہوتے کہ وہ اور دوسرے صحابہ جنھوں نے انکی تائید کی تھی ، رسول اللہ ص کی تردید کررہے ہیں جب کہ معلوم ہے کہ رسول اللہ کی تردید کرنے والا بلاشبہ کافر ہے ۔ میرے خیال میں اہل سنت واجماعت کو یہ بات کبھی بھی پسند نہیں ہوں ۔ اس کے ساتھ یہ بھی اضافہ کرلیجیے کہ عمر بن خطاب نے خود احادیث بیان کرنے پر پابندی عائد کررکھی تھی ۔ اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ یہ حدیث اہل بیت ع کے کسی مخالف کی گھڑی (1) ہوئی ہے اور غالبا اہل بیت ع کو خلافت سے محروم کرنے کے بعد گھڑی گئی ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے یہ حدیث وضع کی ہے وہ خود حیران تھا کہ کیا بات ہے کہ کتاب اللہ سے تو لوگ تمسک کرتے ہیں مگر عترت کو چھوڑ کر دوسروں کی پیروی کرنے لگے ہیں ۔ اس لیے اس نے سوچا کہ وہ حدیث گھڑ کر ان لوگوں کی روش کے لیے ایک وجہ جواز مہیا کردے تاکہ صحابہ پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ انھوں نے رسول اللہ ص کی وصیت پر عمل کیوں نہیں کیا اور اس کے برخلاف کیوں کیا ۔

تیسری وجہ : ہمیں معلوم ہے کہ اپنی خلافت کے اوائل میں ابو بکر کو جس مسئلے سے سب سے پہلے دوچار ہونا پڑا وہ ان کا یہ فیصلہ تھا کہ مانعین زکات سے جنگ کی جائے ۔ عمر بن خطاب نے اس فیصلے کی مخالفت کی اور دلیل کے طور پر کہا تھا کہ رسول اللہ ص نے فرمایا ہے کہ

جو توحید ورسالت کی گواہی دے اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہے اس کی جان اور اس کا مال میری طرف سے محفوظ ہے ، بجز اس کے کہ کسی حق کی وجہ سے ہو اور اس کا حساب اللہ پر ہے ۔

اگر سنت رسول ص کوئی معلوم شے ہوتی تو ابوبکر اس سے ناواقف نہیں ہوسکتے تھے۔ ان کو تو سب سے پہلے اس کا علم ہونا چاہیے تھا ۔ بہر حال عمر ان حدیث کی اس تاویل سے مطمئن ہوگئے جو ابوبکر نے کی ۔ اورابو بکر کی یہ بات تسلیم کرلی کہ زکات مال کا حق ہے ۔لیکن رسول اللہ ص کی وہ فعلی

----

(1):- احادیث کی گھڑنت کے بارے مین علامہ مرتضی عسکری کی کتاب "احیائے دین مین ائمہ اہلبیت ع کا کردار" دیکھیے !

سنت سُح کی ۔ تاویل ممکن نہیں دانستیا ۔ نادانستہ ان لوگوں نے نظر انداز کردی ۔یہ ثعلبہ کا قصہ ہے ، جس نے رسو ل اللہ کو زکات ادا کرنے سے انکار کردیا تھا ۔ اس کے بارے میں قرآن کی ایک آیت بھی نازل ہوئی تھی لیکن رسول اللہ ص نے اس سے جنگ نہیں کی اور نہ اسے زکات ادا کرنے پر مجبور کیا ۔ کیا ابو بکر اور عمر کو اسامہ بن زید کا قصہؔ بھی معلوم نہیں تھا ؟ اسامہ بے ر . ر دشمن کا ایک آدمی اسامہ کو ملا جس نے مسلمانوں کو دیکھتے ہی کہا :"لا الہ الا اللہ " لیکن اسامہ نے اسے قتل کردیا ۔ جب یہ بات رسول اللہ ص کو معلوم ہوئی تو آپ نے اسامہ سے کہا :

کیا تم نے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی اسے قتل کردیا؟

اسامہ کہتے ہیں کہ : میں نے عرض کیا : اس نے تو اپنی جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا تھا ۔لیکن رسول اللہ ص بار بار وہی بات دہراتے رہے یہاں تک کہ میرے دل میں یہ شدید خواہش پیدا ہوئی کہ کاش ! میں آج ہی اسلام لایا ہوتا [(1)]

ان تمام باتوں کے پیش نظر ہمارے لیے کتاب اللہ وسنتی والی حدیث پر یقین رکھنا ممکن نہیں ہے ۔ جب صحابہ ہی کو سنت نبوی کا علم نہیں تھا تو بعد میں آنے والوں کا تو ذکر ہی کیا ؟ اور ان لوگوں کے متعلق کیا کہاجائے جو مدینے سے دور رہتے تھے ۔

چوتھی وجہ : ہمیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ص کی وفات کے بعد صحابہ کے بہت سے اعمال سنت رسول ص کے منافی تھے ۔لہذا ہمارے سامنے اب دوہی صورتیں ہیں : یا تو یہ کہیں کہ صحابہ سنت رسول ص سے ناواقف تھے ۔یا پھر یہ کہیں کہ وہ عمدا سنت رسول کو چھوڑ کر اپنے اجتہاد سے کام لیتے تھے۔ اگر ہم دوسری صورت کے قائل ہوجائیں تو وہ اس آیت کا مصداق ہوجائیں گے ۔:

" وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَ

----

(1):- صحیح بخاری جلد 8 صفحہ 36 و صحیح مسلم جلد 1 صفحہ 67 کتاب الدیات ۔

رَسُولُهُ أَمْراً أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالاً مُّبِيناً"

کسی مومن یا مومنہ کے لیے یہ مناسب نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول ص کسی کا م کا فیصلہ کردیں تو وہ یہ ہیں کہ انہیں اپنے کام میں کچھ اختیار ہے۔اورجس نے اللہ اور اس کے رسول ص کی نافرانی کی تو وہ صریحا گمراہ ہوگیا ۔(سورہ احزاب ۔آیت 36)

اور اگر ہم یہ ہیں کہ صحابہ رسول ص سے ناواقف تھے ، تو ایسی حالت میں رسول اللہ ص یہ نہ فرماسکتے تھے کہ میں تمہارے درمیان اپنی سنت چھوڑ رہا ہوں جب کہ آپ کو معلوم تھا کہ آپ کے اصحاب اور قریبین سنت کا پورا علم نہیں رکھتے بعد میں آنے والوں کا تو ذکر کیا جنھوں نے آپ کو دیکھا تک نہیں ۔ایسی حالت میں تو آپ کے لیے ضروری تھا کہ آپ صحابہ کو احادیث لکھنے کا حکم دیتے تاکہ یہ مجموعہ احادیث مسلمانوں کے لیے قرآن کے بعد مرجع ثانی کا کام دیتا ۔ رہا یہ کہنا کہ آپ کو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں قرآن وسنت خلط ملط نہ ہوجائیں تو اس کا وزن ہونا ظاہر ہے ۔کیونکہ یہ ممکن تھا کہ وحی ایک خاص رجسٹر میں جمع کی جاتی اور سنت ایک دوسرے رجسٹر میں ۔ اس طرح دو الگ الگ کتابیں تیار ہوجاتیں ، جیسا کہ ہمارے یہاں آج کل قاعدہ ہے ، اس صورت میں ضرور یہ کہنا صحیح ہوتا کہ میں تمہارے درمیان کتاب اللہ کو اپنی سنت کو چھوڑ رہا ہوں ۔

پانچویں وجہ : یہ تو معلوم ہے کہ سنت کی تدوین عباسی دور مین ہوئی اس سے پہلے نہیں ۔ حدیث کی جو پہلی کتاب لکھی گئی وہ موطاء امام مالک ہے یہ فاجعہ کربلااور واقعہ حرہ کے بعد کی بات ہے ۔ واقعہ حرہ میں تین دن تک مدینہ منورہ میں وجیوں کو آزاد چھوڑ دیا گیا تھا کہ وہ جو بھی چاہے کریں ۔ اس سانحے میں صحابہ کی ایک بڑی تعداد شہید ہوئی ۔ ان احادیث کے بعد ان راویوں کا کیسے اعتبار کیا جاسکتا ہے جنھوں نے دنیا مانے کی غرض سے حکام وقت کاقرب حاصل کیا ۔یہی وجہ ہے کہ احادیث میں اضطراب اورتناقض پیدا ہوا اور امت مسلمہ

فرقوں میں بٹ ئ ۔چنانچہ ایک فرقے کے نزدیک جو بات ثابت شدہ تھی وہ دوسرے کے نزدیک پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ سکی

اور جسے ایک فرقے نے صحیح قرار دیا دوسرے نے اس کی تکذیب کی ۔ان حالات میں ہم کیسے ان لیں کہ رسول اللہ ص نے فرمایا ہو

کہ :

" ترکت فیکم الثّقلین کتاب الله وسنتي"۔رسول اللہ کو خوب علوم تھا کہ منافقین اور منحرفین آپ سے جھوٹی باتیں منسوب کریں گے ۔ آپ نے خود فرمایا تھا : مجھ سے بہت سی جھوٹی باتیں منسوب کی ئ ہیں ۔ پس جو شخص مجھ سے جان بوجھ کر جھوٹ منسوب کرے ، وہ اپنا ٹھکانا جہنّم میں بنالے ۔ (1)جب آپ کی زندی ہی میں آپ سے بکثرت جھوٹی باتیں منسوب کی ئ ہوں ، تو آپ سے اپنی امت کو اپنی سنت کے اتباع کا حکم دے سکتے تھے جب کہ آپ کے بعد صحیح وغلط میں تمیز دشوار ہو ئ ۔

چھٹی وجہ : اہل سنت کی صحاح میں روایت ہے کہ رسول اللہ ص نے اپنے ثقلین یعنی دوجانشین یا دوچیزیں چھوڑیں ۔اہل سنت کبھی روایت کرتے ہیں کہ آپ کتاب اللہ وسنۃ رسولہ فرمایا اور کبھی کہتے ہیں کہ آپ نے علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الرّاشدین من بعدی فرمایا ۔ ظاہر ہے کہ اس حدیث میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ص میں ، سنت خلفاء کا اضافہ ہوجاتا ہے اور اس طرح شریعت کے اخذ دو کے بجائے تین ہوجاتے ہیں ۔ مگر یہ سب اس حدیث ثقلین کے منافی ہے جس پر اہل سنت اور شیعوں کا اتفاق ہے ۔ اس حدیث میں کتاب اللہ وعترتی کے الفاظ ہیں اور اس کے لیے ہم نے بیس سے زیادہ اہل سنت کی معتبر کتابوں کا حوالہ دیا ہے ۔ شیعہ اخذ اس کے علاوہ ہیں جن کا ہم نے ذکر نہیں کیا ۔

ساتھویں وجہ : رسول اللہ ص کو بخوبی علم تھا کہ آپ کے اصحاب ۔گو

----

(1):- صحیح البخاری کتاب العلم جلد 1 صفحہ 35

قرآن الٰہی زبان میں اور جیسا کہ مشہور ہے ، ان کے لب و لہجہ میں نازل ہوا ہے ۔ بہت سے مقامات کی تفسیر اور تاویل سے ناواقف تھے ۔ پھر یہ بات توقع کی جاسکتی تھی کہ بعد میں آنے والے ، خصوصا وہ رومی ، ایرانی ، حبشی اور دوسرے عجمی جن کی زبان عربی نہیں تھی اور وجہ نہ عربی سمجھتے تھے اور نہ بولتے تھے ، قرآن کو ما حقہ سمجھ پائیں گے روایت ہے کہ جب ابو بکر سے اللہ تعالی کے قول وفاکھۃ وابا کے معنی پوچھے گئے تو انھوں نے کہا : میری کیا مجال کہ میں کتاب اللہ کے بارے میں کوئی ایسی بات کہوں جس کا مجھے علم نہ ہو ۔ (1)

اسی طرح عمر بن خطاب کو بھی اس کے معنی معلوم نہیں تھے ۔ انس بن مالک سے روایت ہے کہ ایک دفعہ عمر بن خطاب نے منبر پر یہ آیت پڑھی ۔

"فأنبتنا فيها حبّاوّعنباوّقضباوّزيتوناوّنخلاوّحدايق غلباوّفاكهة وّأباًّ"

اس کے بعد کہا : اور تو سب ہمیں معلوم ہے مگر یہ ابّ "کیا ہے ؟ اس کے بعد کہنے لگے :چھوڑو ایسی تو وہ محض تکلیف ہے ۔اگر تم یہ اب کے معنی معلوم نہیں تو نہ ہوں ، اس سے فرق کیا پڑتا ہے کتاب اللہ میں جو واضح ہدایت ہے اس پر عمل کرو اور جو سمجھ میں نہ آئے اسے اس کے رب پر چھوڑدو (2)

جو کچھ یہاں کتاب اللہ کی تفسیر کے بارے میں کہا گیا ہے ،اس کا اطلاق سنت نبوی کی تفسیر پر بھی ہوتا ہے چنانچہ متعدد ہی احادیث ہیں جن کے بارے میں صحابہ میں مختلف فرقوں میں اور شیعوں اور سنیوں میں اختلاف رہا ہے کچھ اس بارے میں کہ حدیث صحیح یا ضعیف اور کچھ اس بارے میں کہ حدیث کا مفہوم کیا ہے ۔ وضاحت کے لیے میں اس اختلاف کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں

----

(1):-قسطلانی ، ارشاد اساری جلد 10 صفحہ 298 ۔ ابن حجر ، فتح الباری فی شرح صحیح البخاری جلد 13 صفحہ 230

(2):- تفسیر طبری جلد 3 کنزالعمال جلد 1 صفحہ 227 ۔ مستدرک جلد 2 صفحہ 14۔تاریخ بغداد جلد 11 صفحہ 468 ۔تفسیر کشّاف جلد 3 صفحہ 253 ۔ تفسیر خازن جلد 4 صفحہ 374 ۔ ابن تیمیہ ، مقدمہ اصول تفسیر صفحہ 30 ابن کثیر تفسیر القرآن العظیم جلد 4 صفحہ 473۔

1:- حدیث کی صحت اور عدم صحت کے بارے میں صحابہ میں اختلاف

یہ صورت خلافت ابو بکر کے ابتدائی ایام میں اس وقت پیش آئی جب فاطمہ بنت رسول ص ابو بکر کے پاس آئیں اورفدک کی واگزاری کا مطالبہ کیا ۔ جناب فاطمہ س کا دعوی تھا کہ فدک ان کے والد نے اپنی زندگی میں انہیں عطا کردیا تھا لیکن ان کے والد کی وفات کے بعد ان سے لے لیا گیا ۔ ابوبکر نے اس دعوے کو غلط قراردیا اور اس کی تردید کی کہ رسول اللہ ص نے اپنی زندگی میں فدک جناب فاطمہ س کو دےدیا تھا ۔ جناب فاطمہ س نےیہ مطالبہ بھی کیا کہ ان کے والد کی میراث انہیں دے جائے ۔لیکن ابوبکر نے کہا کہ

رسول اللہ نے فرمایا ہے :

"نحن معاشر الأنبياء لانورث ما تركناه صدقة"

ہم انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا ۔جو کچھ ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہوتا ہے ۔

جناب فاطمہ س نے اس حدیث کو من گھڑت قراردیا اور اس کے مقابلے میں قرآنی آیات پیش کیں نتیجہ یہ ہوا کہ اختلاف اور جھگڑا بڑھ گیا جناب فاطمہ مرتے دم تک ابو بکر سے ناراض رہیں ، ان سے بات نہیں کرتی تھیں ۔ جیسا کہ خود صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آیا ہے ۔

ایک اور مثال ام المومنین عائشہ اور ابوہریرہ کےاختلاف کی ہے :

اگر کوئی شخص رمضان میں صبح کو ناپاک اٹھے تو عائشہ کہتی ہیں کہ اس کا روزہ درست ہے ۔ابو ہریرہ کی رائے تھی کہ وہ افطار کرے ۔ امام مالک نے موطا میں اوربخاری نے اپنی صحیح میں ام المومنین عائشہ اور ام المومنین ام سلمہ سے روایت کی ہے وہ دونوں کہتی ہیں کہ رمضان میں رسول اللہ صبح کو جنب اٹھتے تھے ہم بستری کی وجہ سے ، احتلام کیوجہ سے نہیں ، پھر وہ روزہ رکھ لیتے تھے ۔ ابو بکر بن عبد الرحمن کی روایت ہے ، وہ کہتے ہیں کہ جن دنوں مروان بن حکم

مدینہ کا امیر تھا ،ایک دن میں اور میرے والد اس کے پاس تھے ۔ اس کے سامنے ذکر آیا کہ ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ جو شخص صبح کو جنب اٹھے وہ اس دن افطار کرے ۔

مروان کہنے لگا : عبدالرحمن ! میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ تم ام المومنین عائشہ اور ام المومنین ام سلمہ کے پاس جاکر ذرا ! اس بارے میں دریافت تو کرو ۔ اس پر عبدالرحمان اور میں حضرت عائشہ کے پاس گئے ۔ وہاں جاکر عبدالرحمن نے سلام کیا اور کہا : ام المومنین ! ہم مروان بن حکم کے پاس تھے ، وہاں ذکر آیا کہ ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ جو صبح کو جنب ہو وہ اس دن افطار کرے ، روزہ نہ رکھے ، عائشہ نے کہا: اس طرح نہیں جیسے ابو ہریرہ کہتے ہیں ۔ عبدالرحمان ! کیا تمہیں رسول اللہ ص کا طریقہ پسند نہیں؟ عبدالرحمن نے کہا: بخدا یہ بات نہیں ۔ عائشہ نے کہا : اگر ایسا ہے تو میں گواہی دیتی ہوں کہ رسول اللہ ص احتلام کے بغیر ہم بستری سے صبح کو جنب ہوتے تھے اور پھر اس دن کا روزہ رکھ لیتے تھے ۔ ابو بکر بن عبدالرحمن کہتے ہیں کہ ہم وہاں سے نکل کر حضرت ام سلمہ کے یہاں گئے ۔ ہم نے ان سے پوچھا تو انھوں نے بھی وہی کہاجو عائشہ نے کہا تھا۔ اس کے بعد ہم واپس مروان بن حکم کے پاس پہنچے اورجو کچھ ان دونوں نے کہا تھا وہ مروان کو بتلایا ۔

مروان نے کہا :ابو محمد ! دروازے پر سواری موجود ہے ۔تم ذرا سوار ہوکر ابوہریرہ کے پاس جاؤ ، وہ عتیق میں اپنی زمین پر ہیں ، انہیں جاکر سب بات بتلاؤ ۔ چنانچہ عبدالرحمان سوار ہوئے میں بھی ان کے ساتھ سوار ہوا اور ہم دونوں ابوہریرہ کے پاس پہنچے ۔ عبدالرحمن نے کچھ دیر ان سے ادھر ادھر کی باتیں پھر اصل موضوع پر آئے ۔ابو ہریرہ نے کہا: مجھے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں ، مجھ سے تو کسی نے کہا تھا (1)۔

دیکھئے ! ابو ہریرہ جیسے صحابی جو اہل سنت کے نزدیک اسلام میں احادیث کے سب سے بڑے راوی ہیں ، جیسے دینی احکام سے متعلق محض ظن و تخمین کی بناپر

----

(1):- صحیح بخاری جز 2 صفحہ 232 باب الصائم یصبح جنبا ۔ تنویر الحوالک شرح موطاء مالک جز 1 صفحہ 272 "ما جا فی الذی یصبح جنبا فی رمضان"

فتوی دے دیتے ہیں اور پھر اسے رسول اللہ سے منسوب کردیتے حالانکہ انہیں یہ تک معلوم نہیں ہوتا کہ یہ بات کس نے بتلائی تھی ۔ ایسے احکام جن کا ماخذ بھی معلوم نہیں اہل سنت ہی کو مبارک ہوں۔

ابو ہریرہ کا ایک اور قصہ

عبد اللہ بن محمد کہتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا ہشام بن یوسف نے اور وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بتلایا معمر نے ، وہ روایت کرتے ہیں زہری سے ، وہ ابو سلمہ سے ، وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"چھوت ، یرقان اور ہامہ (ایک فرضی پرندہ جو جاہلی عربوں کے خیال کے مطابق اس وقت چیختا رہتا ہے جب تک مقتول کا بدلہ نہ لے لیا جائے) کوئی چیز نہیں ۔ اس پر ایک اعرابی نے کہا کہ یا رسول اللہ ص ! پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ اونٹ صحرا میں خوبصورت ہرنوں کی طرح کلیلیں کرتے پھرتے ہیں پھر ان میں کوئی خارش زدہ اونٹ آملتا ہے تو سب کو خارش ہوجاتی ہے ۔ رسول اللہ ص نے کہا: یہ بتاؤ ، پہلے اونٹ کو بیماری کس نے لگائی تھی ؟

ابو سلمہ ہی سے روایت ہے کہ میں نے بعد میں ابو ہریرہ کو یہ کہتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "بیماری کو تندرست کے پاس نہ لے جاؤ "

ابو ہریرہ نے پہلی حدیث کا انکار کیا تو ہم نے کہا : آپ نے نہیں کہا تھا کہ چھوت کوئی چیز نہیں ۔ اس پر ابوہریرہ حبشی زبان میں کچھ کہا جو ہماری سمجھ میں نہیں آیا ۔ ابو سلمہ کہتے ہیں کہ اور کوئی حدیث ہم نے ابو ہریرہ کو بھولتے نہیں دیکھا (1)

----

(1):- صحیح بخاری جلد 7 صفحہ 31 باب لاہامہ ۔ صحیح مسلم جلد 7 صفحہ 32 باب لاعدوی ولا طیرہ

تو قارئین ! یہ ہے سنت رسول ص بلکہ یوں کہیے ، یہ ہیں وہ روایات جو خدا کے رسول ص سے منسوب کی گئی ہیں ۔ کبھی تو ابوہریرہ یہ کہتے ہیں کہ انھوں نے جو حدیث سنائی تھی اس کا انہیں کچھ علم نہیں ،ان سے تو یہ بات کسی نے ہی تھی ۔ اور کبھی جب ان کی بیان کردہ احادیث میں تناقض کی نشان دہی کی جاتی ہے تو وہ کچھ جواب نہیں دیتے بلکہ ان میں کچھ بڑابڑادیتے ہیں ۔

معلوم نہیں اہل سنت نے انہیں اسلام کا سب سے بڑا راوی حدیث قرار دیتے ہیں ؟

عائشہ اور ابن عمر کا اختلاف

عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ میں اور ابن عمر ام المومنین عائشہ کے حجرے کے ساتھ پیٹھ لگائے بیٹھے تھے اور ہم ان کے مسواک کرنے کی آواز آرہی تھی ، اتنے میں میں نے پوچھا : اے ابو عبدارحمان ! کیا رسول اللہ ص نے رجب کے مہینے میں بھی عمرہ کیا ہے ؟ انھوں نے کہا : ہاں کیا ہے ۔ میں نے عائشہ سے کہا: اماں جان ! آپ سن رہی ہیں ابو عبدارحمان کیا کہتے ہیں ؟ انھوں نے کہا : کیا کہتے ہیں ؟ میں نے کہا : یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ص نے رجب میں عمرہ کیا ہے ۔ انھوں نے کہا : ابو عبدارحمن کو اللہ معاف کرے۔ آپ نے رجب میں کبھی عمرہ نہیں کیا ۔ اور جب بھی عمرہ کیا یہ تو ہر وقت آنحضرت کے ساتھ تھے ۔ عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ ابن عمر یہ گفتگو سن رہے تھے مگر انھوں نے ام المومنین کی تردید یا تصدیق میں کچھ نہ کہا بس چپ ہورہے ۔[1]

عائشہ اور ازواج نبی کا اختلاف

ام المومنین عائشہ بیان کرتی ہیں کہ سہلہ بنت سہیل ابو حذیفہ کی جو رو جو بنی عامر کی اولاد میں سے تھی رسول اللہ کے پاس آئی اور بولی : یارسول اللہ !

----

(1):- صحیح بخاری جلد 5 باب عمرة الاعتمار صحیح مسلم جلد 2 باب ا ۔

ہم او حلیں ۔ کے غلام !سام کو اپنا بچہ سمجھتے تھے او ر یہ کہ جب میں بے لباس ہوتی تھی وہ گھر میں اندر چلا آتا تھا ۔اب کیا رکہ اچاہیے کیونکہ ہمارے پاس صرف ایک ہی گھر ہے ۔یہ ن کر رسو ل اللہ ص نے فرمایا : اسے دودھ پلادو ۔ سہلہ نے کہا: میں اسے کیونکر دودھ پلاسکتی ہوں ، اب تووہ جوان ہوگیا ہے اور اس کے داڑ ھی مونچھ ہے ۔ اس پر رسول اللہ ص مسکرائے اور بولے : اسے دودھ پلاؤ ، اس میں تم ارا کیا جائے گا ، اگر کچھ جائے گا تو او حلیں ۔ کا جائے گا ۔

ام المومنین عائشہ اس حدیث پر عمل کیا کرتی تھیں اور جس آدمی کو چاہتیں کہ ان کے پاس آیا جایا کرے تو بہن ام کلثوم کو حکم کرتیں اور بہن کی بیٹیوں کو بھی کہ اس آدمی کو اپنا دودھ پلادیں لیکن دوسری امہات المومنین اس کا انکار کرتی تھیں کہ بڑھ پن میں رضاعت کے سبب کوئی ان کا محرم بن کر ان کے پاس آجاسکتا ہے ۔ وہ کہا کرتی تھیں کہ رسول اللہ ص نے یہ رخصت خاص سہلہ بنت سہیل کودی بخدا !ایسی رضاعت کے سبب کوئی ہمارا محرم نہیں بن سکتا(1)۔

تحقیق کرنے والا جب ایسی روایات دیکھتا ہے تو اسے یقین نہیں آتا ،لیکن یہ افسوسناک حقیقت ہے کہ ایسی روایات جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عصمت پر حرف آتا ہے حدیث کی بڑی کتابوں میں موجود ہیں ۔ یہ روایات رسول اللہ ص کو ۔ جو خصائل حسنہ کے پیکر تھے اور مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوئے تھے ۔ ایک ایسے شخص کے روپ میں پیش کرتی ہیں جو اخلاقی اقدار کی دھجیاں بکھیرتا ہے اور دین اسلام میں ایسی مضحکہ خیز باتیں داخل کرتا ہے کہ فرزانے تو کیا دیوانے بھی بس ساختہ ہنس پڑیں ۔(غلامی رسول ص میں ،موت بھی قبول ہے کا نعرہ بلند کرنےوالے)مسلمان کیا ایسی کوئی حدیث قبول کرسکتے ہیں جو خداکے عظیم اشان رسول ص کا استخفاف کرتی ہو ،عقل کی کسوٹی اور اخلاق کے معیار پرپوری نہ اترتی ہو ،ایمانی غیرت کے منافی ہو اور شرم وحیا کا جنازہ نکال دے۔

کیا کوئی غیرت مند مسلمان اپنی بیوی کو اس بات کی اجازت دے سکتا ہے

----

(1):- صحیح مسلم کتاب ارضاع جز 4 صفحہ 116 ۔ موطاء امام مالک کتاب ارضاع جز 2 صفحہ 116

کہ وہ کسی جوان آدمی کو دودھ پلائے تاکہ وہ اس کی ماں بن جائے ؟؟

اے اللہ کے رسول ص! آپ کی ذات والا صفات ایسی بیہودہ باتوں سے بہت بلند ہے اور یہ آپ پر بہتان عظیم ہے ۔ میں کیسے باور کرلوں کہ وہ رسول ص ، جس نے مرد کے لیے نامحرم عورت کو چھونا اور اس سے ہاتھ ملانا حرام قرار دیا ہے ، وہ بڑھ پن میں عورت کا دودھ پینا جائز قرار دے سکتا ہے ۔(نعوذ باللہ)

میں اس حدیث سازی کا تو ذکر تو نہیں جانتا یہ جانتا ہوں کہ یہ بات اس حدیث کی حدود سے نکل کر آگے بڑھ گئی اور سنت جاریہ بن گئی ۔ کیونکہ ام المومنین عائشہ اس حدیث پر عمل کرتی تھیں ۔ وہ جس شخص کو چاہتیں کہ ان کے پاس آیا جایا کرے اسے رضاعت کے لیے اپنی بہن ام کلثوم کے پاس بھیجا کرتی تھیں۔

ذوق آگہی رکھنے والوں کی معلومات کے لیے بتا چلوں کہ لوگوں کا ام المومنین عائشہ کا محرم بن کر ان کے پاس آنا جانا صرف اسی صورت میں جائز ہوسکتا تھا جب ان کی رضاعت پانچ دفعہ ہوئی ہو کیونکہ ام المومنین ہی کی روایت ہے کہ اللہ نے دس دفعہ رضاعت والی آیت اتاری تھی ، پھر یہ پانچ دفعہ رضاعت والی آیت سے منسوخ ہوگئی ۔پس یہ آیت برابر پڑھی جاتی تھی ۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ص کے انتقال کے بعد بھی قرآن میں تھی۔(1) (لیکن اب قرآن میں موجود نہیں ہے(2)۔

----

(1):- صحیح مسلم جلد 4 صفحہ 167 باب التحریم بخمس رضعات۔

(2):- یہ قرآن جو ہمارے ہاتھوں میں ہے وہی ہے جو خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا تھا اور اس میں کوئی تحریف نہیں ہوئی ہے ۔ تیسری صدی کے شیخ صدوق علیہ الرحمۃ سے لے کر پندرھویں صدی کے آیت اللہ خوئی دام ظلہ العالی تک شیعہ علماء کبھی تحریف قرآن کے قائل نہیں رہے، ان کی کتابیں اور ان کے فتوے اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں ۔لیکن خدا معلوم کیوں کچھ لوگ مقطوع السند اخبار آحاد کے سہارے شیعہ دشمنی کی بھڑاس نکالتے ہیں اور شیعوں پر یہ سنگین تہمت لگاتے ہیں کہ ان کا قرآن چالیس پاروں کا ہے وغیرہ وغیرہ ۔اگر کچھ مرسل ،ضعیف یا مقطوع السند روایتیں شیعہ کتب میں ہیں تو اس سے کہیں زیادہ روایات سنی کتب ،احادیث میں بھی ہیں لیکن یہ کسی طرح بھی قابل اعتبار نہیں مثلا

<>ام المومنین بی بی عائشہ آیہ رضاعت عشر رضعات معلومات (شیر خواری کو دس مرتبہ دودھ پلانا متعین ہے) کو جزو قرآن بتاتی ہیں اور یہ صحیح مسلم ، سنن ابی داؤد ، سنن نسائی ، سنن دارمی اور موطاء مالک میں لکھی ہے ۔

<>عمر بن خطاب آیہ رجم (الشیخ والشیخة فارجموهما البتة) جو جزو قرآن بتاتے ہیں اور یہ آیت صحیح بخاری ، صحیح مسلم ، جامع ترمذی ، سنن ابی داؤد ، سنن ابن ماجہ اور موطاء میں لکھی ہے ۔

<>عمر بن خطاب کہتے ہیں کہ آیت : لاترغبوا عن آبائکم فانہ کفر بکم "لاترغبواعن آبائكم فإنّه كفرٌ بكم إن ترغبواعن آبائكم" قرآن کا جزو تھی اور ہم اسے پڑھا کرتے تھے ۔ یہ آیت صحیح بخاری ومسند احمد بن حنبل میں دیکھی جاسکتی ہے ۔

<>سنن ابن ماجہ میں ہے کہ ام المومنین نے کہا:

زانی اور زانیہ کو سنگسار کرنے کی آیت (آیہ رجم) نازل ہوئی تھی نیز یہ کہ بڑھاپن میں دس دفعہ دودھ پلانے کی آیت (ورضاعة الكبير عشرا") نازل ہوئی تھی اور ایک کاغذ پر لکھی ہوئی میرے تخت کے نیچے رکھی تھی ، جب رسول اللہ اس دنیا سے رخصت ہوئے اور ہم افراتفری کے عالم میں تھے تو بکری اسے کھا گئی ۔

<>اور صحیح مسلم میں مرقوم ہے کہ ابو موسی اشعری نے بصرے میں تین سو قاریان قرآن کو خطاب کرتے ہوئے کہا :

ہم ایک سورہ پڑھا کرتے تھے جو طویل تھا اور جس کا مضمون سورہ توبہ کی طرح سخت تھا ۔ بعد میں ہم وہ سورہ بھول گئے البتہ اس کی یہ آیت میرے حافظے میں باقی ہیں : "لوكان لإبن آدم وأديان من مّالٍ لايبتغى وادياً ثالثاً ولا يملأُ إبن آدم إلّا التراب"

<>اسی طرح ہم ایک سورہ بھی پڑھا کرتے تھے جو "مسبحات " میں سے ایک مشابہ تھا ۔ ہم وہ سورہ بھول گئے اور مجھے اس کی فقط یہ آیت یاد رہ گئی ہے ۔"يايّها الذين آمنوا لم تقولون ما لاتفعلون فكتب شهادة في أعناقكم فتسئلون عنهايوم القيامة."

2:- سنت رسول ص کے بارے میں فقہی مذاہب کا اختلاف

سنت رسول ص کے بارے میں ابوبکر اور عمر میں اختلاف تھا[1] ۔ابو بکر کا فاطمہ سے اختلاف تھا ۔[2] ازواج رسول ص کا آپس میں اختلاف تھا ۔[3]۔ ابو ہریرہ کاعائشہ سے اختلاف تھا ۔[4] عبداللہ بن عمر اور عائشہ کے مابین اختلاف تھا ۔[5]

حدیث کی بعض کتابوں سے یہ چند نمونے ہم نے ان لوگوں کو آئینہ دکھانے کے لیے پیش کیے ہیں جو یہ کہتے پھرتے ہیں کہ شیعوں کا موجودہ قرآن پر ایمان نہیں ۔ حالانکہ قرآن وہی ہے جو دفتین کے بیچ ہے نہ کم نہ زیادہ ۔ اور سب مسلمانوں کا اسی پر ایمان ہے ۔جو ہم پر بہتان باندھتا ہے ،ہم اس کا اور اپنا معاملہ اللہ کی عدالت میں پیش کرتے ہیں کہ وہ احکم الحاکمین ہے ۔

ہم تو بس اتنی سی بات جانتے ہیں کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی اور نہ ہوسکتی ہے ، کیونکہ یہ آخری آسمانی شریعت ہے اور خدا نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے :

"انا نحن نزلنا الذكر وانا لہ لحافظون "(الحجر)

(1):- مانعین زکواۃ سے جنگ کے بارےمیں اختلاف کی طرف اشارہ ہے ۔ ہم نے اس قصہ کے اخذ بیان کر دیے ہیں ۔

(2):- قصہ فدک اور حدیث نحن معشر الانبیاء لانورث کی طرف اشارہ ہے ۔ اس کے اخذ کا بیان بھی گزرچکا

(3):-بالغ مرد کو دودھ پلانے کے قصے کی طرف اشارہ ہے کہ جو عائشہ سے مروی ہے ۔لیکن دیگر ازواج رسول ص نے اس کے برخلاف کہا ہے۔

(4):- ابو ہریرہ کی اس روایت کی طرف اشارہ ہے کہ رسول اللہ ص صبح کو جنب ہوتے تھے اور روزہ رکھ لیتے تھے ۔ عائشہ نے ابو ہریرہ کی اس بات کو غلط بتلایا ہے ۔

(5):- اشارہ ہے اس روایت کی طرف کہ رسول اللہ ص نے چار عمرے کیے جن میں سے ایک رجب میں تھا عائشہ نے اس کی تردید کی ہے۔

عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن زبیر کے درمیان اختلاف تھا ۔[1]علی بن ابی طالب ع اور عثمان بن عفان کے درمیان اختلاف تھا[2]۔ جب صحابہ کے درمیان ہی اتنا اختلاف تھا[3] تو تابعین کے درمیان تو اور بھی بڑھ گیا حتی کہ فقہی مذاہب ستر سے بھی زیادہ ہوگئے ۔ابن مسعود صاحب مذہب تھے ، اسی طرح ابن عمر ، ابن عباس ، ابن زبیر ، ابن عیینہ ، ابن جریج ، حسن بصری ، سفیان ثوری ،مالک بن انس ،ابو حنیفہ ، شافعی ،احمد بن حنبل سب کے سب صاحب مذہب تھے ۔ ان کے علاوہ اور بہت ہیں ۔ لیکن سلطنت عباسیہ نے اہل سنت کے چار مشہور مذاہب کو چھوڑ کر باقی سب کا خاتمہ کردیا ۔

اگر چہ اب فقہی مذاہب چند ہی رہ گئے ہیں ،پھر بھی ان کے درمیان اکثر فقہی مسائل میں اختلاف ہے ۔ اور اس کی وجہ وہی سنت رسول ص کے بارے میں اختلاف ہے ۔ایک مذہب کسی مسئلے میں حکم کی بنیاد کسی حدیث پر رکھتا ہے جسے وہ اپنے زعم میں صحیح سمجھتا ہے ، تو دوسرا مذہب اپنی رائے سے اجتہاد کرتا ہے یا کسی دوسرے مسئلے پر نص اور حدیث کی عدم موجودگی کی وجہ سے قیاس کرتا ہے ۔ اسی وجہ سے ، مثلا رضاعت کے مسئلے میں بہت اختلاف ہے ،کیونکہ اس بارے میں احادیث باہم متضاد ہیں ۔ نتیجہ یہ کہ ایک مذہب کے مطابق ایک قطرہ دودھ پینے سے بھی حرمت ثابت ہوجاتی ہے ۔ جبکہ دوسرے مذہب کی رو سے دس یا پندرہ دفعہ دودھ پلانا ضروری ہے ۔

3:-سنت رسول ص کے بارے میں شیعہ سنی اختلافات

اس بات میں شیعہ سنی اختلاف عموما دو وجہ سے ہوتا ہے ایک تو یہ کہ

----

(1):-اشارہ ہے ان کے درمیان متعہ کے حلال یا حرام ہونے کے بارے میں اختلاف کی طرف ۔ دیکھیے صحیح بخاری جز 6 صفحہ 129۔

(2):- اشارہ ہے ان کے درمیان متعہ کے بارے میں اختلاف کی طرف ۔دیکھیے صحیح بخاری جز 2 صفحہ 153

(3):- بسم اللہ کے بارے میں ، وضو کے بارے میں ،مسافر کی نماز کے بارے میں اور ایسے ہی ان گنت دوسرے مسائل

شیعہ اس حدیث کو صحیح نہیں مانتے جس کے راوی کی عدالت پایۂ اعتبار سے ساقط ہو خواہ وہ صحابی ہی کیوں نہ ہو ۔

اہل سنت کے برخلاف شیعہ اس بات کے قائل نہیں کہ تمام صحابہ ثقہ اور عادل تھے ۔

اس کے علاوہ شیعہ کسی ایسی حدیث کو بھی قبول نہیں کرسکتے جو ائمہ اہل بیت ع کی روایت سے متصادم ہو ۔ وہ ائمہ اہل بیت ع کی روایت کو دوسروں کی روایت پر ترجیح دیتے ہیں خواہ دوسروں کا مرتبہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو ۔ اس سلسلے میں ان کے پاس ایسے دلائل ہیں جن کی قرآن وسنت سے تائید ہوتی ہے اور جن کو ان کے مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں ۔ ان میں بعض چیزوں کا ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں ۔ شیعہ سنی اختلاف کا ایک اور سبب یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک حدیث کا مفہوم کچھ ہے اور شیعہ اس کے کچھ اور معنی بیان کرتے ہیں ۔ مثلا وہ حدیث جس کا ہم پہلے تذکرہ کرچکے ہیں یعنی :

اختلاف امّتی رحمۃ

اہل سنت تو اس حدیث کا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ فقہی مسائل میں مذاہب اربعہ کا اختلاف مسلمانوں کے لیے رحمت ہے ۔

جبکہ شیعوں کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کے پاس سفر کرکے جانا اور ایک دوسرے سے علم حاصل کرنا رحمت ہے ۔یہ تشریح امام جعفر صادق کی ہے اور ہم اسے پہلے بیان کرچکے ہیں ۔

بعض دفعہ شیعہ سنی اختلاف حدیث رسول ص کے مفہوم میں نہیں ہوتا بلکہ بارہا یہ ہوتا ہے کہ جس شخص یا اشخاص کا حدیث میں ذکر ہے اس سے کون مراد ہے ۔مثلا قول رسول ص ہے کہ

"عليكم بسنّتي وسنّة الخلفاء الرّاشدين من بعدي"

اہل سنت خلفائے راشدین سے ابو بکر ، عمر ، عثمان اور علی مراد لیتے ہیں مگر شیعہ بارہ ائمہ مراد لیتے ہیں ۔

اسی طرح رسول اللہ کا ایک اور قول ہے :

"الخلفاءمن بعدي اثنى عشركلّهم من قريشٍ."

"میرےبعد بارہ خلیفہ ہوں گے جو سب قریش سے ہوں گے "۔

شیعہ بارہ خلفاء سے بارہ ائمہ اہل بیت ع مراد لیتے ہیں جبکہ اہل سنت وجماعت کے یہاں اس کی کوئی تشریح ہے ہی نہیں ۔

کبھی شیعہ سنی اختلاف ان تاریخی واقعات کے بارے میں ہوتا جن کا تعلق رسول اللہ کی ذات سے ہے ۔ جیسا کہ آپ کے یوم ولادت کے بارے میں اختلاف ہے ۔ اہل سنت 12 ربیع الاول کو میلاد النبی مناتے ہیں جبکہ شیعہ اس مہینے کی 17 تاریخ کو محافل میلاد منعقد کرتے ہیں ۔

سنت نبوی کے بارے میں ایسا اختلاف ہونا قدرتی ہے ۔ اس سے بچنا ممکن نہیں ۔ کیونکہ کوئی ایسا مرجع موجود نہیں جس کی طرف سب رجوع کرسکیں اور جس کے حکم کو سب مانیں اور جس کی رائے کو سب قبول کریں اور جس پر سب کو اسی طرح اعتماد ہو جیسے رسول اللہ ص کی زندگی میں آپ پر تھا ۔

امت کی زندگی میں ایک شخص کا وجود ہر وقت ضروری ہے اور عقل بھی یہی کہتی ہے ، اس لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ رسول اللہ ص اس ضرورت کو نظر انداز کردیتے ۔ آپ کو علوم تھا اور علام الغیوب نے آپ کو اطلاع دے دی تھی کہ آپ کی امت آپ کے بعد قرآن کی تاویل کرے گی ۔ اس لیے آپ کے لیے ضروری تھا کہ آپ کوئی علم مقرر کریں کہ اگر امت کے لیے واقعی ایک ایسے عظیم قائد کا انتظام کردیا تھا جس کی تعلیم وتربیت میں آپ نے ابتدا ہی سے پوری کوشش صرف کی تھی اور جب وہ درجہ کمال کو پہنچ گیا اور آپ سے اس نسبت وہ ہو ئی جو حضرت ہارون ع کی جناب موسی ع سے تھی ۔تو آپ نے یہ جلیل القدر کام یہ کہہ کر اس کے سپرد کردیا کہ

"أناأُقاتلهم على تنزيل القرآن وأنت تقاتلهم على تاويله".[1]

----

(1):مناقب خوارزمی صفحہ 44۔ینابیع المودۃ صفحہ 332۔الاصابہ فی تمییز اصحابہ جلد 1 صفحہ 25 ۔کفایت الطالب صفحہ 334 ۔ منتخب کنزالعمال جلد 5 صفحہ 36 ۔ احقاق الحق جلد 6 صفحہ 37

"اے علی ع! میں تنزیل قرآن کی خاطر جنگ لڑتا ہوں ، اب تم تاویل قرآن کے لیے لڑو۔"

آپ نے یہ بھی فرمایا :

"أنت يا عليّ ! تبيّن لأُمّتي ما اختلفوافيه من بعدي"

علی سلام اللہ علیہ ۔ بات میں میری امت میں میرے ۔ ر اختلاف ہوا تھا ۔ بات کو واضح کردینا ۔[1]

قرآن جولہ الہی کتاب ہے ، اس کے لیے ضروری ہے کہ کوئی اس کی تفسیر اور توضیح کے لیے بڑے لیکن جانشین کرے کیونکہ یہ ایک خاموش کتاب ہے جو خود نہیں بولتی مگر ساتھ ہی متعدد معانی کی حامل ہے ۔ اس کا ظاہر بھی ہے اور ۔ باطن بھی ۔جب قرآن کی یہ صورت ہے تو سنّت کی تشریح وتوضیح تو اور بھی ضروری ہے اور جب قرآن وسنت دونوں تشریح طلب ہوں تو رسول اللہ ص کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ دونوں ثقلین ایسے چھوڑیں جو خاموش اور گونگے ہوں اور جن کی حسب منشاء تاویل وہ لوگ کرسکیں جسن کے دل میں کجی ہے اور جو فتنہ برپا کرنا اور دنیا کمانا چاہتے ہیں اور جن کے متعلق معلوم ہے کہ ۔ بعد میں آنے والوں کے لیے گمراہی کا سبب بنیں گے کیونکہ لوگ ان کے ساتھ حسن ظن رکھیں گے ۔ انہیں عادل سمجھیں گے لیکن . ر میں قیامت کے دن پشیمان ہوں گے ۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے :

" يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا () وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا () رَبَّنَا آتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْناً كَبِيراً"

جس دن ان کے چہرے آگ میں الٹائے جائیں گے تو وہ کہیں گے اے کاش !ہم اللہ اور رسول ص کی اطاعت کرتے ۔ اور کہیں گے

----

(1):-مستدرک حاکم جلد 4 صفحہ 122۔تاریخ دمشق جلد 2 صفحہ 488 ۔ مناقب خوارزمی صفحہ 236۔ کنوز احقائق صفحہ 203 ۔ منتخب کنزالعمال جلد 5 صفحہ 33۔ینابیع المودۃ صفحہ 182

کہ اے ہمارے پروردگار ! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑے لوگوں کا کہا مانا تو انھوں نے ہمیں گمراہ کردیا ۔ اے پروردگار ! ان کو دگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر (سورہ احزاب ۔آیات 66 تا 68)

"كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا حَتَّى إِذَا ادَّارَكُواْ فِيهَا جَمِيعاً قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لأُولاَهُمْ رَبَّنَا هَـؤُلاء أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ عَذَاباً ضِعْفاً مِّنَ النَّارِ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلَـكِن لاَّ تَعْلَمُونَ"

جب ایک کے بعد ایک جماعت (جہنم میں)داخل ہوں تو وہ اپنے جیسی دوسری جماعت پر لعنت کریں یہاں تک کہ جب ساری جماعتیں جمع ہوجائیں تو پچھلی جماعت پہلی کی نسبت کہیں اے ہمارے پروردگار یہ تھے وہ جنھوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا ۔ پس تو ان کو آگ کا دوہرا عذاب دے ۔ اللہ کہے گا تم میں سے ہر جماعت کے لیے دوہرا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے ۔(سورہ اعراف ۔آیت 38)

گمراہی کا سبب یہی ہے ۔کوئی امت ایسی نہیں گزری جس کے پاس اللہ نے نبی یا رہبر بھیجا ہو ۔ اور اس کی امت نے اس کے بعد اللہ کے کلام میں تحریف نہ کی ہو ۔ کیا کوئی شخص بشرط صحت اور بقائمی ہوش وحواس یہ تصور کرسکتا ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام نے اپنے پیروکاروں سے کہا ہوگا کہ میں خدا ہوں ، ہرگز نہیں ! قرآن شریف میں ہے :

"مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ"

خدایا ! میں نے ان سے وہی کہا جس کا تو نے مجھے حکم دیا ۔

لکان لالچ اورحب دنیا نے عیسائیوں کو تثلیث کے عقیدے کی طرف دھکیل دیا ۔ حضرت عیسی نے اپنے پیروکاروں کو حضرت محمد ص کی آمد کی بشارت دی تھی ۔

اسی طرح ان سے پہلے حضرت موسی ع نے بھی یہ بشارت دی تھی لیکن عیسائیوں نے محمد اور احمد دونوں کی ۔ تاویل کرکے ان کا طلب نجات دہندہ بنالیا اور آج تک وہ اس نجات دہندہ کا انتظار کررہے ہیں ۔

امت محمدیہ بھی تاویل کی بدولت 73 فرقوں میں تقسیم ہوئی جس میں سوائے ایک کے سب جہنمی ہیں ۔ اب ہم انھی فرقوں کے درمیان زندگی بسر کررہے ہیں ۔لیکن کیا کوئی ایک فرقہ بھی ایسا ہے جو خود کو گمراہ سمجھتا ہو؟ بالفاظ دیگر کیا کوئی ایک فرقہ ایسا ہے جو یہ کہتا ہو کہ ہم کتاب وسنت کی مخالفت کرتے ہیں ؟ اس کے برعکس ہر فرقے کا یہی دعویٰ ہے کہ ہم کتاب وسنت پر قائم ہیں ۔ آخر پھر حل کیا ہے ؟

کیا رسول اللہ ص کو اس کا حل معلوم نہیں تھا یا خود اللہ تعالی کو حل معلوم نہیں تھا ۔ کیونکہ رسول اللہ ص تو عبد مامور تھے یعنی وہ تو وہی کرتے تھے جو انہیں حکم ملتا تھا ۔ جیسا کہ قرآن مین ہے ۔ :

" فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ () لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ "[1]

اللہ تعالی اپنے بندوں پر مہربان ہے اور وہ ان کی بھلائی چاہتا ہے ، اس لیے یہ ہوہی نہیں سکتا کہ ہو اس مشکل کا کوئی حل تجویز نہ کرے تاکہ جو ہلاک ہوتا ہے وہ بھی دلائل کو دیکھنے کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ رہتا ہے وہ بھی دلائل کو دیکھنے کے بعد زندہ رہے ۔ اللہ تعالی کی شان یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے بندوں کو نظر انداز کردے اور انہیں بغیر ہدایت کے چھوڑ دے سوائے اس صورت کے کہ ہمارا عقیدہ یہ ہو کہ اللہ تعالی کا منشاہی یہ ہے کہ اس کے بندے افتراق وانتشار اور گمراہی میں مبتلا ہوں ۔ تاکہ وہ انہیں آتش دوزخ میں جھونک دے ۔ یہ اعتقاد بالکل غلط اور باطل ہے میں اللہ سے عفو کا طلب گار ہوں اور توبہ کرتا ہوں اس قول سے جو اللہ کی جلالت اور حکمت کے منافی ہے ۔

----

(1):-آپ انہیں نصیحت کرتے رہیں کہ آپ نصیحت کرنے والے ہیں ۔ آپ ان پر داروغہ نہیں ہیں ۔سورہ غاشیہ

اس لیے رسول اللہ ص سے منسوب یہ قول کہ آپ نے اپنے بعد کتاب اور سنت چھوڑی ہے ، ہماری مشکل کا کوئی معقول حل نہیں ہے ، بلکہ اس سے پیچیدگی مزید بڑھ جاتی ہے اور فتنہ وفساد پھیلانے والوں کی جڑ نہیں کٹتی ۔ آپ نے نہیں دیکھا کہ جب لوگوں نے اپنے امام کے خلاف بغاوت کی تو انھوں نے یہی نعرہ لگایا تھا کہ :

"ليس الحكم لك يا عليٌّ وإنّما الحكم للّه".

علی ! تمہارا نہیں اللہ کا حکم چلے گا ۔

بظاہر یہ نعرہ بڑا دلکش معلوم ہوتا ہے کہ نعرہ لگانے والا اللہ کے حکم کا نفاذ چاہتا ہے اور غیراللہ کا حکم ماننے سے انکاری ہے لیکن حقیقت کچھ اور ہے

اللہ تعالی کا ارشاد ہے :

" وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ "

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جن کی گفتگو دنیا کی زندگی میں تم کو دلکش معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنے مافی الضمیر پر اللہ کو گواہ بناتے ہیں حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہیں "۔(سورہ بقرہ ۔آیت 204)

جی ہاں ! ایسا اکثر ہوا ہے کہ صحیح بات کو غلط مقصد کے لیے استعمال کیا گیا ہے ۔آئیے اس کو سمجھ لیں کہ کیسے ؟:

جب خوارج امام علی ع سے یہ کہتے تھے کہ حکم آپ کا نہیں اللہ کا چلے گا ، تو کیا ان کا مطلب یہ تھا کہ اللہ زمین پراتر کر آئے گا اور سب کے سامنے ظاہر ہو کر ان کے اختلافی مسائل کا تصفیہ کرے گا ۔یا وہ یہ جانتے تھے کہ اللہ کا حکم تو قرآن میں ہے لیکن یہ سمجھتے تھے کہ علی ع نے قرآن کی غلط تاویل کی ہے ۔ اگر ایسا تھا تو ان کے پاس

اس کی کیا دلیل تھی ، جب کہ علی ع ان سے زیادہ عالم تھے ، ان سے زیادہ راستباز تھے اور ان سے پہلے اسلام لائے تھے ۔ کیا علی ع سے بڑھ کر بھی کوئی اسلام کا ہمدرد اور وفادار ہوسکتا تھا ؟

معلوم ہوا کہ یہ محض دل فریب نعرہ تھا جس کا مقصد سیدھے سادھے لوگوں کو بے وقوف بنا کر اقتدار اور جنگ میں ان کی معاونت حاصل کرنا تھا ۔ آج بھی ایسا ہوتا ہے ۔وہی انداز وہی لوگ ۔ مکر وفریب کم نہیں ہوئے بلکہ بڑھتے جاتے ہیں ۔ کیونکہ آج کے مکار اور عیار ۔لوگ اگلوں کے تجربے سے فائدہ اٹھاتے ہیں ہمارے زمانے میں بھی بار بار ایسا ہوا ہے کہ صحیح بات کو غلط مقصد کے حصول کے لیے استعمال کیا گیا ہے ۔

آج بھی چمکتے دمکتے ہوئے دل فریب نعرے لگائے جاتے ہیں ۔ مثلا " وہابی ، توحید کی حمایت اور شرک کی مخالفت کا نعرہ بلند کرتے ہیں ۔ اب کون مسلمان ہے جو اس اصول سے اتفاق نہیں کریگا ۔ ایک فرقے نے تو اپنا نام ہی اہل سنت والجماعت رکھ چھوڑا ہے ۔کون مسلمان نہیں چاہے گا کہ وہ اس جماعت کے ساتھ ہو جو سنت رسول کا اتباع کرتی ہو ۔

بعث پارٹی کا نعرہ ہے :

"أُمّةٌ عربيّةٌ وّاحدةٌ ذات رسالةٍ خالدةٍ"

غیر فانی پیغام کی حامل ایک متحد عرب قوم کون مسلمان اس نعرے سے دھوکا نہیں کھاجائے گا اگر اسے اس پارٹی اور اس کے عیسائی بانی میشل عفلق کے خفیہ عزائم کا علم نہیں ۔آفرین ہے آپ کو اے علی بن ابی طالب ع ! آپ کے حکیمانہ اقوال آج بھی قائم ودائم ہیں اور ہمیشہ زمانے کے کانوں میں گونجتے رہیں گے !

" فكم من كلمةٍ حق يراد بها باطل "

کتنی بار ایسا ہوتا ہے کہ صحیح بات کا غلط مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے ۔

ایک عالم نے منبر پر چڑھ کر بہ آواز بلند فرمایا :

جو کہے گا میں شیعہ ہوں ، ہم اس سے کہیں گے کہ تو کافر ہے اور جو کوئی کہے گا میں سنی ہوں ، ہم اس سے بھی کہیں گے تو کافر ہے ۔ ہمیں شیعہ چاہئیے نہ سنی ۔ ہمیں فقط مسلمان چاہیئیں۔

یہاں بھی صحیح بات کا غلط مطلب لیا گیا ہے ۔ معلوم نہیں یہ عالم کس اسلام کی بات کررہا تھا ؟

آج دنیا میں متعدد اسلام ہیں بلکہ قرن اول ہی میں متعدد اسلام تھے ۔ علی ع کا بھی اسلام تھا اور معاویہ کا بھی اسلام تھا اور دونوں کے پیروکار بھی تھے ، آخر لڑائی تک کی نوبت پہنچی ۔

پھر حسین ع کا بھی اسلام تھا اور یزید کا بھی اسلام تھا جس نے اہلبیت کو اسلام ہی کے نام پر تہہ تیغ کیا ۔ اس نے دعوی کیا تھا کہ چونکہ حسین ع نے اس کے خلاف خروج کیا ہے اس لیے وہ اسلام سے خارج ہوگئے ہیں ۔ پھر ائمہ اہل بیت اور اس کے حامیوں کا اسلام تھا اور حکمرانوں اور ان کے عوام کا اسلام تھا ۔ تاریخ کے ہر دور میں مسلمانوں میں اس طرح کا اختلاف رہا ہے ۔ آج بھی ایک طرف تو ان لوگوں کا اسلام ہے جنہیں مغرب اعتدال پسند اور روشن خیال کہتا ہے کیونکہ اسلام کے پیروکار وں نے یہود ونصاری کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہوا ہے اور یہ لوگ سپر پاورز کے سامنے سجدہ ریز ہیں ۔ دوسرا اسلام ان کٹر مسلمانوں کا ہے جنہیں مغرب بنیاد پرست ، متعصب ، دقیانوسی اور مذہبی دیوانے کہتا ہے بہرحال اہم بات یہ ہے کہ اس عالم اور خطیب نے بعد میں اپنے خیالات سے رجوع کرلیا تھا ۔

ان اسباب کے پیش نظر جو ہم نے گزشتہ اوراق میں بیان کیے ۔ اس کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ کتاب اللہ وسنتی والی حدیث کو صحیح تسلیم کیا جائے ۔

اور یہ بات روز روشن کی طرح واضح اور عیاں ہوجاتی ہے کہ دوسری حدیث کتاب اللہ وعترتی ہی صحیح ہے جس پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے ۔ اس حدیث سے تمام مشکلات حل ہوجاتی ہیں ۔ کیونکہ اگر ہم اہل بیت ع کی طرف رجوع کریں جن کی

رجوع کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے ۔ تو پھر کسی آیت کی تفسیر میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا ۔ خصوصا اگر یہ ذہن میں رہیں کہ یہ ائمہ جن کو خود رسول اللہ ص نے مقرر کیا وہیک اس کام کے اہل ہیں اور مسلمانوں میں کوئی ان کے علم کی وسعت میں اور ان کے زہد وتقوی میں شک نہیں کرتا ۔ وہ تمام فضائل میں دوسروں سے بڑھ کر ہیں ۔ لہذا وہ قرآن کی خلاف ورزی نہیں کرتےاور نہ اس کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں ۔ بلکہ تا قیامت اس سے جدا نہیں ہوں گے ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ۔

"میں تمہارے درمیان دوچیزیں چھوڑرہا ہوں :ان میں سے ایک اللہ کی کتاب ہے جو مثل رسی کے آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہے اور دوسری میری عترت ہے یعنی میرے اہل بیت ع یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیںگے۔

چونکہ میں سچوں کےساتھ ملنا چاہتا ہوں اس لیے ضروری ہے کہ میں فقط حق بات ہوں گا اورکسی کی ملامت یا اعتراض کی پرواہ نہ کروں ۔میرا مقصد لوگوں کو خوش کرنے کے بجائے اللہ سبحانہ کی رضا کا حصول اور خود اپنے ضمیر کا اطمینان ہو کیونکہ غیروں کا تو یہ حال ہے کہ

"وَلَن تَرْضَى عَنكَ الْيَهُودُ وَلاَ النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ"

تم سے ہرگز خوش نہیں ہوںگے نہ یہود اور نہ نصاری ،جب تک تم ان کے مذہب کی پیروی نہ کرنے لگو ۔

اس کی تمام بحث میں شیعہ ہی حق پر ہیں ۔ کیونکہ اہل بیت ع کے علماء میں انھوں نے رسول اللہ کی وصیت پر عمل کیا ہے اہل بیت ع کی امامت کو تسلیم کیا ہے اور اہل بیت ع کی اطاعت اور ان کی امامت کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کی ہے ۔ پس شیعوں کو دنیا اور آخرت کی یہ کامیابی مبارک ہو ۔حدیث میں

ہے کہ " آدمی حشر ان کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا ہے ۔" پھر کیا کہنے اس شخص کے جو اہل بیت سے محبت بھی رکھتا ہو اور ان کا اتباع بھی کرتا ہو ۔ زمخشری لکھی ۔ بارے مین ہا :

"کثرالشّكُّ والإختلاف و كلّ

يدّعى أنّه الصّراطُ السّويّ

فتسّكتُ بلآ إله إلّا الله

وحبّي لأحمد وعلى

فازكلبٌ بحبّ أصحاب كهف

فكيف أشقى بحبّ آل النّبي

شک اور اختلاف بہت بڑھ گیا ہے اور ہر شخص کا دعوی ہے کہ وہ سیدھی راہ پر ہے ۔ ایسے میں دو چیزوں کو مضبوطی سے تھام لیا ہے : ایک ربّ مان لا الہ الا اللہ کو اور دوسرے احمد ص وعلی ع کی محبت کو ۔ اصحاب کہف سے محبت کے سبب اگر ایک کتا کامیاب ہوسکتا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ آل محمد سے محبت کرنے کے باوجود مجھے در تر ۔ ۔ ے ۔

سری گر عاشقی کنی وجوانی

شق محمد ص بس است وآل محمد

اے اللہ ! تو ہمیں ان لوگوں میں سے بنادے جنھوں نے ولائے اہل بیت ع کی رسی کو مضبوطی سے پکڑا ہوا ہے ۔ جو ان کے راستے پر گامزن ہیں ، ان کی کشتی پر سوار ہیں ۔ ان کی امامت کے قائل ہیں اور جو ان کی جماعت میں محشور ہوں گے بے شک تو جس کو چاہتا ہے صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دے دیتا ہے ۔

"صراط عليّ حقٌّ نمسّكه"

خمس

یہ بھی ان مسائل میں سے ہے جن پر شیعوں اورسنیوں میں اختلاف ہے اس سے قبل کہ ہم کسی ایک فریق کے حق میں فیصلہ کریں ، خمس کے موضوع پرمختصر بحث ضروری ہے ،جس کی ابتدا ہم قرآن کریم سے کرتے ہیں ۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے :۔

"وَاعْلَمُواْ أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ "

اور یہ جان لو کہ جو ال تمہیں حال ہو اس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول ص کے لیے ، رسول ص کے قرابت داروں کے لیے اور یتیموں ، ناداروں اورمسافروں کے لیے ہے ۔(سورہ انفال ۔ آیت 41)

رسول اللہ لی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے :

" أمركم بأربعٍ :الأيمان بالله وإقام الصّلاة وإيتاء الزكاة وصيام رمضان وأن تؤدّوا الله خمس ما غنمتم ."

اللہ تعالی نے تمہیں چار چیزوں کا حکم دیا ہے :ایمان با اللہ کا ، نماز قائم کرنے کا ،زکات دینے کا اور اس کا کہ تم جو کچھ ماؤاس کا پانچواں حصہ اللہ کو ادا کرو۔(1)

چنانچہ شیعہ تو ائمہ اہل بیت ع کی پیروی کرتے ہوئے جو ال انہیں سال بھر میں طل ہوتا ہے اس کا خمس نکالتے ہیں ۔ اور غنیمت کی تشریح یہ کرتے ہیں

----

(1):- صحیح بخاری جلد 4 صفحہ 44

کہ اس سے مراد نفع ہے جو آدمی کو عام طور پر حاصل ہوتا ہے ۔

اس کے برخلاف اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ خمس [1] اس مال غنیمت سے مخصوص ہے جو کفار سے جنگ کے دوران میں حاصل ہو ۔ ان کے نزدیک "اغنمتم من شیء" کے معنی ہیں کہ جو کچھ تمہیں جنگ کے دوران میں لوٹ کے مال سے حاصل ہو(جبکہ آیت میں دارالحرب کا خصوصیت سے ذکر نہیں اور من شیء کے الفاظ عمومیت کے حامل ہیں)

----

(1):-خمس کے موضوع پر صحیح بخاری کے علاوہ صحیح مسلم ، جامع ترمذی ، سنن ابی داؤد ،سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متعدد احادیث موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسالتمآب نے نماز اور زکواۃ کے ساتھ خمس کی ادائیگی کو بھی واجب قرار دیا تھا ۔ اختصار کے پیش نظر ہم یہاں صرف صحیح مسلم سے ایک روایت کا متن درج کررہے ہیں ۔طالبان تفصیل علامہ سید ابن حسن نجفی صاحب کی کتاب مسئلہ خمس ملاحظہ فرائیں ۔

"ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عبدالقیس کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ! ہم ربیعہ کے قبیلے سے ہیں اور ہمارے دور آپ کے درمیان مضر کا کافر قبیلہ حائل ہے اور حرمت والے مہینوں کے علاوہ دوسرے زمانے میں ہم آپ تک نہیں پہنچ سکتے ! لہذا آپ ہمیں کوئی ایسی ہدایت فرمائیں جس پر ہم خود بھی عمل پیرا ہوں اوراپنے دوسرے لوگوں کو بھی اس پر عمل کرنے کی دعوت دیں ۔ آپ نے فرمایا : تم کو حکم دیتا ہوں چار باتوں کے لیے اور منع کرتا ہوں چار باتوں سے ۔پھر آپ نے توضیح کرتے ہوئے فرمایا کہ گواہی دو اس بات کی کہ کوئی معبود برحق نہیں سوائے خدا کے اور محمد ص اس کے رسول ہیں ۔ نیز نماز قائم کرو ، زکواۃ دو اور اپنی کمائی میں سے خمس ادا کرو ۔(صحیح مسلم جلد 1 صفحہ 93 مطبوعہ لاہور) ۔(ناشر)

یہ خلاف ہے خمس کے بارے میں فریقین کے اقوال کا ۔ میں حیران ہوں کہ میں خود کو یا کسی اور کو اہل سنت کے قول کی صحت کا یقین دلاؤں جب کہ میرا خیال ہے کہ اس بارے میں اہل سنت نے اموی حکمرانوں کے قول پر اعتماد کیا ہے خصوصاً معاویہ بن ابی سفیان کی رائے پر ۔جب کہ معاویہ بن ابی سفیان نے مسلمانوں کے اموال پر قبضہ کرکے سب سونا چاندی اپنے لیے اور اپنے مقربین کے لیے مخصوص کرلیا تھا اور اس کا نگران اپنے بیٹے یزید کو بنالیا تھا جو بندروں اور کتوں کو سونے کے کنگن پہناتا تھا جب کہ بعض مسلمان بھوکے مرتے تھے ۔

اس لیے اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اہل سنت خمس کو دارالحرب سے مخصوص کرتے ہیں کیونکہ یہ آیت ان آیات کے درمیان واقع ہوئی ہے جن کا تعلق جنگ سے ہے ۔ ایسی بہت سی آیات ہیں جن کی تفسیر اہل سنت اگر کوئی مصلحت اس کی مقتضی ہو تو ان سے پہلی یا بعد کی آیات کے معنی کی مناسبت سے کرتے ہیں ۔مثلا وہ کہتے ہیں کہ آیہ تطہیر ازواج رسول ص سے مخصوص ہے کیونکہ اس سے پہلے اور بعد کی آیات میں ازواج رسول ص ہی کا ذکر ہے ۔اسی طرح اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یہ اہل کتاب سے مخصوص ہے :

" وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلاَ يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ"

جو لوگ سونا چاندی جوڑ کر رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دیجیے ۔(سورہ توبہ ۔آیت 34)

اس سلسلے میں ابوذرغفاری رض کے معاویہ اور عثمان سے اختلاف کا اور ابوذر کا ربذہ میں شہر بدر کیے جانے کا قصہ مشہور ہے ۔ابو ذر جو سونا چاندی جمع کرنے پر اعتراض کرتے تھے ۔ وہ اسی آیت سے استدلال کرتے تھے ۔ لیکن عثمان نے کعب الاحبار سے مشورہ کیا تو کعب الاحبار نے کہا کہ یہ آیت اہل کتاب سے مخصوص ہے ۔ اس پر ابوذر غفاری رض نے کعب سے بولے : یہودی کے بچے ! تیری اں تجھے روئے اب تو ہمیں ہمارا دین سکھائے گا ؟اس پر عثمان ناراض ہوگئے اور ابوذر کو ربذہ

میں شہر بدر کردیا ۔ وہ وہیں ! کے پڑے پڑے س مپرسی کی حالت میں خالق حقیقی سے جاملے ۔ان کی بیٹی کو کوئی ایسا شخص بھی دستیاب نہ ہو کا جو ان کو غسل وکفن دے سکتا ۔

اہل سنت نے آیات قرآنی اوراحادیث نبوی کی تاویل کو ایک فن بنادیا ہے ۔ ان کی فتح اس سلسلے میں مشہور ہے ۔ اس میں وہ ان خلفائے اولین اور مشاہیر صحابہ کا اتباع کرتے ہیں ۔ جو نصوص صریحہ کی تاویل کرتے ہیں (1)

اگر ہم ایے تمام نصوص گنوانے لگیں تو ایک الگ کتاب کی ضرورت ہوں تحقیق سے دلچسپی رکھنے والے کے لیے کافی ہے کہ وہ النص والاجتہاد نامی کتاب کا مطالعہ کرے تاکہ اسے معلوم ہوجائے کہ تاویل کرنے والوں نے کس طرح اللہ کے احکام کو معطل بنادیا ۔

اگر میرا مقصد تحقیق ہے تو پھر مجھے یہ اختیار نہیں کہ میں آیات قرآنی اور احادیث نبوی کی اپنی خواہش کے مطابق یا جس مذہب کی طرف میرا رجحان ہے اس کے تقاضوں کے مطابق تاویل کرنے لگوں ۔

لیکن اس کا کیا علاج کہ اہل سنت نے خود ہی اپنی صحاح میں وہ روایات بیان کی ہیں جن کے مطابق دارالحرب سے باہر خمس کی فرضیت کا ثبوت ملتا ہے اور اس طرح اپنے مذہب اور اپنی تاویل کی خود ہی تغلیط اور تردید کردی ہے ۔مگر معما پھر بھی حل نہیں ہوتا ۔

معما یہ ہے کہ آخر اہل سنت ایسی بات کیوں کہتے ہیں جس پر عمل نہیں کرتے ۔وہ اپنی حدیث کی کتابوں میں وہی اقوال بیان کرتے ہیں جن کے شیعہ قائل ہیں ۔ لیکن ان کا عمل سراسر مخالف ہے ۔آخر کیوں ؟ اس سوال کا کوئی جواب نہیں ۔ خمس کا موضوع بھی ان ہی مسائل میں سے ہے جن کے بارے میں سنی خود اپنی روایات پر عمل نہیں کرتے ۔

----

(1):- علامہ شرف الدین کی کتاب النص والاجتہاد میں نصوص صریحہ کی تاویل کی سو سے زیادہ مثالیں جمع کی ہیں جو تحقیق کا مقصود ہو وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے

صحیح بخاری کے ایک باب میں ایک عنوان ہے : "فی الرکاز الخمس"(دفینے میں خمس ہے)۔ مالک اور ابن ادریس کہتے ہیں کہ رکاز وہ مال ہے جو قبل از اسلام دفن کیا گیا تھا ۔ یہ تھوڑا ہو یا زیادہ اس میں خمس ہے ۔جبکہ معدنی ذخائر رکاز یا دفینہ نہیں ہیں ۔رسول اللہ ص نے فرمایا ہے کہ رکاز میں خمس ہے ۔[1]

ابن عباس کہتے ہیں کہ عنبر رکاز نہیں ہے ۔ وہ تو ایک چیز ہے جسے سمندر پھینکتا لیکن حسن بصری کہتے ہیں کہ عنبر اور موتی میں بھی خمس ہے ۔[2]اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ غنیمت کا وہ مفہوم جس پر اللہ تعالی نے خمس واجب کیا ہے دار الحرب سے مخصوص نہیں کیونکہ رکاز یا دفینہ وہ خزانہ ہے جو زمین کے اندر سے نکالا جائے ۔ یہ خزانہ ملکیت ہوتا ہے اسی کی جو اس کو نکالے لیکن اس پر خمس کی ادائیگی واجب ہے اس لیے کہ دفینہ بھی مال غنیمت ہے ۔ اسی طرح عنبر اور موتی جو سمندر سے نکالے جائیں ان پر بھی خمس نکالنا واجب ہے ، کیونکہ وہ بھی مال غنیمت ہیں ۔بخاری نے اپنی صحیح میں جو روایات بیان کی ہیں ان سے اور مذکورہ بالا احادیث سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ اہل سنت کے اقوال اور ان کے افعال میں تضاد ہے ورنہ بخاری تو اہل سنت کے معتبر ترین محدث ہیں ، ان کی روایات پر عمل نہ کرنے کے کیا معنی ؟شیعوں کی ہمیشہ مبنی بر حقیقت ہوتی ہے ۔ اس میں کوئی تضاد نہیں ہوتا ہے نہ اختلاف ۔وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ اپنے عقائد میں بھی اور احکام میں بھی ائمہ اہلبیت ع کی طرف رجوع کرتے ہیں جن کی شان میں آیہ تطہیر اتری ہے اورجن کو رسول اللہ نے کتاب اللہ کے ہمدوش قراردیا ہے ۔ پس جس نے ان کا دامن پکڑ لیا وہ گمراہ نہیں ہوسکتا اور جس نے ان کی پناہ حاصل کرلی وہ محفوظ ہوگیا ۔علاوہ ازیں اسلامی حکومت کے قیام کے لیے ہم جنگوں پر بھروسہ نہیں کرسکتے ۔یہ بات

----

(1):- صحیح بخاری جلد 2 صفحہ 134 باب فی الرکاز الخمس

(2):- صحیح بخاری جلد 2 صفحہ 136 باب ما یخرج من البحر

اسلام کی وسیع النظری اور ح پسندی کے خلاف ہے ۔ اسلام کوئی سامراجی حکومت نہیں ہے جس کا مقصد دوسری قوموں کا استحصال کرنا ، ان کے وسائل سے ناجائز فائدہ اٹھانا اور انہیں لوٹنا ہو ۔ یہ تو وہ الزام ہے جو اہل مغرب ہم پر لگاتے ہیں ۔ جو اسلام اور پیغمبر اسلام کا ذکر حقارت کے ساتھ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام طاقت اور تلوار کے زور سے پھیلا ہے اور اس کا مقصد غیر قوموں کے وسائل پر ناجائز قبضہ کرنا ہے ۔

مال زندگی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے ۔خصوصا ایسی حالت میں جبکہ اسلام کا اقتصادی نظریہ یہ ہے کہ لوگوں کو معاشی تحفظ کی ضمانت دی جائے جسے آج کل کی اصطلاح میں سوشل سیکیورٹی کہا جاتا ہے اور ہر فرد کی اہوار یا سالانہ کفالت کا انتظام کیا جائے نیز مزدوروں اورحاجت مندوں کو باعزت روزی کی ضمانت فراہم کی جائے ۔

ایسی حالت میں اسلامی حکومت کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اس آمدنی پر انحصار کرے جو اہل سنت زکات کے نام سے نکالتے ہیں جس کی مقدار زیادہ سے زیادہ ڈھائی فیصد ہوتی ہے ۔یہ تناسب اتنا کم ہوتا ہے کہ حکومت کی ایسی ضروریات کے لیے ناکافی ہے مثلا افواج کو کیل کانٹے سے لیس کرنا ، اسکول اور کالج کھولنا ، ڈسپنسریاں اور ہسپتال قائم کرنا ، سڑکیں اور پل تعمیر کرنا وغیرہ ۔ حالانکہ حکومت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہر شہر کو اتنی آمدنی کی ضمانت دے جو اس کے گزربسر کے لیے کافی ہو ۔ اسلامی حکومت کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنی اور اپنے اداروں اور افرادکی بقا اورترقی کے لیے خوں ریز جنگوں پر انحصار کرے یا ان مقتولین کی قیمت پر ترقی کرے جو اسلام میں داخل ہونے سے انکار کی پاداش میں قتل کر دیے گئے ہوں ۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ سب بڑی اور ترقی یافتہ حکومتیں تمام اشیائے صرف پر ٹیکس لگاتی ہیں جس کی مقدار تقریبا بیس فیصد ہوتی ہے ، خمس کی بھی اتنی ہی مقدار اسلام نے اپنے ماننے والوں پر فرض کی ہے ۔ اہل فرانس جو T.V.A ادا کرتے ہیں اس کی مقدار 1865 فیصد ہوتی ہے ۔ اسے کے ساتھ اگر انکم ٹیکس کا اضافہ کرلیا جائے تو یہ مقدار 20 فیصد یا کچھ زیادہ ہوجاتی ہے ۔

ائمہ اہل بیت ع کو قرآن کے مقاصد کا دوسروں سے زیادہ علم تھا اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ وہ ترجمان قرآن تھے ۔ اسلامی حکومت کی اقتصادی اور اجتماعی حکمت عملی وضع کرنا ان کا کام تھا بشرطیکہ اقتدار ان کے ہاتھ آتی مگر افسوس کہ اقتدار اور اختیار دوسروں کے ہاتھ میں تھا ، جنھوں نے طاقت کے بل پر زبردستی خلافت پر قبضہ کرلیا تھا اور متعدد صحابہ صالحین کو قتل کردیا تھا اور اپنی سیاسی اور دنیوی مصلحتوں کے مطابق اللہ کے احکام میں رد و بدل کردیا تھا ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا ۔ نتیجۃً امت پستی کے تحت الثریٰ میں گر گئی جس سے وہ آج تک نہیں ابھر سکی ۔

ائمہ کی تعلیمات نے ایسے افکار اور نظریات کی شکل اختیار کر لی جن پر شیعہ آج بھی یقین رکھتے ہیں لیکن عملی زندگی میں ان کی تطبیق کی کوئی صورت نہ رہی شیعوں کو مشرق و مغرب میں ہر طرف دھتکار دیا گیا ۔ اموی اور عباسی صدیوں تک ان کا پیچھا کرتے رہے ۔

جب یہ دونوں حکومتیں ختم ہوگئیں تب جاکر شیعوں کو ایسا معاشرہ قائم کرنے کا موقع ملا جس میں وہ خمس ادا کرسکتے تھے ۔ پہلے وہ خمس خفیہ طور پر ائمہ علیھم السلام کو ادا کرتے تھے ، اب وہ اپنے مراجع تقلید کو امام مہدی علیہ السلام کے نائب کی حیثیت میں ادا کرتے ہیں ۔ اور مراجع تقلید اس رقم کو شرعی کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ مثلا وہ اس رقم سے دینی مدارس ، علمی مراکز ، اشاعت اسلام کے لیے اشاعتی ادارے نیز خیراتی ادارے ، پبلک لائبریریاں اور یتیم خانے وغیرہ قائم کرتے ہیں ۔دینی علوم کے طالب علموں کو ماہانہ وظائف وغیرہ بھی دیتے ہیں ۔

اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ شیعہ علماء حکومت کے دست نگر نہیں اس لیے کہ خمس کی رقم ان کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کافی ہوتی ہیں بلکہ وہ خود مستحقین کو ان کے حقوق پہنچاتے ہیں ۔ اس لیے وہ حکمرانوں کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے ۔اس کے بر خلاف ، علمائے اہل سنت حکام وقت کے دست نگر اور ان کے ملازم ہیں ۔ حکام اپنی مصلحت کے مطابق جس کو چاہتے ہیں نوازتے ہیں اور جس کو

چاہتے ہیں نظر انداز کرتے ہیں ۔ اس طرح علماء کا تعلق عوام سے کم اور ایوان اقتدار سے زیادہ ہوگیا ہے ۔

اب آپ خود دیکھیے کہ خمس کے حکم کی تاویل کا اثرات کے عاملات پر کیا اثر پڑا ۔ اس صورت میں ان مسلمان نوجوانوں کو ــ الزام دیا جاسکتا ہے جنھوں نے اسلام کو چھوڑ کر میونزم کا راستہ اس لیے اختیار کرلیا کہ انھیں میونزم کے ذریعہ میں اس نظام کی نسبت جو ہمارے یہاں رائج ہے ،دولت کی تقسیم قوم کے تمام افراد میں زیادہ منصفانہ نظر آئی۔

ہمارے یہاں تو ایک طبقہ ایسا ہے جو ملک کی ساری دولت پر قبضہ جمائے ہوئے ہے جبکہ ملک کی غالب افلاس میں دن گزار رہی ہے ۔ جن دولت مندوں کے دل میں تھوڑا بہت اللہ کا خوف ہے ، وَہ بھی سال میں ایک مرتبہ زکات نکالنے کو کافی سمجھتے ہیں جو فقط ڈھائی فیصد ہوتی ہے اور جس سے غریبوں کی ضرورت کا دسواں حصہ بھی پورا نہیں ہوتا ۔

"صراط عليّ حقٌّ نمسّكه"

تقلید

شیعہ کہتے ہیں کہ فروع دین شریعت کے وہ احکام ہیں جن کا تعلق ان اعمال سے ہے جو عبادات میں شامل ہیں : نماز ، روزہ ، زکات اور وغیرہ ۔ ان کے بارے میں مندرجہ ذیل تین صورتوں میں سے کسی ایک پر عمل واجب ہے :-

الف:-یا تو آدمی خود اجتہاد کرے اور احکام کے دلائل پر غور کرے (بشرطیکہ اس کا اہل ہو)۔

ب:-یا احتیاط پر عمل کرے بشرطیکہ احتیاط کی گنجائش ہو ۔

ج:-یا پھر کسی جامع الشرائط مجتہد کی تقلید کرے ۔

جس کی تقلید کی جائے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ زندہ ، عاقل ، عادل پرہیز گار اور دین پر عامل ہو۔ اپنی خواہشات نفسانی پر نہ چلتا ہو بلکہ احکامات الہی کی پیروی کرتا ہو۔

فرعی احکام میں اجتہاد [1] تمام مسلمانوں پر واجب کفائی ہے ،اگر کوئی ایک بھی

----

(1):-اجتہاد کی اصطلاح شیعوں کے ہاں بھی موجود ہے لیکن اس کے اس کے وہ معنی جو سنیوں نے عملی طور پر اسے دے دیے ہیں ۔ سنیوں کے ہاں عملا اجتہاد میں "ذاتی رائے کے اظہار" کا عنصر بھی موجود ہے جبکہ شیعوں میں اجتہاد فقط احکام الہی کو سمجھنے کی کوشش کا نام ہے اور مجتہد کسی طور پر بھی اپنی ذاتی رائے کا اظہار نہیں کرتا۔ البتہ اصطلاح کی تعریف کرتے وقت دونوں مکاتب کی اصولی کتابوں میں ایک ہی جملہ استعمال ہوتا ہے لیکن جہاں تک عمل کا تعلق ہے سنیوں میں فقیہ یا غیر معصوم صحابی کی رائے کا احکام میں دخل ہے ۔جبکہ شیعوں کا مکتب صرف خدا اور رسول کے احکامات وارشادات کو معتبر گردانتا ہے ۔مثلا امام محمد باقر ع یا امام جعفر صادق ع یہ نہیں کہتے تھے کہ انا اقول :(میں کہتا ہوں کہ) انا احرّم (میں حرام کرتا ہوں) بلکہ یہی کہتے تھے کہ رسول اللہ نے یوں فرمایا ہے : یا خدانے یوں فرمایا ہے ۔یہ مکتب اہل بیت ع کا امتیاز ہے ۔

مکتب اہل بیت ع کے اصول تفکر کے نمونے کے طورپر ہم آپ کے لیے ایک بزرگ عام

مسلمان جس میں اس کا م کی علمی لیاقت اور استعداد ہے ، اس کام کو کرلے تو باقی مسلمانوں سے یہ فریضہ ساقط ہوجاتا ہے ۔

شیعہ ان علماء کا اجتہاد کافی سمجھتے ہیں جنھوں نے اپنی زندگی اجتہاد کا رتبہ حاصل کرنے میں صرف کی ہو ۔ مسلمانوں کے لیے ایسے مجتہد کی تقلید کرنا اور فروع دین میں اس کی طرف رجوع کرنا جائز ہے ۔ لیکن اجتہاد کا رتبہ حاصل کرنا کوئی آسان کام نہیں اور نہ اس کا حصول سب کے لیے ممکن ہے ۔ اس کے لیے بہت وقت اور بہت وسیع علمی معلومات کی ضرورت ہوتی ہے ، اور یہ سعادت صرف اسے ہی میسّر آتی ہے جو سخت محنت اور کوشش کرتا اور اپنی عمر تحقیق و تعلم میں کھپاتا ہے ۔ ان میں بھی اجتہاد کا رتبہ صرف خاص خاص خوش نصیبوں ہی کو حاصل ہوتا ہے ۔

رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے :

"من أراد الله به خيرا يفقّهه فى الدين"

اللہ جس کے ساتھ نیکی کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا کردیتا ہے ۔

اس سلسلے میں شیعوں کا یہ قول اہل سنت کے ایسے ہی قول سے مختلف نہیں ۔ صرف بارے میں اختلاف ہے کہ تقلید کے لیے مجتہد کا زندہ ہونا ضروری ہے یا نہیں ۔

لیکن شیعوں اور سنیوں میں واضح اختلاف اس میں ہے کہ تقلید پر عمل ـــ

عثمان بن سعید عمری کا قول ہے نقل کرتے ہیں جو حضرت ولی عصر ارواحنا لہ الفداء کے نائب خاص تھے جب انھوں نے ایک شیعہ کے سوال کے جواب میں ایک عمل کی حرمت کا فیصلہ دیا تو ان الفاظ کا اضافہ کیا :

"میں یہ فیصلہ اپنی طرف سے نہیں دے رہا ۔ میرے لیے کسی صورت میں روا نہیں کہ کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دوں "(یعنی میں فقط امام علیہ السلام کا قول نقل کررہا ہوں)اصول کافی جلد 1 ۔وسائل الشیعہ جلد 18 صفحہ 100)(ناشر)

کیا جائے۔ شیعوں کا اعتقاد ہے کہ وہ مجتہد جس میں مندرجہ ذیل بالا سب شرائط پائی جاتی ہوں امام علیہ السلام کا نائب ہے اور غیبت امام کے زمانے میں وہ حاکم اور سربراہ ہے اور تنازعات کا فیصلہ کرنے اور لوگوں پر حکومت کرنے کے لیے اسے وہی اختیارات حاصل ہیں جو امام کو ہیں۔ مجتہد کے احکام کا انکار خود امام کا انکار ہے۔

شیعوں کے نزدیک جامع الشرائط مجتہد کی طرف صرف فتوے کے لیے ہی رجوع نہیں کیا جاتا بلکہ اسے اپنے مقلدین پر ولایت عامہ بھی حاصل ہوئی ہے۔ اس لیے مقلدین اپنے تنازعات کے تصفیہ کے لیے بھی اپنے مجتہد ہی سے رجوع کرتے ہیں، جو خمس اور زکات میں امام زمانہ کے نائب کی حیثیت سے شریعت کے مطابق تصرف کرتا ہے۔ لیکن اہل سنت والجماعت کے نزدیک مجتہد کا یہ مرتبہ نہیں۔ وہ یہ نہیں مانتے کہ امام نائب رسول ہوتا ہے۔ فقہی مسائل میں البتہ وہ صاحب مذاہب اربعہ میں کسی ایک کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ان ائمۂ اربعہ کے نام یہ ہیں:

(1):- ابو حنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی (سنہ 80 ھ تا سنہ 150ھ)۔(2):- مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر اصبحی (سنہ 93 ھ تا سنہ 179 ھ)۔(3):- محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان شافعی (سنہ 150 ھ تا سنہ 198ھ)۔(4):- احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال (سنہ 164 ھ تا سنہ 241ھ)

موجودہ دور کے بعض اہل سنت ان میں کسی ایک معین امام کی تقلید نہیں کرتے، بلکہ اپنی مصلحت کے مطابق بعض مسائل میں کسی ایک امام کی تقلید کرتے ہیں اور کچھ دوسرے مسائل میں کسی دوسرے امام کے قول پر عمل کرتے ہیں۔ سید سابق جنہوں نے چاروں اماموں کے فتووں سے ماخوذ ایک کتاب مرتب کی ہے، ایسا ہی کیا ہے کیونکہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اصحاب مذاہب کا اختلاف رحمت ہے۔ اس لیے اگر کسی مالکی کو اپنی مشکل کا حل اپنے امام کے یہاں نہ ملے اور امام ابو حنیفہ کے یہاں مل جائے تو وہ امام ابو حنیفہ کے قول پر عمل کرلے۔میں اس کی ایک مثال پیش کیا ہوں تاکہ مطلب واضح ہوجائے:

ہمارے یہاں تیونس میں ایک بالغ لڑکی تھی، یہ اس زمانے کی بات ہے

جب یہاں قاضی کورٹس ہوا کرتی تھیں ۔ اس لڑکی کو ایک شخص سے محبّت ہوئی ۔ یہ اس سے شادی کرنا چاہتی تھی مگر اس کا باپ اللہ جانے کیوں اس سے اس کے نکاح پر راضی نہیں تھا ۔ آخر باپ کے گھر سے بھاگ گئی اور اس نے اس نوجوان سے باپ کی اجازت کے بغیر نکاح کرلیا۔ باپ نے شوہر کے خلاف دعوی دائر کردیا ۔ جب لڑکی اپنے شوہر کے ساتھ عدالت میں پیش ہوئی تو قاضی نے اس سے گھر سے بھاگنے اور ولی سے اجازت کے بغیر نکاح کرنے کی وجہ سے پوچھی تو اس نے کہا : "جناب عالی ! میری عمر 25 سال ہے ۔ میں اسے شخص سے اللہ رسول کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق شادی کرنا چاہتی تھی ، لیکن میرا باپ میرا بیاہ ایک شخص سے کرنا چاہتا تھا جسے مجھ بالکل پسند نہیں تھا ۔ میں نے امام ابو حنیفہ کے مذہب کے مطابق شادی کرلی کیونکہ امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق مجھے بالغ ہونے کی وجہ سے حق ہے کہ میں جس سے چاہوں شادی کرلوں"۔

اللہ بخش قاضی صاحب جنھوں نے یہ قصہ مجھے خود سنایا تھا ، کہنے لگے : جب ہم نے اس مسئلہ کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ لڑکی ٹھیک کہتی تھی۔ میرا خیال ہے شاید کسی جاننے والے عالم نے سمجھا دیا تھا کہ عدالت میں جاکر کیا بیان دے ۔

قاضی صاحب کہتے تھے کہ میں نے باپ کا دعوی خارج کردیا اور نکاح کو باقی رکھا ۔ باپ غصہ میں بھرا ہوا عدالت سے باہر نکلا ۔ وہ ہاتھ مل رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ بیٹیا حنفی ہوئی یعنی امام مالک کو چھوڑ کر امام ابو حنیفہ کا مذہب اختیار کرلیا ۔ میں وہ شخص کہتا تھا کہ میں اس بیٹیا کو عاق کردوں گا ۔

یہ مسئلہ اجتہادی اختلاف کا ہے :-

امام مالک کی رائے ہے کہ کنواری یا باکرہ لڑکی کا نکاح سرپرست کی اجازت کے بغیر نہیں ہوسکتا ۔بلکہ اگر طلاق یا بیوہ ہو تب بھی ولی کی اجازت ضروری ہے ۔ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ بالغ لڑکی باکرہ ہو یا طلاق و بیوہ اسے خود اپنا شوہر پسند کرنے اور عقد کرنے کا اختیار ہے ۔ تو اس فقہی مسئلے نے باپ بیٹی میں جدائی ڈال دی ۔یہاں تک کہ باپ نے بیٹی کو عاق کردیا ۔

َ یمے زانے میں تیونس میں اکثر باپ مختلف وجوہ سے بیٹیوں کو عاق کر دیا کرتے تھے ،جن میں سے ایک وجہ یہ ہوتی تھی کہ لڑکی جس سے شادی کرنا چاہتی تھی اس کے ساتھ بھاگ گئی ۔ عاق کرنے کا انجام بڑا خراب ہوتا ہے کیونکہ جب باپ بیٹی کو میراث سے محروم کر دیتا ہے تو لڑکی کے بھائیوں کی دشمن بن جاتے ہیں اور بھائی خود بھی بہن کو چھوڑ دیتے ہیں ، کیونکہ بہن کے بھاگنے کو بھائی اپنے لیے کلنک کا ٹیکہ سمجھتے ہیں ۔ اس طرح معاملہ ویسا نہیں ہے جیسا کہ اہل سنت سمجھتے ہیں کہ اصحاب مذاہب فقہاء کا اختلاف ہمیشہ رحمت ہوتا ہے ۔ کم از کم یہ اختلاف ہر مسئلے میں رحمت نہیں ہے ، کیونکہ ہمارے لیے معاشرتی اور قبائلی اختلاف اور روایات کو بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے ۔

ایک ایسے معاشرے میں جس کی نشوونما مالکی افکار پر ہوئی ہو اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ عورت کو یہ حق ہو کہ وہ گھر سے بھاگ جائے اور باپ کی اجازت کے بغیر کسی سے نکاح کر لے ۔ جو عورت ایسا کرے تو اس کے متعلق یہی سمجھا جائے گا کہ اس نے گویا اسلام کا انکار کر لے ۔ جو عورت ایسا کرے تو اس کے متعلق یہی سمجھا جائے گا کہ اس نے گویا اسلام کا انکار کیا یا ایک ناقابل معافی گناہ کا ارتکاب کیا ۔ جبکہ دوسرے مذہب کی رو سے اس نے ایسا کام کیا جو نہ صرف جائز ہے بلکہ اسے اس کا حق بھی ہے ۔ اسی لیے مالکی معاشرے کو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے حنفی معاشرے میں نسبتاً جنسی آزادی اور آوارگی ہے ۔ ان مذہبی اختلاف کے نتیجے میں عورت اپنے بہت سے حقوق سے محروم ہے اور وہ اس صورت حال کا الزام دین اسلام کو دیتی ہے ۔ اسی لیے ہم ان بعض نوجوان عورتوں کو الزام نہیں دے سکتے جو اپنے مذہب کا اس لیے انکار کرنے لگتی ہیں کیونکہ ان کے بڑے ان کے ساتھ خلاف شریعت ظالمانہ سلوک کرتے ہیں ۔

اس مثال کے بعد ہم پھر اصل موضوع کی طرف آتے ہیں :-

اہل سنت کے نزدیک جس امام کی تقلید کی جائے اس تقلید سے وہ درجہ حاصل نہیں ہوتا جس کے شیعہ قائل ہیں یعنی نیابت رسول کا درجہ ۔ اس کی وجہ شوری اور "خلیفہ یا امام کے انتخاب کا نظریہ ہے ۔ اہل سنت نے خود اپنے

آپ کو یہ حق دے دیا ہے کہ وہ جس کو چاہیں خلیفہ بنا یا بہتر الفاظ میں امام بنادیں ۔ اسی طرح ان کے خیال میں انہیں یہ بھی حق ہے کہ وہ چاہیں تو امام کو معزول کردیں یا اس کے بجائے جس کو اپنی دانست میں بہتر سمجھیں اسے مقرر کردیں ، اس طرح درحقیقت وہ امام کے بھی امام ہوگئے ۔یہ صورت شیعہ عقیدے کے بالکل برعکس ہے اگر ہم اہل سنت کے پہلے امام یعنی ابو بکر صدیق پر نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ انھوں نے اس سے اپنے پہلے خطاب میں کہا تھا :

" أيّهاالنّاس لقد ولّيت عليكم ولست بخيركم فإن أطعتُ فأعينوني وإن عصيتُ فقوّموني......."

لوگو! مجھے تمہارا والی چن لیا گیا ہے اگر چہ میں تم میں سب سے بہتر نہیں ہوں ۔چنانچہ جب تک میں صحیح راستے پر چلوں میرے ساتھ تعاون کرو اور جب میں بھٹک جاؤں ، تو مجھے صحیح راہ پر چلادو......"۔

اس طرح ابو بکر خود اعتراف کرتے ہیں کہ جن لوگوں نے ان کو پسند کیا ہے اور ان کی بیعت کی ہے انہیں یہ بھی حق ہے کہ معصیت اورخطا کی صورت میں وہ ان کے مقابلے میں ڈٹ جائیں ۔

اس کے برعکس ، جب ہم شیعوں کے پہلے امام یعنی علی بن ابی طالب ع پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ ان کی امامت کے قائل ہیں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ ان کو امام ان کر دراصل حکم خداوندی کی تعمیل کرتے ہیں ۔ ان کے نزدیک امام علی ع کو ایسی ہی ولایت مطلقہ حاصل ہے کیا ہو بھلا اس کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ کوئی خطا کرے یا معصیت کا مرتکب ہو ؟اسی طرح امت کے لیے بھی یہ ہرگز جائز نہیں کہ وہ اس کے کسی حکم کی مخالفت کرے یا اس کا مقابلہ کرے کیونکہ ارشاد باری تعالی ہے :

"وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْراً أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالاً مُبِيناً "

چونکہ حضرت علی ع کو مسلمانوں کا امام اللہ اور اس کے رسول ص نے مقرر کیا تھا: اس لیے ان کی حکم عدولی نہیں کی جاسکتی تھی۔ نہ یہ ممکن تھا کہ حضرت علی ع کسی معصیت کا ارتکاب کریں اسی لیے رسول اللہ ص نے فرمایا تھا :

"عليٌّ مع الحقّ والحقّ مع عليٍّ ولن يفرقا حتّى يردا عليّ الحوض ."

علی حق کے ساتھ ہیں اور حق علی کے ساتھ ہے ۔ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتے جب تک میرے پاس حوض پر نہ آجائیں"[1]۔

تقلید کے بارے میں فریقین کا استدلال ان کے دو مختلف نظریوں کی بنیاد پر آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے ۔ مطلب ہے سنیوں کا شوری کا نظریہ اور شیعوں کا نص کا نظریہ۔

اس کے بعد تقلید کے متعلق شیعوں اور سنیوں میں صرف ایک اور اختلافی مسئلہ باقی رہ جاتا ہے اور وہ ہے "تقلید میت کا مسئلہ "۔

اہل سنت جس ائمہ کی تقلید کرتے ہیں انہیں فوت ہوئے صدیاں گزرچکی ہیں ۔ اسی زمانے کے بعد سے اہل سنت کے یہاں اجتہاد کا دروازہ بند ہے ۔ ان ائمہ کے بعد جو علماء ہوئے ان کی ساری توجہ صرف ان کی کتابوں کی شرحیں لکھنے اور مذاہب اربعہ کے فقہی مسائل کے نظم اور نثر میں مجموعے مرتب کرنے پر مرکوز رہی ۔ اب چونکہ بہت سے ایسے مسائل پیدا ہوگئے ہیں جن کا ائمہ کے زمانے میں وجود بھی نہیں تھا ۔ اس لیے بعض معاصرین آواز اٹھارہے ہیں کہ زمانے کی ضرورت کا

---

(1):- محمد بن عیسی ترمذی جامع ترمذی جلد 5 صفحہ 297 ۔علاء الدین متقی ہندی کنزالعمال جلد 5 صفحہ 30 ۔محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری مستدرک حاکم جلد 3 صفحہ 124۔ جار اللہ زمخشری ربیع الابرار ۔ ابن حجر ہیثمی صواعق محرقہ صفحہ 122 ۔ابن ابی الحدید معتزلی شرح نہج البلاغہ جلد 2 صفحہ 572۔حافظ ابو بکر خطیب بغدادی ۔ تاریخ بغداد جلد 14 صفحہ 321 ۔ حافظ ابن عساکر تاریخ دمشق جلد 3 صفحہ 119 ۔ ابن قتیبہ دینوری الامامۃ والسیاسۃ جلد 1 صفحہ 73۔

تقاضا یہ ہے کہ اجتہاد کا دروازہ پھر سے کھول دیا جائے ۔

اس کے برعکس ، شیعہ میت کی تقلید جائز نہیں سمجھتے اور اپنے تمام احکام کے بارے میں ایک زندہ مجتہد کی طرف رجوع کرتے ہیں جس میں وہ سب شرائط پائی جاتی ہوں جن کا ہم نے گزشتہ اوراق میں ذکر کیا ہے یہ صورت امام معصوم کی غیبت کے زمانے میں ہے ۔ جب تک امام معصوم دوبارہ ظاہر نہیں ہوتے ، شیعہ قابل اعتماد علماء ہی سے رجوع کرتے رہیں گے ۔

آج بھی ایک سنّی مالکی مثلا کہتا ہے کہ امام مالک قول کے مطابق یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے ۔ حالانکہ امام مالک کی وفات ہوئے چودہ صدیاں گزرچکی ہیں یہی صورت امام ابو حنیفہ ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے پیرو کاروں کے ساتھ ہے کیونکہ یہ سب مذاہب اور ائمہ ایک ہی زمانے میں تھے اور ان کا ایک دوسرے سے استاد شاگرد کا تعلق تھا ۔ اہل سنت اپنے ائمہ کے معصوم ہونے کے بھی قائل نہیں ہے نہ خود ان ائمہ نے کبھی عصمت کا دعوی کیا ۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ یہ ائمہ جو اجتہاد کرتے ہیں اس میں خطا اور صواب دونوں کا احتمال ہے ۔ صواب کی صورت میں انہیں دو اجرملتے ہیں اور خطا کی صورت میں ایک اجر ۔ بہر کیف اجر ہر اجتہاد پر ملتا ہے ۔

شیعوں کے نزدیک تقلید کے دو دور ہیں :

پہلا دورائمہ اثنا عشر کا دور ہے ۔ یہ مرحلہ تقریبا ساڑھے تین سوسال پر محیط ہے ۔ اس دور میں ہر شیعہ امام معصوم کی تقلید کرتا تھا اور امام کوئی بات اپنی رائے یا اپنے اجتہاد سے بیان نہیں کرتے تھے ۔ وہ جو کچھ کہتے تھے اسی علم اور ان روایات کی بنیاد پر کہتے تھے جو انہیں اپنے جد رسول اللہ ص سے پہنچی تھیں ۔ مثلا وہ کسی سوال کے جواب میں اس طرح کہتے تھے :"روایت بیان کی میرے والد نے ، انھوں یہ روایت سنی اپنے والد سے ، انھوں نے جبریل سے انھوں نے اللہ عزوجل سے "[1]

----

(1):- ہشام بن حکم اور حمّاد بن عیسی سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ ہم نے امام جعفر صادق ع کو

۔ دوسرا دور نہ غیبت کا دور ہے جو ابھی تک چل رہا ہے ۔ اب شیعہ یہ کہتا ہے کہ یہ چیز آیت اللہ خوئی کی رائے کے مطابق یا آیت اللہ خمینی کی رائے کے مطابق حلال یا حرام ہے ۔ یہ دونوں [1] مجتہد زندہ ہیں ۔ ان کی رائے سے مراد ہے قرآن اور ائمہ اہل بیت ع کی روایات کے مطابق سنت سے احکام کے استنباط میں ان کا اجتہاد ، ائمہ اہل بیت ع کی روایات کے برابر دوسرے درجے میں صحابہ عدول یعنی معتبر صحابہ کی روایات ہیں ۔ ائمہ اہل بیت ع کو ترجیح اس لیے ہے کہ وہ شریعت کے بارے میں اپنی رائے سے قطعی احتراز کرتے ہیں اور اس کے قائل ہیں کہ :

یہ فرماتے ہوئے سنا کہ :

"میری حدیث میرے والد کی حدیث ہے اور میرے والد کی حدیث میرے دادا کی حدیث ہے اور میرے دادا کی حدیث حسین کی حدیث ہے اور حسین کی حدیث حسن کی حدیث ہے اور حسن کی حدیث امیر المومنین علیہم السلام کی حدیث ہے اور امیر المومنین کی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے اور رسول اللہ ص کی حدیث ارشاد الہی ہے "۔(اصول کافی جلد 1 صفحہ 35)

عنبسہ روایت کرتے ہیں کہ

"ایک شخص امام جعفر صادق علیہ السلام سے کوئی مسئلہ پوچھا تو آپ نے جواب دیا ۔ اس پر اس شخص نے کہا کہ اگر ایسا اور ایسا ہوتا تو اس میں دوسرا قول نہ ہوتا ۔ آپ نے فرمایا ۔" جب کبھی ہم کسی مسئلے کا جواب دیں تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے اور ہم کوئی جواب اپنی رائے سے نہیں دیتے "۔(بصائر الدرجات صفحہ 300-301)

(1):- جن دنوں مصنف نے یہ کتاب لکھی تھی ، آیت اللہ خمینی حیات تھے ۔

"مامن شيءٍ إلّا ولله فيه حكمٌ"

یعنی کوئی ایسی چیز نہیں جس کے بارے میں اللہ کا حکم نہ ہو ۔

اگر کسی مسئلے کے بارے میں ہمیں یہ حکم دستیاب نہ ہو تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالی نے اس مسئلہ کو نظر انداز کردیا ہے ۔ بلکہ یہ ہمارا قصور اور ناواقفیت ہے جس کی وجہ سے ہمیں اس حکم کا علم نہیں ہو کا ۔کسی چیز کا علم نہ ہونا اس کی دلیل نہیں کہ اس کا وجود ہی نہیں ۔ اللہ سبحانہ کا قول ہے :

"مَّا فَرَّطْنَا فِي الكِتَابِ مِن شَيْءٍ"

اس کتاب میں ہم نے کوئی چیز نظر انداز نہیں کی۔(سورہ انعام ۔آیت 38)

وہ عقائد جن پر سنت شیعوں کو الزام دیتے ہیں

شیعوں کے کچھ عقائد ایسے ہیں جن پر اہل سنت محض اس تعصب کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں جو امویوں اور عباسیوں نے اس لیے پھیلایا تھا کیونکہ وہ امام علی ع لیے بغض اور عناد رکھتے تھے یہاں تک کہ امویوں نے علی الاعلان 80 برس تک منبروں سے افتخار ہر نبی وہر ولی حضرت علی ع پر لعنت کی [1]اس لیے اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں کہ یہ لوگ ہر اس شخص کو گالیاں دیتے تھے اور اس پر ہر طرح کے بہتان باندھتے تھے جس کا ذرا بھی علی ع کی جماعت سے تعلق ہو ۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی مگر کسی کو یہ کہا جاتا تھا کہ تو یہودی ہے تو وہ اس کا اتنا برا نہیں مانتا تھا اگر اس کو یہ کہہ دیا جاتا تھا کہ تو شیعہ ہے ۔ ان کے حامیوں اور پیروکاروں کا بھی ہر زمانے میں اور ہر ملک میں یہی طریقہ رہا یہاں تک کہ اہل سنت کے لیے لفظ شیعہ ایک گالی بن گیا ۔ کیونکہ شیعوں کے عقائد مخلف تھے اور سنیوں کی جماعت سے باہر تھے ، اس لیے سنی ان پر جو چاہتے الزام لگادیتے تھے ، جس طرح چاہتے بدنام کرتے تھے اور ہر بات میں ان کے طریقے کے

----

(1):- تفصیلات کے لیے دیکھیے تاریخ عاشورا ، مطبوعہ تعلیمات اسلامی ۔کراچی ، پاکستان

خلاف کرتے تھے ۔[1]

آپ کو شاید علم ہو کہ علمائے اہل سنت میں سے ایک مشہور عالم[2] کا کہنا ہے کہ "اگر چہ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا سنت رسول ہے ، لیکن چونکہ یہ شیعوں کا شعار بن گیا ہے اس لیے اس کا ترک واجب ہے"۔

اور سنئے حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی کہتے ہیں کہ "قبر کی سطح کو ہموار رکھنا اسلام میں مشروع ہے مگر رافضیوں نے اسے اپنا شعار بنالیا ہے ،اس لیے ہم اسے چھوڑ کے قبروں کو اونٹ کے کوہان کی شکل دے دی "۔

----

(1):- آج بھی بعض انتہا پسند حلقے یہ پروپیگنڈے کرتے ہیں کہ " شیعہ کافر ہیں ، سبائی ہیں اور ان کی جان اور ان کا مال محترم نہیں ہے ، ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے "۔اس طرح انھوں نے نفرت اور افتراق کا پنڈورا بکس کھول دیا ہے ۔ لیکن ہمارے علماء ہمیشہ ملت کی وحدت ویگانگت کے داعی رہے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ جو کوئی " لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ " کہہ دے وہ مسلمان ہے اور اس کی جان اور املاک محترم ہیں ۔

تاریخ گواہ ہے کہ جمال الدین افغانی سے لے کر آیت اللہ خمینی تک ہمارے علماء نے اتحاد اسلامی کیلئے بھر پور کوشش کی ہیں ۔ہمارے ان ہی علماء میں سے ایک آیت اللہ کاشف الغطاء ہیں جنھوں نے قابل قدر سیاسی وسماجی خدمات انجام دی نہیں ۔ سنہ 1350 ھ میں جب آیت اللہ کاشف الغطاء موتمر اسلامی میں شرکت کے لیے القدس الشریف پہنچے تو موتمر کے بیشتر مندوبین نے آپ ہی کی اقتدا میں مسجد اقصی میں نماز پڑھی تھی ۔(ناشر)

(2):-یہ الہدایہ کے مولف شیخ الاسلام برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی (593ھ)ہیں ۔

زمخشری نے اپنی کتاب ربیع الابرار میں لکھا ہے کہ

" معاویہ بن ابی سفیان نے سب سے پہلے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا شروع کی جو خلاف سنت ہے "۔

لہذا ہم معاویہ کے طرفدار سے اتنا ہی عرض کریں گے کہ

دامن کو ذرا دیکھ ،ذرا بند قبا دیکھ

دامن کو ذرا دیکھ ،ذرا بند قبا دیکھ

اور ابن تیمیہ[1] کہتے ہیں :

" بعض فقہاء کیا خیال یہ ہے کہ اگر کوئی مستحب شیعوں کا شعار بن جائے تو اس مستحب کو ترک کردینا بہتر ہے گو ترک کرنا واجب نہیں ۔کیونکہ اس مستحب پر عمل میں بہ ظاہر شیعوں سے مشابہت ہے ۔ سنیوں اور رافضیوں میں فرق کی مصلحت مستحب پر عمل کی مصلحت سے زیادہ قوی ہے ۔[2]

حافظ عراقی سے جب یہ پوچھ گیا کہ تحت الحنک کس طرف کیاجائے ؟ تو انھوں نے کہا کہ

مجھے کوئی ایسی دلیل نہیں ملی جس سے داہنی طرف کی تعیین ہوتی ہو ، سوائے اس کے طبرانی کے یہاں ایک ضعیف حدیث ضرور ہے ، لیکن اگر یہ ثابت بھی ہو تو شاید آپ داہنی طرف لٹکا کر بائیں طرف لپیٹ لیتے ہیں . جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں مگر چونکہ یہ شیعوں کا شعار بن گیا ہے ، اس لیے شبیہ سے بچنے کے لیے اس سے احتراز ہی مناسب ہے [3]

سبحان اللہ ! یہ انداز تعصب ملاحظہ ہو ۔یہ علماء سنت رسول ص کی مخالفت کی اجازت صرف اس بنا پر دیتے ہیں کہ اس پر شیعوں نے پابندی سے عمل کرنا شروع کردیا ہے اور وہ ان کا شعار بن گئی ہے ۔پھر دیدہ دلیری دیکھیے

----

(1):- کہا جاتا ہے کہ برطانوی سامراج نے جب سرزمین حجاز میں "وہابی تحریک "کا آغاز کیا تو انھوں نے ۔مستشرقین کی تجویز کے بموجب جو اسلام کا [illegible] کرتے ہیں ۔ اس تحریک کے ذریعہ ابو العباس تقی الدین احمد بن عبدالحلیم المعروف بہ ابن تیمیہ حرانی کے افکار ونظریات کو فروغ دیا کہ کیونکہ وہ اپنے افکار ونظریات کی بنا پر مطعون تھا لیکن بیسویں صدی کے لوگوں نے اسے "مجدد "اور" مصلح" کا خطاب دے دیا ۔(ناشر)

(2):- منہاج السنۃ النبویہ ، ابن تیمیہ

(3):-شرح المواہب ،زرقانی ۔

کہ اس ۔ بات کا علانیہ اعتراف کرتے ہوئے بھی ذرا نہیں شرماتے ،میں تو یہ کہتا ہوں کہ شکر خدا کہ ہر صاحب بصیرت اور ہدایت کے متلاشی پر حق واضح ہوگیا ۔ سنت کا نام لینے والو ! دیکھو سنت کا دامن کس کے ہاتھ میں ہے ۔

الحمداللہ کہ ظاہر ہوگیا کہ یہ شیعہ ہی ہیں جو سنت رسول ص کا اتباع کرتے ہیں جس کی گواہی تم خود دے رہے ہو ۔ اور تم خود ہی اس کے بھی اقراری مجرم ہو کہ تم نے سنت رسول ص کو عمدا اور دیدہ ودانستہ محض اس لیے چھوڑ دیا کہ تم اہل بیت ع اور ان کے شیعیان با اخلاص کی روش کی مخالفت کرسکو ۔ تم نے معاویہ بن ابی سفیان کی سنت اختیار کرلی جن کے شاہد عادل امام زمخشری ہیں جو کہتے ہیں کہ سنت رسول ص کے برخلاف سب سے پہلے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی معاویہ ابن ابی سفیان نے پہنی تھی ۔ تم نے باجماعت تراویح کی بدعت میں سنت عمر کی پیروی کی ۔حالانکہ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے مسلمانوں کو نافلہ نمازیں گھر میں فرادی پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا [1]۔ حضرت عمر نے خود اعتراف کیا تھا کہ یہ نماز بدعت ہے :

بخاری میں عبدالرحمان بن عبداقاری سے روایت ہے ، وہ کہتے ہیں کہ ماہ رمضان میں ایک دن رات کے وقت ،میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد کی طرف گیا تو وہاں دیکھا کہ لوگ متفرق طور پر نماز پڑھ رہے ہیں ۔ کہیں کوئی اکیلا ہی نماز پڑھ رہا تھا اور کہیں چند لوگ مل کر ۔ عمر نے کہا کہ میرے خیال میں یہ بہتر ہوگا کہ میں ایسا انتظام کردوں کہ یہ سب ایک قاری کے پیچھے نماز پڑھیں ۔چنانچہ عمر نے ایسا ہی کیا اور ابی بن کعب کو امام مقرر کردیا ایک رات پھر مین عمر کے ساتھ گیا ۔ اس وقت سب لوگ جماعت سے نماز پڑھ رہے تھے ۔ انہیں دیکھ کر عمر نے کہا : کتنی اچھی بدعت ہے یہ [2]۔عمر ، جب آپ نے یہ بدعت شروع کی تھی تو آپ خود کیوں اس میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جب آپ ان کے امیر تھے تو آپ بھی ان کے

----

(1):- صحیح بخاری جلد 7 صفحہ 99 باب مایجوز من الغضب والشدۃ لامراللہ عزوجل ۔

(2):- صحیح بخاری جلد 2 صفحہ 252 باب صلاۃ التراویح

ساتھ نماز پڑھتے ۔ یہ کیا کہ آپ ان کا تماشا دیکھنے نکل کھڑے ہوئے ؟ آپ کہتے ہیں کہ یہ اچھی بدعت ہے ۔یہ اچھی کیسے ہوسکتی ہے جب رسول اللہ ص نے اس سے اس وقت منع کردیا تھا جب لوگوں نے آپ کے دروازے پر جمع ہوکر شور مچایا تھا کہ آپ آکر نافلہ رمضان پڑھا دیں ۔ اس پر رسول اللہ ص غصّے میں بھرے ہوئے نکلے اور آپ نے فرمایا ۔

"مجھے اندیشہ تھا کہ یہ نماز تم پر فرض ہوجائے گی ۔ جاؤ اپنے گھروں میں جاکر نماز پڑھو۔ فرض نمازوں کے علاوہ ہر نماز آدمی کے لیے گھر میں پڑھنا ہی بہتر ہے "۔ تم نے سفر کی حالت میں پوری نماز پڑھنے کی بدعت میں عثمان بن عفان کی سنت کی پیروی کی ہے ۔ تمہارا یہ عمل سنت رسول کے خلاف ہے ۔کیونکہ رسول اللہ ص تو سفر میں قصر نماز پڑھا کرتے تھے [(1)]۔ اگر میں وہ سب مثالیں گنوانے لگوں جہاں تم نے سنت رسول کے خلاف طریقہ اختیار کیا ہے تو اس کے لیے ایک پوری کتاب کی ضرورت ہوگی ۔ لیکن تمہارے خلاف تو تمہاری اپنی شہادت ہی کافی ہے جو تمہارے اپنے اقرار پر مبنی ہے ۔تم نے یہ بھی اقرار کیا ہے کہ یہ شیعہ رافضی ہیں جو سنت رسول کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں !

کیا اس کے بعد بھی ان جاہلوں کی تردید کرنے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت ہے جو یہ کہتے ہیں کہ شیعہ علی بن ابی طالب ع کا اتباع کرتے ہیں اور اہل سنت رسول اکرم ص کا ؟ کیا یہ لوگ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ علی ع رسول اللہ ص کے مخالف تھے اور انھوں نے کوئی نیا دین ایجاد کیا تھا ؟ ایسی بات ان کے منہ سے نکلتی ہے ۔ علی ع تو سراپا سنت رسول ص تھے ۔ وہ سنت رسول ص کے شارح تھے اور سنت پر سختی سے قائم تھے ۔ ان کے متعلق رسول اللہ ص نے فرمایا تھا کہ

"عليٌّ منّي بمنزلتي من ربّي."[(2)]

----

(1):- صحیح بخاری جلد 2 صفحہ 35 "وکذلک تاولت عائشة فصلّت اربعا صفحہ 36

(2):- ابن حجر عسقلانی ، لسان المیزان جلد 5 صفحہ 161 ۔ محب طبری ،ذخائر العقبی صفحہ 64 نور اللہ حسینی مرعشی ۔ احقاق الحق جلد 7 صفحہ 217

"علی ص کا مجھ سے وہی تعلق ہےوجمیرا میرے پروردگار سے ہے " یعنی جس طرح کہ تنہا محمد ص ہی وہ شخص تھے جو اللہ تعالی کا پیغام پہنچاتے تھے ایے ہی تنہا علی ص وہ شخص تھے جو رسول اللہ ص کا پیغام پہنچاتے تھے ۔ علی ع کا قصور یہ تھا کہ انھوں نے اپنے سے سابق خلفاء کی خلافت تسلیم نہیں کی اور شیعوں کا قصور یہ ہے کہ انھوں نے اس حالت میں علی ع کی پیروی کی اور ابوبکر ، عمر اور عثمان کے جھنڈے تلے جمع ہونے سے انکار کردیا ۔ اسی لیے اہل سنت انہیں "رافضی" یعنی منکر کہنے لگے ۔

اگر اہل سنت شیعہ عقائد اور شیعہ اقوال کا انکار کرتے ہیں تو اس کے دو سبب ہیں :

پہلا سبب تو وہ دشمنی ہے جس کی آگ اموی حکمرانوں نے جھوٹے پروپیگنڈے اور منگھڑت روایات کے ذریعے بھڑکائی تھی ۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ اہل سنت جو خلفاکی تائید کرتے ہیں اور ان کی غلطیوں اور ان کے اجتہادات کو صحیح ٹھہراتے ہیں ، خصوصا اموی حکمرانوں کی غلطیوں کو جن میں معاویہ کا نام سر فہرست ہے ۔شیعہ عقائد ان کے اس طرز عمل کے منافی ہیں ۔جو شخص واقعات کا متتبع کرے گا ۔ اس پر واضح ہوجائے گا کہ شیعہ سنی اختلافات کی داغ بیل تو سقیفہ کے دن ہی پڑ گئی تھی ۔ اس کے بعد اختلافات کی خلیج برابر وسیع ہوتی چلی گئی ۔ بعد میں جو بھی اختلاف پیدا ہوا اس کی اصل سقیفہ کا واقعہ ہی تھا ۔اس کی سب سے بڑی دلیل یہ کہ شیعوں کے وہ سب عقائد جن پر اہل سنت اعتراض کرتے ہیں ، ان کا خلافت کے معاملے سے گہرا تعلق ہے اور ان سب کی جڑ خلافت ہے ۔مثلا ۔ ائمہ کی تعداد ، امام کا منصوص ہونا ، ائمہ کی عصمت ، ان کا علم ،بدا ، تقیہ ، مہدی منتظر وغیرہ ۔

اگر ہم طرفین کے اقوال پر غیر جذباتی ہو کر غور کریں تو ہمیں طرفین کے عقائد میں بہت زیادہ فرق نظر نہیں آئے گا ۔نہ ایک دوسرے پر طعن و تشنیع کا کوئی جواز ملیگا کیونکہ جب آپ اہل سنت کی کتابیں پڑھتے ہیں جن میں شیعوں کو گالیاں دی گئی ہیں تو آپ کو ذرا دیر کے لیے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا شیعہ اسلامی اصولوں اور اسلامی احکام

کے مخالف ہیں اور انھوں نے کوئی نیا دین گھڑ ا ہوا ہے ۔ حالانکہ جو بھی منصف مزاج شخص شیعہ عقائد پر غور کرے گا وہ ان

کی اصل قرآن وسنت میں پائیگا حتی کہ جو مخالفین ان عقائد پر اعتراض کرتے ہیں خود انکی کتابوں سے بھی ان ہی عقائد کی تائید

ہوتی ہے ۔پھر ان عقائد میں کوئی بات خلاف عقل ونقل اور منافی اخلاق نہیں ہے!

آیئے ان عقائد پر ایک نظر ڈالیں۔ تاکہ میرے دعوے کی صحت ظاہر ہوجاتے اور آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ مخالفین

کے اعتراضات دھوکے کی ٹٹی کے سواکچھ نہیں !

ائمہ کی عصمت

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ نبی کی طرح امام کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ تمام ظاہری اور باطنی برائیوں سے بچپن سے لے کر

موت تک محفوظ رہے ۔ اس سے عمداً یا سہوا کوئی گناہ سرزد نہ ہو اور بھول چوک اور خطا سے محفوظ ہو ۔ کیونکہ ائمہ شریعت کے

نگراں اور محافظ ہیں اور اس لحاظ سے ان کی حیثیت وہی ہے جو نبی کی ہے ۔جس کی دلیل کی رو سے ہمارے لیے ائمہ کے معصوم

ہونے کا عقیدہ بھی ضروری ہے ۔ اس بات میں دونوں میں کوئی فرق نہیں (1)

یہ عصمت کے بارے میں شیعوں کی رائے ہے ۔لیکن کیا اس میں کوئی ایسی بات ہے جو قرآن وسنت کے منافی ہو یا عقلا

محال ہو یا جس سے اسلام پر حرف آتا ہو اور اس کے شایان شان نہ ہو یا جس سے کسی نبی یا امام کی قدرومنزلت میں فرق آتا

ہو؟ ہر گز نہیں !

بلکہ اس عقیدے سے کتاب وسنت کی تائید ہوتی ہے ۔ یہ عقیدہ عقل سلیم کے عین مطابق ہے اور اس سے نبی اور امام کی

شان میں اضافہ ہوتا ہے

----

(1):- شیخ محمد رضا مظفر ،عقائد الامامیہ صفحہ 67 ۔یہ کتاب جامعہ تعلیمات اسلامی نے مکتب تشیع کے نام سے شائع کردی ہے ۔

احمقانہ اور غلط بات تو یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ نبی غلطی کرتا ہے اور اس کی اصلاح دوسرے لوگ کرتے ہیں ۔

عصمت ازروئے قرآن

اللہ تعالی کا ارشاد ہے :

" إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً "

اللہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ اسے اہل بیت ع تم سے رجس کو دور رکھے اور تمہیں ایسے پاک و پاکیزہ رکھے ۔(سورہ احزاب ۔آیت 33)

اگر رجس سے دور رہنے کے معنی سب برائیوں اور گناہوں سے حفاظت ہے تو کیا اس کا مطلب عصمت نہیں ہے؟ پھر اس کا مطلب اور کیا ہے؟

اللہ تعالی کا ارشاد ہے :

"إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَواْ إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُواْ فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ"

جو لوگ متقی ہیں ، جب انہیں کوئی شیطانی خیال آتا ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں جس سے انہیں یکایک صحیح راستہ سجھائی دینے لگتا ہے (سورہ اعراف ۔ آیت 201)

جب شیطان کسی متقی شخص کو بہکانا اور گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اگر وہ اللہ کو یاد کرتا ہے تو اللہ اسے شیطان کے دام فریب سے بچالیتا ہے اور اسے راہ حق دکھادیتا ہے جس پر وہ چل پڑتا ہے جب عام مومن کی یہ صورت ہے تو ان لوگوں کا کیا کہنا جو اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں جنہیں اللہ نے ہر آلودگی سے پاک رکھا ہے " ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا "

پھر ہم نے وارث بنایا کتاب کا ان کو جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا ۔ (سورہ فاطر ۔آیت 32)

جسے اللہ چنے گا وہ بلاشک معصوم ہوگا ۔ خاص اسی آیت سے

امام رضا ع نے ان علما کے سامنے استدلال کیا تھا جنمیں عباسی خلیفہ مامون نے جمع کیا تھا ۔ امام رضا ع نے یہ ثابت کیا تھا کہ اس آیت میں برگزیدہ بندوں سے مراد ائمہ اہل بیت ہی ہیں جنہیں اللہ نے کتاب کا وارث بنایا ہے ۔جو علماء وہاں موجود تھے انھوں نے امام کی یہ بات تسلیم کرلی تھی (1)

یہ قرآن کریم سے لی گئی بعض مثالیں ہیں ۔ ان کے علاوہ اور بھی آیات ہیں جن سے ائمہ کی عصمت ثابت ہوتی ہے ۔جیسے مثلا "أئمة يهدون بأمرنا" وغیرہ لیکن ہم بہ اختصار اتنے ہی پر اکتفاء کرتے ہیں

عصمت ازروئے حدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"لوگو! میں تمہارے درمیان وہ چیزیں چھوڑ رہا ہوں کہ جب تک ان سے جڑے رہوگے ، ہرگز گمراہ نہیں ہوگے ، اور وہ ہیں اللہ کی کتاب اور میری عترت یعنی میرے اہل بیت ع(2)۔

جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں ، یہ حدیث ائمہ اہل بیت ع کے معصوم ہونے کے بارےمیں صریح شہادت ہے :

اولا:- اس لیےکہ اللہ کی کتاب معصوم ہے ، اس میں باطل کا کسی طرف سے کوئی دخل نہیں کیونکہ وہ اللہ کا کلام ہے اور جو اس میں شک کرے ،وہ کافر ہے ۔

ثانیا :- اس لیے کہ جو کتاب اور عترت کو تھامے رہے ، وہ گمراہی سے محفوظ و مامون رہتا ہے ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کتاب وعترت میں غلطی کی گنجائش نہیں ۔ایک اور حدیث میں رسول اللہ ص نے فرمایا ہے:"میرے اہل بیت ع کی مثال کشتی نوح کی سی ہے جو اس پر

----

(1):- ابن عبدربہ اندلسی العقد الفرید جز 3 صفحہ 42

(2):- محمدبن عیسی ترمذی جامع الترمذی جز 5 صفحہ 328

سوار ہو گیا نجات پاگیا اور جس نے گریز کیا وہ ڈوب گیا "[1]

یسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں ، اس حدیث میں تصریح ہے کہ ائمہ اہل بیت علیہم ا لام عصوم ہیں ۔ اس وجہ سے جو ان کی کشتی میں سوار ہو جائے گا وہ نجات پاجائے گا اور جو پیچھے رہ جائے گا ،گمراہی کے سمندر میں ڈوب جائے گا ۔

رسول اللہ ص نے فرمایا :

جو میری طرح کی زندگی چاہتا ہےاور میری طرح مرنا چاہتا ہے اور اس جنت اخر میں اجنا چاہتا ہے جس کا میرے رب نے مجھ سے وعدہ کیا ہے ،تو وہ علی ع سے اور ان کے . ر ان کی اولاد سے دوستی رکھے ،اس لیے کہ وہ تمہیں ہدایت کے دروازے سے باہر نکلنے نہیں دیں گے اور گمراہی کے دروازے میں گھسنے نہیں دیں گے ۔[2]

اس حدیث میں تصریح ہے کہ ائمہ اہل بیت ع جو علی اور اولاد علی ہیں ہو عصوم ن اخ ا ہیں کیونکہ جو لوگ ان کا اتباع کریں گے وہ انہیں گمراہی کے دروازے میں داخل نہیں ہونے دیں گے ۔ ظاہر ہے کہ جو خود غلطی کرسکتا ہے وہ دوسروں کو ہدایت سے کرے گا ۔رسول اللہ ص نے فرمایا :

" أنا المنذر وعليٌّ الهادي وبك يا علي يهتدي المهتدون من بعدي".

میں ڈرانے والا ہوں اور علی ہدایت دینے والے ہیں ۔ اے علی ع ! ہدایت کے طالب میرے . ر تم سے ہدایت حاصل کریں گے [3]

----

(1):- مستدرک حاکم جر 2 صفحہ 243 ۔کنز اعمال جر 5 صفحہ 95 ۔صواق محرقہ صفحہ 184

(2):-کنز اعمال جر 6 صفحہ 155 ۔ مجمع ازوائد جر 9 صفحہ 108 ۔ تاریخ دمشق جر 2 صفحہ 99۔ مستدرک حاکم جر 3 صفحہ128 ۔حلیۃ الاولیاء جر 4 صفحہ 359 ۔ احقاق ا ق جر 5 صفحہ 108

(3):- طبری ،جا البیان فی تفسیر اقرآن جر 13 صفحہ 108 ۔رازی ،تفسیر کبیر جر 5 صفحہ 271 ۔ابن کثیر ، تفسیر اقرآن ا ظیم جر 3 صفحہ 503 ۔شوکانی ،تفسیر فتح ا ریر جر 3 صفحہ 70 ۔سیوطی تفسیر درمنثور جر 4 صفحہ 45 ۔حاکم شواہد التنزیل جر 1 صفحہ 293۔

اہل نظر پر مخفی نہیں کہ اس حدیث میں بھی عصمت امام کی تصریح ہے ۔ امام علی ع نے خود بھی اپنے معصوم ہونے اور اپنی اولاد میں سے دوسرے ائمہ کے معصوم ہونے کی تصرح کی ہے آپ نے کہا:

"تم کہاں جارہے ہو اور تمہیں کدھر موڑا جارہا ہے ؟ حالانکہ ہدایت کے پرچم اڑرہے ہیں ، نشانیاں صاف اور واضح ہیں ، مینارہ نور ایستادہ ہے تم کہاں بھٹک رہے ہو اور کیوں بھٹک رہے ہو ؟ نبی کی عترت تمہارے درمیان موجود ہے ،جو حق کی باگ ڈور ہیں ، دین کے نشان ہیں اورسچائی کی زبان ہیں ۔ جو قرآن کی بہتر سے بہتر منزل سمجھ سکو ، وہیں ان کو بھی جگہ دو ۔ ان کی طرف اس طرح دوڑ و جیسے پیاسے پانی کی طرف دوڑتے ہیں ۔

اے لوگو! خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشادکو سنوکہ (انھوں نے فرمایا):

ہم میں سے جو مرجاتا ہے وہ مرا ہوا ہوتا ہے مگر مردہ نہیں ہوتا[1] ۔ ہم میں سے جو بظاہر مرکر بوسیدہ ہوجاتا ہے ،وہ درحقیقت کبھی بوسیدہ نہیں ہوتا ۔ تم وہ بات نہ کہو جو تمہیں معلوم نہیں ۔ کیونکہ اکثروہ بات صحیح ہوتی ہے جس کا تم انکار کرتے ہو ۔جس کے خلاف تمہارے پاس کوئی دلیل نہ ہو اسے معذور سمجھو ۔اورمیں ایسا ہی شخص ہوں ۔ کیا میں نے تمہارے درمیان ثقل اکبر (قرآن)پر عمل نہیں کیا ؟ اب میں تمہارے درمیان ثقل اصغر چھوڑرہا ہوں میں نے تمہارے درمیان ایمان کا جھنڈا گاڑدیا ہے ۔"[2]

کیا ان تمام آیات قرآنی ،احادیث نبوی اور اقوال علی ع کے بعد بھی عقل

----

(1):- فرشتہ موت کاچھوتا ہے گوبدن تیرا

ترے وجود کے مرکز سے دوررہتا ہے (اقبال

(2):-نہج البلاغہ خطبہ 85

ان ائمہ کی عصمت کا انکار کرسکتی ہے جنہیں اللہ نے چنیدہ وبرگزیدہ قرار دیا ہے ۔ جواب یہ ہے کہ نہیں ،ہرگز نہیں ۔ بلکہ عقل تو یہ کہتی ہے کہ ان کی عصمت ایک حتمی اور لابدی امر ہے ۔ اس لیے کہ انسانوں کی قیادت وہدایت کا منصب جن کے سپرد کیا گیا ہو ممکن نہیں کہ وہ معمولی انسان ہوں ، جو بھول چوک اور غلطی کا شکار ہوتے ہوں اور جس کی پیٹھ پر گناہوں کی گٹھری لدی ہوئی ہو جن پر لوگ نکتہ چینی کرتے ہوں ، عیب لگاتے ہوں اور کیڑے نکالتے ہوں ،بلکہ عقل کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ اپنے زمانے مین سب سے زیادہ سب سے زیادہ عالم ، سب سے زیادہ نیک ، سب سے بہادر اور سب سے بڑھ کر متقی اور پرہیز گار ہون کہ

یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے

یہی وہ صفات ہیں جن سے قائد کی شان بڑھتی ہے لوگوں کی نگاہ اس کی عزت وعظمت میں اضافہ ہوتا ہے ، سب اس کا احترام کرتے ہیں اور پھر دل وجان سے کسی ہچکچاہٹ اور خوشامد کے بغیر کے بغیر ، اس کی اطاعت کرنے لگتے ہیں ۔ جب یہ بات ہے تو پھر اس کے ماننے والوں کے خلاف یہ طعن وتشنیع کیوں اور یہ شوروغوغا کیسا ؟

اس سلسلے میں اہلسنت نے شیعوں پر جو تنقید کی ہے اگر وہ آپ سنیں اور پڑھیں تو آپ کو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا شیعہ جس کو چاہتے ہیں تمغہ عصمت پہنا دیتے ہیں ۔یا جو عصمت کا قائل ہے ہو کوئی کلمہ کفر منہ سے نکال رہاہے یا گویا وہ معصوم کے متعلق یہ کہتا ہے کہ یہ ایسا خدا ہے کہ نہ اس کو اونگھ آتی ہے نہ نیند درحقیقت ایسی کوئی بھی بات نہیں ۔

عصمت ائمہ نہ کوئی عجیب وغریب بات ہے نہ محال ونا ممکن ۔شیعوں کے نزدیک عصمت کے معنی فقط یہ ہیں کہ معصوم اللہ تعالی کی خاص رحمت وحفاظت میں ہوتا ہے کہ شیطان اس کو ورغلا نہیں سکتا اور نفس امارہ اس پر غلبہ پا نہیں سکتا کہ اسے معصیت کی طرف لے جائے ۔ یہ وہ بات ہے جس سے اللہ کے دوسرے متقی بندے بھی محروم نہیں ۔ ابھی یہ آیت گزرچکی ہے "إِنَّ الَّذينَ اتَّقَوا إِذا مَسَّهُم طائِفٌ مِنَ الشَّيطانِ تَذَكَّروا فَإِذا هُم مُبصِرونَ"

مگر عام اہل تقوی کی یہ عصمت وقتی اور عارضی ہوتی ہے اور اس کا تعلق ایک خاص حالت سے ہوتا ہے ۔اگر بندہ تقوی کی کیفیت سے دور ہٹ جائے تو اللہ تعالی پھر اسے گناہوں سے محفوظ نہیں رکھتا مگر امام جسے اللہ منتخب کرتا ہے کسی حالت میں بھی تقوی اور خوف خدا کی راہ سے بال برابر بھی نہیں رکھتا ۔ ہمیشہ گناہوں اور خطاؤں سے محفوظ رہتا ہے

قرآن حکیم میں حضرت یوسف کے قصے میں ہے :

" وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلا أَن رَّأَى بُرْهَانَ رَبِّهِ كَذَلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاء إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ "

اس عورت نے ان کا قصد کیا اور وہ بھی اگر اپنے پروردگار کی دلیل نہ دیکھ چکے ہوتے تو قصد کر بیٹھتے ۔ پس ہم نے انہیں بچالیا تاکہ ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو دور رکھیں ۔ بیشک وہ ہمارے خاص بندوں میں سے تھے ۔(سورہ یوسف ۔آیت 24)

واضح رہے کہ حضرت یوسف ع نے ہرگز زنا کا قصد نہیں کیا تھا ، کیونکہ معاذاللہ اس قبیح فعل کا قصد انبیاء کی شان نہیں ہے ۔ البتہ آپ نے اس عورت کوروکنے ، دھکادینے اور ضرورت ہو تو اس کو مارنے کاقصد ضرور کیا تھا ۔ لیکن اللہ تعالی نے ایسی غلطی کے ارتکاب سے آپ کو بچالیا ۔کیونکہ اگر یہ غلطی ہوجاتی تو آپ پر زنا کی کوشش کا الزام لگ جاتا اور ان لوگوں سے آپ کو نقصان پہنچتا ۔

قرآن شریف میں آیا ہے :

" وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلاَّ مَا رَحِمَ رَبِّيَ إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ"

میں اپنے نفس کی برائت کااظہار نہیں کرتا ۔کیونکہ نفس تو برائی ہی سکھاتا ہے مگر یہ کہ جس پر پروردگار رحم کرے ۔(سورہ یوسف ۔آیت 53)

جب اللہ تعالی اپنے بندوں میں سے اپنے دوستوں کو چن لیتا ہے تو پھر

ان کو سکھاتا ہے کہ انہیں کیا کرنا چاہیے ۔اور ان کو برائی اور گناہوں سے پاک رکھتا ہے اور جب ان پر بہ کرتا ہے ، تو انہیں کسی برائی میں ملوث نہیں ہونے دیتا ۔یہ سب اس لیے کرتا ہے کیونکہ وہ اس کے ہر معنی میں خاص بندے ہوتے ہیں۔لیکن اگر کوئی یہ تسلیم کرنا ہی چاہتا کہ اللہ تعالی اپنے خاص اخاص بندوں کو برائیوں سے بچاتا اور گناہوں سے محفوظ رکھتا ہے تو وہ آزاد ہے ، اس پر کوئی زبردستی نہیں ۔ ہم اس کی رائے کا بھی احترام کرتے ہیں ۔ لیکن ان کا بھی فرض ہے کہ دوسروں کی رائے کا احترام کرے جو عصمت ائمہ کے قائل ہیں اور جن کے پاس اپنے دلائل ہیں ۔ خواہ مخواہ انہیں بدنام کرنے کی کوشش نہ کرے ۔ جیسا کہ ایک شخص نے کی تھی جو پیرس میں لکچر دینے آیا تھا۔ جیسا کہ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اکثر علمائے اہل سنت کرتے ہیں ۔جب وہ اپنی تحریروں میں اس موضوع کا مذاق اڑاتے ہیں ۔

ائمہ کی تعداد

شیعہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد ائمہ معصومین کی تعداد بارہ ہے ۔ یہ تعداد نہ کم ہو سکتی ہے نہ زیادہ ۔ رسول اللہ ص نے ان ائمہ کی تعداد کے ساتھ ان کے نام بھی گنوائے ہیں [1] ان کے نام یہ ہیں :

(1):- امام علی بن ابی طالب ع(2):-حسن بن علی ع

(3):-حسین بن علی ع

(4):-علی بن الحسین ع (زین العابدین)

(5):- امام محمد بن علی ع (باقر)

(6):-امام جعفربن محمد ع(صادق)

(7):- امام موسی بن جعفر ع(کاظم)

----

(1):-سلیمان قندوزی حنفی ینابیع المودۃ جزو3 صفحہ 99

(8):- امام علی بن موسی ع (رضا)

(9):- امام محمد بن علی ع (تقی)

(10):- امام علی بن محمد ع (نقی)

(11):-امام حسن بن علی ع(عسکری)

(12):- امام محمد بن حسن ع(مهدی منتظر)

یہ ہیں ائمہ اثنا عشر ! جن کی عصمت کے شیعہ قائل ہیں ۔بعض افترا پرداز یہ کہہ کر کچھ مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں کہ شیعہ اہل بیت کی عصمت کے قائل ہیں اور دیکھو شاہ حسین بادشاہ اردن بھی اہل بیت ع میں سے ہیں اور اسی طرح شاہ حسن ثانی بادشاہ مراکش بھی اہل بیت ع میں سے ہیں ۔ اب تو کچھ لوگ یہ بھی کہنے لگے ہیں کہ شیعہ امام خمینی کو بھی معصوم مانتے ہیں ۔

یہ ہے مسخرا پن ، افتراء اور سفید جھوٹ ،شیعہ علماء اور اعلی تعلیم یافتہ تو درکنار اس بات تو شیعہ عوام بھی نہیں کہتے ، ان مسخروں کی جب اور کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی تو وہ سوچتے ہیں کہ شاید اسی طرح وہ لوگوں کو خصوصا نوجوانوں کو جو اس قوم کے پروپیگنڈے پر آسانی سا یقین کرلیتے ہیں ، شیعوں سے متنفر کرسکیں ۔ شیعہ پہلے بھی اور آج بھی فقط ان ہی ائمہ کے معصوم ہونے کے قائل ہیں جن کے نام رسول اللہ نے اس وقت بتلاد یئے تھے جب وہ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے ۔ جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہیں ، خود بعض علمائے اہل سنت نے ایسی روایات نقل کی ہیں ۔بخاری و مسلم نے اپنی صحیحین میں ائمہ کی تعداد سے متعلق حدیث نقل کی ہے جس کے مطابق ائمہ بارہ ہیں اور وہ سب قریش میں سے ہیں [1]ان احادیث کا مطلب اسی وقت ٹھیک بیٹھتا ہے جب ہم بارہ اماموں سے مراد ائمہ اہلبیت ع لیں جن کے شیعہ قائل ہیں ورنہ اہل سنت بتلائیں کہ

----

(1):- صحیح بخاری جلد 8 صفحہ 127 ۔ صحیح مسلم جلد6 صفحہ 3

اس پہیلیان کا حل کیا ہے؟

اہل سنت نے اپنی صحاح میں ائمہ اثنا عشر والی احادیث تو نقل کی ہیں لیکن یہ آج تک معما ہے کہ ان مراد کون سے بارہ امام ہیں ۔مگر پھر بھی سنیوں کو یہ توفیق کہاں کہ اوس بات کو ان لیں جس کے شیعہ قائل ہیں ۔

ائمہ علم

اہل سنت کا ایک اوراعتراض یہ ہے کہ شیعہ یہ کہتے ہیں کہ ائمہ اہل بیت ع سلام اللہ علیہم کو اللہ تعالی نے ایسا خصوصی علم عطا کیا ہے جس میں کوئی ان کا شریک وسہیم نہیں ہے ۔ اور یہ کہ امام اپنے زمانے کاسب سے بڑا عالم ہوتا ہے اس لیے یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص امام سے کوئی سوال کرے اور امام سے اس کا جواب نہ بن پڑے

تو کیا شیعوں کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے ؟؟؟

ہم حسب معمول اپنی اس بحث کا آغاز بھی قرآن کریم سے کرتے ہیں ۔ اللہ تعالی فرماتا ہے :" ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا "

پھر ہم نے اپنے بندوں میں سے ان کو کتاب کا وارث بنایا جن کو ہم نے چن لیا۔

اس آیت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ نے اپنے کچھ بندوں کو چن لیا ہے اور انہیں کتاب کا وارث بنایا ہے ۔کیا معلوم کرسکتے ہیں کہ یہ چنیدہ بندے کون ہیں ؟

ہم دیکھتے ہیں کہ امام علی رضا ع نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ آیت ائمہ اہل بیت ع کے بارے میں نازل ہوئی ہے ۔ یہ اس موقع کی بات ہے جب مامون نے چالیس مشہور قاضیوں کو جمع کیا تھا اور اس میں سے ہر قاضی نے 40 سوال امام ضامن کے لیے تیار کیے تھے ۔امام نے ان سب سوالوں

کے مسکت جواب د اور ۔ بالہ آخر سب قا ‌نیوں کو ان کی اعلمیت کا اعتراف رکرنا پڑا [1]

جس وقت ان قا ‌نیوں اور امام کے درمیان یہ مناظرہ ہوا اور قا ‌نیوں نے ان کی اعلمیت کا اقرار کیا ، اس وقت امام کی عمر چودہ سال سے بھی کم تھی ۔پھر اگر شیعہ ان ائمہ کی اعلمیت کے قائل ہیں تو اس میں حیرت کای ایک بات ہے جبکہ خود اہل سنت علماء بھی یہ بات تسلیم کرتے ہیں ۔

اگر ہم قرآن کی تفسیر سے کریں گے تو ہم دیکھیں گے کہ متعدد آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ سبحانہ نے اپنی حکمت بالغہ سے ائمہ اہل بیت کو ہو علم ربانی عطا کیا تھا جو ان ہی سے مختص تھا اور یہ ائمہ واقعی ہادیوں کے پیشوا اور اندھیروں کے چراغ تھے ۔

اللہ تعالی نے فرامایا ہے :

" يُؤتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْراً كَثِيراً وَمَا يَذَّكَّرُ إِلاَّ أُوْلُواْ الأَلْبَابِ"

ہو جسے چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت عطا ہو ئی اسے بڑی نعمت عطا ہو ئی ۔ اور نصیحت تو صاحبان عقل وفہم ہی قبول کرتے ہیں (سورہ بقرہ ۔آیت 269)

ایک اور جگہ ارشاد ہے :

" فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ () وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ()إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ () فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ () لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ "

پس میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کی جگہ کی اور اگر تم سمجھوں تو یہ ایک بڑی قسم ہے ۔واقعی یہ قابل احترام قرآن ہے ایک محفوظ کتاب میں جسے کوئی مس نہیں کرسکتا بجز ان کے جو پاک

----

(1):-ابن عبد ربہ اندلسی عقد الفرید جلد 3 صفحہ 42۔

کیے گئے ہیں "۔

اس آیت میں اللہ نے ایک بڑی قوم کا ذکر کیا ہے کہ قرآن کریم میں ایسی باتیں اسرار ہیں جن کی حقیقت صرف ان کو معلوم ہے جو پاک کیے گئے ہیں ۔ یہ پاکیزہ حضرات اہل بیت ع ہیں جن سے اللہ نے ہر طرح کی آلودگی کو دور رکھا ہے ۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن سے متعلق کچھ باتیں علوم ہیں ، جن کو اللہ نے صرف ائمہ اہل بیت سے مختص کیا ہے ۔کسی دوسرے کو اگر ان علوم سے آگہی حاصل کرنا ہو تو فقط ان ائمہ کے واسطے سے ہوسکتی ہے ۔

اللہ تعالی نے فرمایا ہے :

"هُوَ الَّذِيَ أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ في قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاء الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاء تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلاَّ اللّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلاَّ أُوْلُواْ الألْبَابِ"

وہ اللہ ہی ہے جس نے آپ پر کتاب اتاری ۔اس کی بعض آیتیں محکم ہیں اور وہی اصل کتاب کامدار ہیں اور بعض متشابہ ہیں ۔ تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ اس حصہ کے پیچھے ہولیتے ہیں جو متشابہ ہے ۔ تاکہ فتنہ برپا کریں اور غلط مطلب نکالیں ،جبکہ اس کا صحیح کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے اور ان لوگوں کے جو علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لے آئے ۔ یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے ۔ اور نصیحت تو عقل والے ہی قبول کرتے ہیں (سورہ آل عمران ۔آیت 7)

اس آیہ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے، اللہ سبحانہ نے قرآن میں ایسے اسرار ورموز رکھے ہیں جن کی تاویل یا وہ خود جانتا ہے یا وہ لوگ جو علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں

یسا کہ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے جو گزشتہ اوراق میں نقل کی جاچکی ہیں ، علم میں دستگاہ رکھنے والے یعنی راسخون فی العلم سے مراد اہل بیت رسول ع ہیں ۔

اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ ص نے فرمایا ہے :" ان سے آگے نہ بڑھو ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے اور ان سے پیچھے بھی نہ رہو ورنہ گمراہ ہوجاؤگے اور انہیں پڑھانے کی کوشش نہ کرو کہ یہ تم سے زیادہ جانتے ہیں "(1)

امام علی ع نے خود بھی کہا ہے :

" کہاں ہیں وہ جو یہ جھوٹا دعوی کرتے ہیں کہ راسخون فی العلم ہم نہیں وہ ہیں ، وہ ہماری مخالفت اس لیے کرتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں اونچا درجہ دیا ہے اور ان کو ادنی درجہ ۔ ہمیں اللہ نے منصب امامت دیا اور ان کو محروم رکھا ۔ ہمیں (زمرہ خواص میں)داخل کیا اور ان کو باہر نکال دیا ۔ہم ہی ہیں جن سے ہدایت طلب کی جاسکتی ہے اور جن سے تاریکی دور کرنے کے لیے روشنی مانگی جاسکتی ہے ۔ بلاشبہ ائمہ قریش میں سے ہوں گے جو اسی قبیلہ کی ایک شاخ بنی ہاشم کی کشت زار سے ابھریں گے ۔ نہ امامت کسی کو زیب دیتی ہے اور نہ کوئی اس کا اہل ہوسکتا ہے "(2)

اگر ائمہ اہل بیت راسخون فی العلم نہیں ، تو پھر کون ہے ؟میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ امت میں سے آج تک ان سے بڑھ کر عالم ہونے کا دعوی کسی نے نہیں کیا ۔

اللہ تعالی نے فرمایا ہے :

"فَاسْأَلُواْ أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لاَ تَعْلَمُونَ "

اگر تم نہیں جانتے تو جاننے والوں سے پوچھ لو ۔

----

(1):- صواعق محرقہ صفحہ 148 ۔ درمنثور جلد 2 صفحہ 60 ۔ کنزالعمال جلد ا صفحہ 168 ۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد3 صفحہ 137۔

(3):- نہج البلاغہ خطبہ 142

یہ آیتَ بھی اہل بیت ع کی شان میں نازل ہوئی تھی ۔ (1)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد امت کے لیے ضروری ہے کہ وہ حقائق معلوم کرنے کے لیے اہل بیت سے رجوع کرے ۔ چنانچہ صحابہ کو جب کوئی بات مشکل معلوم ہوتی تھی تو وہ اس کی وضاحت کے لیے امام علی ع سے رجوع کرتے تھے ۔ اسی طرح عوام مدتوں ائمہ اہل بیت ع سے حلال وحرام معلوم کرنے کے لیے رجوع کرتے رہے اور ان کے علوم و معارف کے چشموں سے فیضیاب ہوتے رہے ۔

ابو حنیفہ کہا کرتے تھے ۔" اگر وہ دوسال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہوجاتا "(2)

یہ ان دوسالوں کی طرف اشارہ تھا جن کے دوران میں انھوں نے امام جعفر صادق سے تعلیم حاصل کی تھی ۔

امام مالک کہتے تھے کہ :

"علم وفضل ، عبادت اور زہد ،تقوی کے لحاظ سے جعفر صادق ع سے بہتر کوئی شخص نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی کے تصور میں آیا "۔(3)

جب ائمہ اہل سنت کے اعتراف کے بموجب یہ صورت ہو تو ان تمام دلائل کے باوجود شیعوں پر طعن وتشنیع کیوں ؟ جب اسلامی تاریخ سے ثابت ہے کہ ائمہ اہل بیت اپنے زمانے میں علم میں سب سے برتر تھے،تو پھر اس میں حیرت کی کیا بات ہے کہ اللہ سبحانہ ، نے اپنے اولیاء کو جنہیں اس نے چن لیا تھا مخصوص حکمت اور علم لدنی سے نوازا اور انہیں مومنین کا پیشوا اور مسلمانوں کا امام مقرر کردیا ۔اگر مسلمان ایک دوسرے کے دلائل سنیں تووہ ضرور اللہ اور رسول ص کے فرمان

----

(1):- تفسیر طبری جلد 14 صفحہ 134 ۔ تفسیر ابن کثیر جلد 2صفحہ 540 ۔ تفسیر قرطبی جلد 11 صفحہ 272۔

(2):- شبلی نعمانی ،سیرت نعمان ۔

(3):-علامہ ابن شہر آشوب مناقب آل ابی طالب ۔ حالات صادق ع

کو تسلیم کرلیں اور ایسی امت واحدہ بن جائیں جو ایک دوسرے کی تقویت کا باعث ہو ۔ پھر نہ کوئی اختلاف رہے نہ تفرقہ ، نہ مختلف نظریات ومذاہب نہ مسالک یہ سب ہوگا اور ضرور ہوگا اور جو ہونے والا ہے اس کے مطابق اللہ تعالیٰ فیصلہ ضرور دے گا ۔

" تاکہ جسے برباد ہونا ہو وہ کھلی نشانیاں آنے کے بعد برباد ہو اور جسے زندہ رہنا ہو وہ بھی کھلی نشانیاں آنے کے بعد زندہ رہے "۔(سورہ انفال ۔آیت 48)

بداء

اس کے معنی ہیں کہ اللہ کے سامنے کوئی بات جس کو کرنے کا اس کا ارادہ ہو پھر اس کی رائے بدل جائے اور پہلے جس کام کا ارادہ تھا ، وہ اس کے بجائے کچھ اور کرلے ۔

اہل سنت شیعوں کو طعن کرنے کے لیے بداء کا مطلب اس طرح لیتے ہیں گویا یہ نتیجہ ہے اللہ تعالی کی ذات میں جہل یا نقص کا ۔ اور کہتے ہیں کہ "شیعہ اللہ تعالی کے جہل قائل ہیں "۔

دراصل بداء کا یہ مطلب بالکل غلط ہے ۔ شیعہ اس کے کبھی قائل نہیں رہے ۔ اور جو شخص اس طرح کا عقیدہ ان سے منسوب کرتا ہے ۔ وہ افتراء پردازی کرتا ہے ۔قدیم وجدید شیعہ علماء کے اقوال اس کے گواہ ہیں ۔

شیخ محمد رضا مظفر اپنی کتاب عقائد الامامیہ میں کہتے ہیں :

اس معنی میں اللہ تعالی کے لیے بداء محال ہے کیونکہ یہ نقص ہے اور اللہ تعالی کی لاعلمی ظاہر کرتا ہے ۔ شیعہ اس معنی بداء کے ہرگز قائل نہیں ۔ "

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں :

"جو شخص یہ کہتا ہے کہ بداء کے معنی " ابداء ندامہ کے ہیں یعنی اللہ تعالی اپنی کسی رائے کو غلط پاکر اور اس پر نادم ہوکر

اپنی وہ رائے بدل دیتا ہے تو ایسا شخص کافر ہے "۔ امام صادق ہی نے فرمایا ہے کہ

"جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالی کے بداء کی وجہ سے اس کی لاعلمی ہے تو میرا اس سے کوئی تعلق نہیں "۔ بالفاظ دیگر شیعہ جس بداء کے قائل ہیں وہ اس قرآنی آیت کے حدود کے اندر ہے:

"يَمْحُوالله ما يشاءُ وَ يثْبِتُ وَ عِنْدَهُ اُمُّ الْكِتابِ" اور اللہ جس حکم کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے ۔ اور جس کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے اور اصل کتاب اس کے پاس ہے ۔(سورہ رعد ۔آیت 39)

اس بات کے اہل سنت بھی اسی طرح قائل ہیں جس طرح شیعہ ۔ پھر شیعوں ہی پر اعتراض کیوں کیا جاتا ہے سنیوں پر کیوں نہیں ۔ وہ بھی تو یہ مانتے ہیں کہ اللہ تعالی احکام میں تغییر کردیتا ہے ۔ موت کا وقت بدل دیتا ہے اور رزق گھٹا بڑھا دیتا ہے ۔

کیا کوئی پوچھنے والا اہل سنت سے پوچھ سکتا ہے کہ جب سب کچھ ازل سے ام الکتاب میں لکھا ہوا ہے تو پھر اللہ تعالی اپنی مرضی کے مطابق یہ تغیر وتبدل کیوں کرتا رہتا ہے ؟

ابن مردویہ اور ابن عساکر نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ :

حضرت علی ع نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے "يَمْحُوالله ما يشاءُ وَ يثْبِتُ وَ عِنْدَهُ اُمُّ الْكِتابِ" کے بارے میں دریافت کیا تو رسول اللہ نے فرمایا : میں اس کا ایسا مطلب بیان کروں گا کہ خوش ہوجائے گا اور میرے بعد میری امت کی آنکھیں بھی اس سے ٹھنڈی ہوں گی ۔ اگر صدقہ صحیح طریقے سے دیا جائے ، والدین کے ساتھ نیکی کی جائے ، کسی پر احسان کیا جائے ، تو یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ ان سے بدبختی خوش بختی

میں بدل جاتی ہے ، عمر بڑ تی ہے اور بری موت سے حفاظت رہتی ہے "

ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں قیس بن عباد رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے ۔وہ کہتے ہیں کہ

"رسول اللہ نے فرمایا کہ اشہر حرم میں سے ہر مہینے کی دسویں تاریخ کی رات کو اللہ تعالی کا ایک خاص لعاہوتا ہے رجب کی دسویں تاریخ کو اللہ تعالی کا ایک خاص لعاہوتا ہے ۔رجب کی دسویں تاریخ کو اللہ تعالی جو چاہتا ہے مٹادیتا ہے اور جو چاہتا ہے باقی رھتا ہے "۔

عبد بن حمید ، ابن جدیر اور ابن منذر نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ

"عمر بن خطاب بیت اللہ کا طواف کررہے تھے اورکہتے جاتے تھےکہ "یا الہی! اگر تونے میری قسمت میں کوئی برائی یا گناہ لکھا ہو تو اسے مٹادے اور اسے سعادت و مغفرت سے بدل دے ۔کیونکہ تو جو چاہتا ہے مٹادیتا ہے اور جو چاہتا ہے باقی رھتا ہے اور تیرے ہی پاس ام الکتاب ہے "۔ [1]

بخاری نے اپنی صحیح میں ایک عجیب وغریب قصہ بیان کیا ہے ۔ معراج النبی کے دوران اپنے پروردگار سے ملاقات کا واقعہ بیان کرتے ہوئے رسول اکرم ص فرماتے ہیں :

"اس کے بعد مجھ پر پچاس نمازیں فرض کردی گئیں ۔ میں چلتا ہوا موسی ع کے پاس آیا ۔ انھوں نے پوچھا کیا گزری ؟ میں نے کہا : مجھ پر پچاس نمازیں فرض کردی گئی ہیں۔ موسی ع نے کہا : مجھے لوگوں کی حالت کا آپ سے زیادہ علم ہے ۔ مجھے بنی اسرائیل کو قابو میں لانے میں بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑا تھا ۔ مناسب یہ ہے

----

(1):- سیوطی ،درمنثور جلد 4 صفحہ 661

کہ آپ اپنے پروردگار کے پاس دوبارہ جائیے اور اس سے کچھ تخفیف کی درخواست کیجیے۔

چنانچہ میں نے واپس جاکر تخفیف کی درخواست کی ۔ اللہ تعالی نے چالیس نمازیں کردیں ۔ میں پھر موسی کے پاس پہنچا تو انھوں نے پھر وہی بات کہی ۔ میں نے واپس جاکر پھر درخواست کی تو تیس نمازیں ہوگیئیں پھر یہی کچھ ہوا تو بیس ہوگئیں پھر دس ہوئیں ۔ میں موسی کے پاس گیا تو انھوں نے پھر وہی بات کہی اب یہ پانچ ہوگئیں ۔ میں پھر موسی کے پاس پہنچا ، انھوں نے پوچھا کہ کیا کیا ؟میں نے کہا : اللہ تعالی نے پانچ نمازیں کردیں موسی نے پھر وہی بات کہی ۔ اس مرتبہ جو میں نے سلام کیا تو آواز آئی :" اب میں نے اپنے فریضے کے بارے میں پختہ حکم دے دیا ہے ۔میں نے اپنے بندوں کا بوجھ کرم کردیا ہے اور میں نیکی کا دس گنا اجر دوں گا "[1]

بخاری ہی میں ایک اور روایت ہے ۔ اس میں ہے کہ : کئی مرتبہ کی مراجعت کے بعد جب پانچ نمازیں فرض رہ گئیں تو حضرت موسی نے رسول اکرم ص سے ایک بار پھر مراجعت کرنے کےلیے کہا۔ اور یہ بھی کہا کہ آپ کی امت پانچ نمازوں کی بھی طاقت نہیں رکھتی ۔لیکن رسول اکرم ص نے فرمایا : اب مجھے اپنے رب سے کہتے ہوئے شرم آتی ہے ۔[2]

یہ باں پڑھیے اور علمائے اہل سنت کے ان عقائد پر سردھنیے ، اس پر بھی وہ ائمہ اہل بیت ع کے پیروکار شیعوں پر اس لیے اعتراض کرتے ہیں کہ وہ بداء کے قائل ہیں ۔

----

(1):- صحیح بخاری جزء 4 صفحہ 78 کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائکہ ۔

(2):- صحیح بخاری جزء 4 صفحہ 250 باب المعراج ۔ صحیح مسلم جزء1 صفحہ 101 باب الاسراء برسول اللہ وفرض الصلوات

اس قے میں اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے محمد ص اور ا ت محمدیہ پر اول پچاس نمازیں فرض کی تھیں پھر محمد لی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مراجعت کرنے پر اسے یہ مناسب علوم ہوا کہ نمازوں کی تعداد چالیس کردے ۔پھر دوسری دفعہ مراجعت کرنے پر یہ مناسب علوم ہوا کہ نمازوں کی تعداد تیس کردے ۔ تیسری دفعہ مراجعت کرنے پر یہ مناسب علوم ہوا کہ اس تعداد کو گھٹا کر بیس کردے ۔پھر چوتھی دفعہ مراجعت کرنے پر مناسب علوم ہوا کہ دس کردے ۔پانچویں دفعہ مراجعت کرنے پر مناسب علوم ہوا کہ پانچ کردے ۔

اور کون جانتا ہے کہ اگر محمد ص اپنے رب سے شرمندہ نہ ہوجاتے تو وہ یہ تعداد ایک ہی کردیتا یا بالکل معاف کردیتا ۔

استغفراللہ ۔ یہی شرمناک بات ہے !

میرا اعتراض اس پر نہیں کہ اس قے میں بداء کیوں ہے ؟ نہیں، بالکل نہیں ۔ "یَمْحُواللہ ما یشاءُ وَ یثْبِتُ وَ عِنْدَہُ اُمُّ الْکِتابِ"

ہم شیعہ اہل سنت کا یہ عقیدہ بیان کرچکے ہیں کہ والدین سے حسن سلوک صدقات اور دوسروں کے ساتھ بھلائی اور احسان سے بدبختی ،نیک بختی میں بدل جاتی ہے ، عمر میں اضافہ ہوتا ہے اور برے طریقے سے موت سے حفاظت ہوجاتی ہے ۔ ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ اسلامی اصولوں اور قرآن کی روح کے عین مطابق ہے ۔ قرآن میں ہے کہ :

"إِنَّ اللَّهَ لا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسهم"

اللہ تعالی کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ لوگ خود اپنی حالت نہ بدلیں ۔

اگر ہمارا سب کا یعنی شیعہ اور سنی دونوں کا یہ عقیدہ ہوتا کہ اللہ تعالی تغیر وتبدل نہ کرتا ہے ، تو ہماری یہ نمازیں او ردعائیں سب بیکار تھیں ۔ ان کا نہ کوئی فائدہ تھا اور نہ کوئی ثمر۔

ہم سب اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالی احکام تبدیل کرتا ہے ۔ اسی لیے ہر نبی کی شریعت جدا ہے بلکہ خود ہمارے نبی کی شریعت میں بھی ناسخ ومنسوخ کا

سلسلہ رہا ہے ، ایسی صورت میں بداء کاعقیدہ نہ کفر ہے ، نہ دین سے بغاوت ، اہلسنت کوکوئی حق نہیں کہ اس عقیدے کی وجہ سے شیعوں کو طعنے دیں ۔ اسی طرح شیعوں کو بھی حق نہیں کہ اہل سنت پر اعتراض کریں ۔

لیکن مجھے مذکورہ بالا قصے پر ضرور اعتراض ہے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کے بارے میں اپنے پروردگار سے سودے بازی پر ۔ کیونکہ اس میں اللہ جل شانہ ، کی طرف جہل کی نسبت لازم آتی ہے اور ہمارے بشریت کے سب سے بڑے انسان یعنی ہمارے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کی توہین ہوتی ہے ۔ اس روایت میں جناب موسی ع حضرت محمد ص سے کہتے ہیں کہ

" أنا أعلم بالنّاس منك"

میں لوگوں کے حالات اور مزاج سے تمہاری نسبت زیادہ واقف ہوں ۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ موسی ع زیادہ افضل ہیں اور اگر وہ نہ ہوتے تو امت محمدیہ کی عبادت کے بوجھ میں تخفیف نہ ہوتی میری سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت موسی ع کو یہ معلوم ہوا کہ امت محمدیہ پانچ نمازوں کا بھی بوجھ برداشت نہیں کر سکتی جبکہ خود اللہ تعالی کو یہ بات معلوم نہیں تھی ، کیونکہ اس نے ناقابل برداشت عبادت کا بوجھ اپنے بندوں پر ڈال دیا تھا اور پچاس نمازیں ان پر فرض کردی تھیں ۔

میرے بھائی ذرا تصور کیجیے ! پچاس نمازیں ایک دن میں کیسے ادا کی جاسکتی ہیں ؟ ایسا ہوا تو پھر نہ کوئی مشغلہ ہوگا نہ کوئی کام نہ تعلیم نہ کمائی نہ کوشش نہ ذمہ داری ۔ سب آدمی فرشتے بن جائیں گے ، جن کا کام صرف نمازیں پڑھنا اور عبادت کرنا ہوگا ۔ آپ معمولی حساب لگائیں تو آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ یہ روایت صحیح نہیں ہوسکتی ۔ اگر ایک نماز میں دس منٹ بھی لگیں اور یہ ایک باجماعت نماز کے وقت کا معقول اندازہ ہے ، تو دس منٹ کو پچاس سے ضرب دے لیجیے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پچاس نمازیں ادا کرنے میں تقریبا دس گھنٹے لگیں گے ۔اب یا تو آپ اس افتاد پر صبر کریں یا اس دین کا ہی انکار کردیں جو اپنے ماننے والوں پر یہ ناقابل برداشت

بوجھ ڈالتا ہے ۔

ہوسکتا ہے یہودیوں اور عیسائیوں کے پاس حضرت موسی اور حضرت عیسی ع کے خلاف سرکشی کی کوئی قابل قبول وجہ ہو ۔ لیکن اب تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا بوجھ اتار دیا ہے اور ان کی سب زنجیریں کاٹ دی ہیں ۔ اب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع نہ کرنے کا ان کے پاس کیا بہانہ ہے ۔

اگر اہل سنت شیعوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ شیعہ بداء کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ نے جب مناسب سمجھتا ہے تغیر تبدل کرلیتا ہے تو وہ اپنے اوپر کیوں اعتراض نہیں کرتے جب وہ خود یہ کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ نے جب مناسب سمجھا تو ایک ہی حکم ایک ہی رات یعنی شب معراج میں پانچ دفعہ بدل دیا ۔

برا ہو اندھے تعصب اور عناد کا جو حقائق کو چھپاتا اور الٹا کرکے پیش کرتا ہے ۔ متعصب اپنے مخالف پر حملہ کرنے کے لیے صاف اور واضح امور کا انکار کرتا ہے اور بات بے بات مخالف پر اعتراض کرتا ہے ، اس کے خلاف افواہیں پھیلاتا ہے اور ذراسی بات کا بتنگڑ بنادیتا ہے جبکہ خود بہت زیادہ قابل اعتراض باتیں کہتا ہے ۔ یہاں تک مجھے وہ بات یاد آئی جو حضرت عیسی علیہ السلام نے یہود سے کہی تھی ۔ آپ نے کہا تھا:

"تم دوسروں کی آنکھ کا تنکا دیکھتے ہو اور اپنی آنکھ کا شہتیر نہیں دیکھتے " ایک مثال ہے کہ :

بیماری تو اسے تھی مگر وہ مجھ سے یہ کہہ کر کہ یہ بیماری تم میں ہے خود کھسک گئی "۔

شاید کوئی یہ کہے کہ اہل سنت کے یہاں بداء کا لفظ نہیں آیا ، گو اس کے معنی تو حکم بدلنے ہی کے ہیں لیکن پھر بھی بداء للہ کے الفاظ اہل سنت کے یہاں نہیں ۔

میں اکثر دلیل کے طور پر کہ بداء اہل سنت کے یہاں بھی ہے ۔ معراج

کا قصہ پیش کیا کرتا تھا ۔ اس پر بعض لوگوں نے اعتراض کیاکہ اس میں بداء کا لفظ نہیں ہے ۔ لیکن بعد میں جب میں نے انہیں صحیح بخاری کی ایک روایت دکھائی جس میں صراحت کے ساتھ بداء کا لفظ ہے اور اس میں کسی شک کی گنجائش بھی نہیں ، تو وہ مان گئے ۔

روایت حسب ذیل ہے :

بخاری نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

" بنی اسرائیل میں تین آدمی تھے : ایک کے جسم پر برص کے سفید داغ تھے ، دوسرا نابینا تھا اور تیسرا گنجا تھا ۔ پھر اللہ نے ان کے بارے میں " اللہ کو یہ (مناسب) معلوم ہوا کہ ان کا امتحان لے چنانچہ ایک فرشتے کو بھیجا ، جو پہلے مبروص کے پاس آیا اور اس سے پوچھا : تمہیں سب سے زیادہ کیا چیز پسند ہے؟ اس نے کہا : صاف ستھری جلد اور اچھا رنگ ، کیونکہ لوگ مجھ سے گھن کرتے ہیں ۔ فرشتے نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا تو اس کی بیماری جاتی رہی اور خوبصورت رنگ نکل آیا ۔ پھر فرشتے نے پوچھا ۔ تمہیں کس قسم کا مال پسند ہے ؟ اس نے کہا :اونٹ فرشتے نے اسے ایک دس مہینے کی گیا بھن اونٹنی دے دی ۔

اس کے بعد فرشتہ گنجے کے پاس آیا ۔اس سے پوچھا : تمہیں سب سے زیادہ کیا چیز پسند ہے؟ اس نے کہا :خوبصورت بال اور میری یہ بیماری جاتی رہے ، مجھ سے لوگ گھن کرتے ہیں ۔ فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کا گنجا پن جاتا رہا اور عمدہ بال نکل آئے ۔ اس کے بعد فرشتے نے اس سے پوچھا کہ تمہیں کون سا مال سب سے زیادہ پسند ہے ؟ اس شخص نے کہا: گائیں فرشتے نے اسے ایک گیا بھن گائے دے دی ۔

اس کے بعد فرشتہ اندھے کے پاس آیا ۔ اس سے پوچھا ! تمہیں

کون سی چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا: میں تو بس یہی چاہتا ہون کہ اللہ میری بینائی لوٹادے ۔ فرشتے نے ہاتھ پھیرا تو بینائی واپس آ ئی۔فرشتے نے پوچھا تمہیں کونسا مال پسند ہے؟ اس شخص نے کہا: بکریں ۔ فرشتے نے اسے ایک بچوں والی بکری دے دی ۔

ایک مدت کے بعد جب ان لوگوں کے پاس اونٹ گائیں اور بکریں خوب ہوگئیں اور ہر ایک کے پاس پورا گلہ ہوگیا تو وہ فرشتہ اسی شکل میں پھر آیا اور مبروص، گنجا اور نابینا میں سے ہر ایک کے پاس جاکر ان کے پاس جو جانور تھے ان میں سے کچھ جانور مانگے، بروص اور گنجے نے انکار کردیا ۔ اس پر اللہ تعالی نے ان کو پھر ان کی شکل پر لوٹا دیا ۔ نابینا نے جانور دید تو حق تعالی نے اس کے مال میں اور برکت دی اور اسی کی بینائی بھی بحال رہی (1)"

اس لیے میں بہن بھائیوں کو یہ ارشاد باری یاد دلاتا ہوں :

" يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَى أَن يَكُونُوا خَيْراً مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاء مِّن نِّسَاء عَسَى أَن يَكُنَّ خَيْراً مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الاِسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ"

اے ایمان والو! نہ مرد مردوں کا مذاق اڑائیں ، کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا ،کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو ۔ایمان کے بعد گناہ کا نام ہی برا ہے

----

(1):- صحیح بخاری جلد 4 باب ذکر بنی اسرائیل

اور جو اب بھی توبہ نہ کریں گے ، وہی ظالم ٹھہریں گے ۔ !(سورہ حجرات ۔آیت 11)

میری دلی خواہش ہے کہ کاش مسلمانوں کو عقل آجائے ، وہ تعصب کو چھوڑ دیں اور دشمن کے مقابلے میں بھی جذبات سے کام نہ لیں تاکہ ہر معاملے میں فیصلہ جذبات کے بجائے عقل سے ہو ۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ بحث وجدال میں قرآن کریم کا اسلوب اختیار کریں۔ اللہ تعالی نے اپنے رسول پر وحی نازل کی تھی کہ وہ مخالفین سے کہہ دیں کہ :

"إِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَى هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِين"

کہہ دیجیے کہ یا ہم راہ راست پر ہیں یا تم ، اسی طرح یا ہم گمراہی میں ہیں یا تم ۔(سورہ سبا ۔آیت 24)

یہ کہہ کر رسول اللہ نے مشرکین کی قدر منزلت بڑھا دی اور خود ان کی سطح پر آنا منظور کر لیا تاکہ مشرکین کے ساتھ انصاف ہو اور اگر وہ سچے ہوں تو انہیں بھی اپنے دلائل پیش کرنے کا موقع مل سکے۔

اب ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ ہم ان اعلی اخلاق پر کہاں تک عمل پیرا ہیں !

"صراط عليّ حقٌّ نمسّكه"

تقیہ

ہم گزشتہ باب میں کہہ چکے ہیں کہ اہل سنت کے نزدیک "بداء" بہت ہی قابل اعتراض اور مکروہ عقیدہ ہے ، اسی طرح تقیہ کو بھی وہ برا سمجھتے ہیں اور اس پر شیعوں کی برائیوں کا مذاق اڑاتے ہیں بلکہ شیعوں کو منافق سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شیعوں کے دل میں کچھ اور ہوتا ہے اور ظاہر کچھ اور کرتے ہیں ۔

میں نے اکثر اہل سنت سے گفتگو کرکے انہیں یقین دلانے کی کوشش کی کہ تقیہ نفاق نہیں ہے لیکن انہیں تو کسی بات کا یقین ہی نہیں آتا سوائے اس کے جو انہیں ان کی مذہبی تربیت نے سکھا دیا ہے یا جو ان کے بڑوں بزرگوں نے ان کے دل میں بٹھا دیا ہے ۔

یہ بڑے پوری کوشش کرتے ہیں کہ ان انصاف پسند اور تحقیق کے طالب لوگوں سے جو شیعوں اور شیعہ عقائد کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں ۔ حقائق کو چھپائیں اور یہ کہہ کر انہیں شیعوں سے متنفر کرنے کی کوشش کریں کہ یہ عبداللہ بن سبا یہودی کا فرقہ ہے جو رجعت ، بداء، تقیہ ، عصمت اور متعہ کا قائل ہے اور اس کے عقائد میں بہت سے خرافات اور فرضی باتیں شامل ہیں جیسے مثلا مہدی منتظر وغیرہ کا عقیدہ ۔ جو شخص ایسی باتوں کو سنتا ہے وہ کبھی اظہار نفرت کرتا ہے اور کبھی اظہار حیرت ۔ اور یہی سمجھتا ہے کہ ان خیالات کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ، یہ سب شیعوں کی منگھڑت اور فرضی باتیں ہیں ۔ مگر جب کوئی شخص تحقیق کرتا ہے اور انصاف سے کام لیتا ہے تب اسے معلوم ہوتا ہے کہ ان سب عقائد کا اسلام سے گہرا تعلق ہے اور یہ قرآن وسنت کی کوکھ سے پیدا ہوئے ہیں سچ تو یہ ہے کہ اسلامی عقائد وتصورات ان کے بغیر اپنی صحیح شکل اختیار ہی نہیں کرسکتے۔

اہل سنت میں عجیب بات یہ ہے کہ جن عقائد کو وہ برا سمجھتے ہیں ، ان ہی

عقائد سے انکی کتابیں اور احادیث کے معتبر مجموعے بھرے ہوئے ہیں ۔ اب ایسے لوگوں کا کیا علاج جو کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں ۔ اور جو خود اپنے عقائد کی اس لیے ہنسی اڑاتے ہیں کیونکہ شیعہ ان پر عامل ہیں ۔

ہم بداء کی بحث میں ثابت کرچکے ہیں کہ اہل سنت خود بداء کے قائل ہیں لیکن اگر دوسرے بداء کے قائل ہوں تو ان پر اعتراض کرنے سے نہیں چوکتے ۔اب آئیے دیکھیں تقیہ کے مسئلہ میں اہل سنت واجماعت کیا کہتے ہیں ؟

اس کی بنا پر تو وہ شیعوں پر منافق ہونے کا الزام لگاتے ہیں ۔

ابن جریر طبری اور ابن ابی حاتم نے عوفی کے واسطے سے ابن عباس سے روایت بیان کی ہے کہ اس آیت "إِلاَّ أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقاةً" کے بارے میں ابن عباس کہتے تھے :"تقیہ زبان سے ہوتا ہے ۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی کسی شخص کو ایسی بات کہنے پر مجبور کرے جو اس کے دل میں نہیں ہے تو وہ اگر لوگوں کے ڈر کے مارے وہ بات کہہ دے جب کہ اس کا دل پوری طرح ایمان پر قائم ہو تو اسے کچھ نقصان نہیں ہوگا یہ بھی یاد رکھو کہ تقیہ محض زبان سے ہوتا ہے "[1]

یہ روایت حاکم نے نقل کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے ۔بیہقی نے بھی اپنی سنن میں عطا ابن ابن عباس کے حوالے سے "إِلاَّ أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقاةً" (مگر ہاں ایسی صورت میں کہ تم کو ان سے کچھ اندیشہ ضرر ہو)(سورہ آل عمران ۔آیت 28)۔کا مطلب بیان کرتے ہوئے کہاہے کہ ابن عباس کہتے تھے کہ "التقاۃ " کا تعلق زبان سے کہنے سے ہے بشرطیکہ دل ایمان پر قائم ہو "۔عبد بن حمید نے حسن بصری سے روایت بیان کی ہے کہ

"حسن بصری کہتے تھے کہ تقیہ روزقیامت تک جائز ہے "[2]

----

(1):-سیوطی ،تفسیر درمنثور

(2):- سنن بیہقی۔مستدرک حاکم

عبد بن ابی رجاء نے نقل کیا ہے کہ حسن بصری اس آیت کو اس طرح پڑھتے تھے : "إِلاَّ أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقيةً" [1]

عبدارزاق ، ابن سعد ، ابن جریر طبری ، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے مندرجہ ذیل روایت بیان کی ہے ، حاکم نے مستدرک میں اسے صحیح کہا ہے ، بیہقی نے دلائل میں اس کو نقل کیا ہے ،روایت یہ ہے: مشرکین نے عمّار یاسر کو پکڑلیا اور اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک عمّار نے نبی اکرم کو دشنام نہ دی اور مشرکین کے معبودوں کی تعریف نہ کی۔

آخر جب عمار کو مشرکین نے چھوڑدیا تو وہ رسول اللہ ص کے پاس آئے ۔رسول اللہ نے پوچھا : ہو کیا گزری ؟ عمار کے کہا : بہت بری گزری ، انھوں نے مجھے اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک میں نے آپ کی شان میں گستاخی نہ کی اور ان کے معبودوں کی تعریف نہ کی ۔ رسول اکرم ص نے پوچھا : تمہارا دل کیا کہتا ہے ؟ عمار نے کہا : میرا دل تو ایمان پر پختہ اور قائم ہے ۔ رسول اللہ ص نے فرمایا : اگر وہ لوگ تم پر پھر زبردستی کریں تو پھر ایسے ہی کہہ دینا ۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی :

"مَن كَفَرَ بِاللّهِ مِن بَعْدِ إيمَانِهِ إِلاَّ مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالإِيمَانِ "یعنی جو شخص ایمان لانے کے خداکے ساتھ کفر کرے مگر وہ نہیں جو کفر پر زبردستی مجبورکردیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو ۔(سورہ نحل ۔ آیت 106)

ابن سعد نے محمد بن سیرین سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ نے دیکھا کہ عمار رو رہے ہیں ۔ آپ نے ان کے آنسو پونچھے اور کہا : (مجھے معلوم ہے کہ) کفار

----

(1):-سیوطی ، درمنثور

(2):-ابن سعد ، طبقات الکبری

نے تمہیں پانی ڈوبا دیا تھا تب تم نے ایسا کہا۔اگر وہ پھر تمہارے ساتھ ایسا ہی سلوک کریں ، تو پھر یہی کہہ دینا ۔[1]

ابن جریر ، ابن منذر ، ابن ابی حاتم نے اور بیہقی نے اپنی سنن میں عن علی عن ابن عباس کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں کہتے تھے " من کفر با للہ"کہ اللہ نے خبر دی ہے کہ جس نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا ، اس پر اللہ کا غضب نازل ہوگا اور اس کے لیے سخت عذاب ہے مگر جسے مجبور کیاگیا اور اس نے دشمن سے بچنے کے لیے زبان سے کچھ کہہ دیا مگر اس کے دل میں ایمان ہے اور اس کا دل ان کی زبان کے ساتھ نہیں ، تو کوئی بات نہیں کیونکہ اللہ اپنے بندوں سے صرف اسی بات کا مواخذہ کرتا ہے جس پر ان کا دل جم جائے [2]

ابن ابی شیبہ ، ابن جریر طبری ، ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت بیان کی ہے کہ یہ آیت مکہ کے کچھ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی ۔ ہوا یوں کہ یہ لوگ ایمان لے آئے تو انہیں بعض صحابہ نے مدینے سے لکھا کہ ہجرت کرکے یہاں آجاؤ ۔جب تک تم ہجرت کرکے یہاں نہیں آؤگے ، ہم تمہیں اپنا ساتھی نہیں سمجھیں گے ۔ اس پر وہ مدینہ کے ارادے سے نکلے ۔راستے میں انہیں قریش نے پکڑ لیا اور ان پر سختی کی ۔مجبورا انہیں کچھ کلمات کفر کہنے پڑے ۔ان کے بارے میں آیت نازل ہوئی : " إِلاَّ مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالإِيمَانِ "[3]۔

بخاری نے اپنی صحیح میں باب المدارات میں ایک روایت نقل کی ہے جس کے ابو درداء کہتے تھے ۔

کچھ لوگ ہیں جن سے ہم بڑی خندہ پیشانی سے ملتے ہیں ،

----

(1):-ابن سعد ،طبقات الکبری

(2):- حافظ احمد بن حسین بیہقی ، سنن الکبری

(3):- سیوطی ، تفسیر درمنثور جلد 2 صفحہ 178

لیکن ہمارے دل ان پر لعنت بھیجتے ہیں ۔(1)

حلبی نے اپنی سیرت میں یہ روایت بیان کی ہے ، وہ کہتے ہیں کہ "جب رسول اللہ ص نے شہر خیبر فتح کیا تو حجاج بن علاط نے آپ سے عرض کیا: یا رسول اللہ ص ! مکے میں میرا کچھ سامان ہے اور وہاں میرے گھر والے بھی ہیں ، میں انہیں لانا چاہتا ہوں ، کیا مجھے اجازت ہے اگر میں کوئی ایسی بات کہہ دوں جو آپ کی شان میں گستاخی ہو ؟ رسول اللہ ص نے اجازت دے دی اور کہا : جو چاہے کہو " (2)

امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم میں ہے کہ :

" مسلمان کی جان بچانا واجب ہے ۔اگر کوئی ظالم کسی مسلمان کو قتل کرنا چاہتا ہو اور وہ شخص چھپ جائے تو ایسے موقع پر جھوٹ بولنا واجب ہے "۔(3)

جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب الاشباہ والنظائر میں ایک روایت بیان کی ہے ۔ اس میں لکھا ہے :

"فاقہ کشی کی حالت میں مردار کھانا ،شراب میں لقمہ ڈبونا اور کفر کا کلمہ زبان سے نکالنا جائز ہے ۔اگر کسی جگہ حرام ہی حرام ہو اور حلال بہت کم ملتا ہو تو بقدر ضرورت حرام کا استعمال جائز ہے ۔"

ابو بکر رازی نے اپنی کتاب احکام القرآن میں اس آیت "إِلاَّ أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقاةً" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

مطلب یہ ہے کہ تمہیں جان جانے یا کسی عضو کے تلف

----

(1):- صحیح بخاری جلد 7 صفحہ 102

(2):- علی بن برہان الدین شافعی ، انسان العیون المعروف بہ سیرت حلبیہ جلد3 صفحہ 61

(3):-حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی ، احیاء علوم الدین ،

ہوجانے کا اندیشہ ہو تو تم کفار سے بہ ظاہر دوستی کا اظہار کرکے اپنی جان بچاسکتے ہو ۔آیت اللہ کے الفاظ سے یہی معنی نکلتے ہیں اور اکثر اہل علم اسی کے قائل ہیں ۔ قتادہ نے بھی "لا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكافِرِينَ أَوْلِياءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ" کی تفسیر کرتے ہوئے یہی کہا ہے کہ مومن کے لیے جائز نہیں کہ کسی کافر کادین کے معاملے میں اپنا دوست یا سرپرست بنائے سوائے اس کے ضرر کااندیشہ ہو ۔ قتادہ نے مزید کہا ہے کہ "إِلاَّ أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقاةً" سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقیہ کی صورت میں زبانی کفر کا اظہار جائز ہے "(1)

صحیح بخاری میں عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ نے انہیں بتلایا کہ

ایک دفعہ ایک شخص نے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا : برا آدمی ہے ، خیر آنے دو ، جب وہ شخص آیا تو آپ نے بڑی نرمی سے اس سے بات چیت کی ۔میں نے پوچھا : یا رسول اللہ ! ابھی تو آپ نے کیا فرمایا تھا پھر آپ نے اس سے گفتگو اتنی خوش اخلاقی سے کی ؟ آپ نے جواب دیا : عائشہ ! اللہ کے نزدیک وہ بدترین آدمی ہے جس سے لوگ اس کی زبان کی وجہ سے بچیں یا اس کی زبانی کی وجہ سے چھوڑدیں (2)۔

اس قدر تبصرہ یہ دانے کے لیے کافی ہے کہ اہل سنت تقیہ کے جواز کے پوری طرح قائل ہیں ۔ وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ تقیہ قیامت تک جائز رہے گا اور ۔ جیسا کہ غزالی نے کہا ہے ، ان کے نزدیک بعض صورتوں میں جھوٹ بولنا واجب

----

(1):- ابوبکر رازی ، احکام القرآن جلد 2 صفحہ 10

(2):- صحیح بخاری جلد 7 ،باب " لم یکن النبی فاحشا ولا متفحشا"

ہے اور بقول رازی جمہور علماء کا یہی مذہب ہے ۔ بعض صورتوں میں اظہار کفر بھی جائز ہے اور ۔ جیسا کہ بخاری اعتراف کرتے ہیں بہ ظاہر مسکرانا اور دل میں لعنت کرنا بھی جائز ہے اور ۔ جیسا کہ صاحب سیرة حلبیة نے لکھا ہے ، اپنے ال کے ضائع ہوجانے کے خوف سے رسول اللہ ص کی شان میں گستاخی کرنا بلکہ کچھ بھی کہہ دینا روا ہے اور ۔ جیسا کہ سیوطی نے اعتراف کیا ہے لوگوں کے خوف سے ایسی باتیں کہنا بھی جائز ہے جو گناہ ہیں ۔

اب اہل سنت کے لیے اس کاقطعا جواز نہیں کہ وہ شیعوں پر ایک ایسے عقیدے کی وجہ سے اعتراض کریں جس کے وہ خود بھی قائل ہیں اور جس کی روایات ان کی مستند حدیثی کتابوں میں موجود ہیں جو تقیہ کو نہ صرف جائز بلکہ واجب بتلاتی ہیں جن باتوں کے اہل سنت قائل ہیں ، شیعہ ان سے زیادہ کچھ نہیں کہتے ۔ یہ بات البتہ ہے کہ وہ تقیہ پر عمل کرنے میں دوسروں سے زیادہ مشہور ہوگئے ہیں ۔ اوروجہ اس کی وہ ظلم وتشدد ہے جس سے شیعوں کو اموی اور عباسی دور میں دوچار ہونا پڑا ۔اس دور میں کسی شخص کے قتل کردیے جانے کے لیے کسی کا اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ "یہ بھی شیعیان اہل بیت ع میں سے ہے"۔

ایسی صورت میں شیعوں کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہیں تھا کہ وہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات کی روشنی میں تقیہ پر عمل کریں ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا :"
"التقية دينى ودين آبائى "

تقیہ میرا اور میرے آباء واجداد کا دین ہے ۔ اور یہ بھی فرمایا کہ " من لا تقية له لا دين له"

جو تقیہ نہیں کرتا ، اس کا دین ہی نہیں ۔

تقیہ خود ائمہ اہل بیت ع کا شعار تھا ، اور اس کا مقصد اپنے آپ کو اور اپنے پیروکاروں اور دوستوں کو ضرر سے محفوظ رکھنا ،ان کی جانیں بچانا اور ان مسلمانوں کی بہتری کا سامان کرنا تھا جو اپنے معتقدات کی وجہ سے تشدد کا شکار ہورہے تھے ،

تھے مثلاً عمار بن یاسرؓ ۔ بعض کو تو عمار بن یاسر سے بھی زیادہ تکلیف اٹھانی پڑی ۔ اہل سنت ان مصائب سے محفوظ تھے کیونکہ ان کا ظالم حکمرانوں کے ساتھ مکمل اتحاد تھا ۔ اس لیے انہیں نہ قتل کا سامنا کرنا پڑا نہ لوٹ کھسوٹ کا نہ ظلم و ستم کا ۔ اس لیے یہ قدرتی امر ہے کہ وہ نہ صرف تقیہ کا انکار کرتے ہیں بلکہ تقیہ کرنے والوں کی بنا پر شیعوں کو بدنام کرنے میں بڑا کردار ادا کیا ہے ۔ ان ہی کی پیروی اہل سنت والجماعت نے کی ہے ۔

جب اللہ تعالی نے قرآن میں تقیہ کا حکم نازل فرمایا ہے اورجب خود رسول اللہ نے اس پر عمل کیا ہے ، جیسا کہ بخاری کی روایت میں آپ پڑھ چکے ہیں ۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ص نے عمار بن یاسر کو اجازت دی کہ اگر کفار پھر ان پر تشدد کریں اور اذیت دیں تو جو کلمات کفر کفار کہلوانا چاہیں وہ کہہ دیں ۔ نیز یہ کہ قرآن وسنت پر عمل کرتے ہوئے علماء نے بھی تقیہ کی اجازت دی ہے تو پھر آپ ہی انصاف سے بتائیں کہ کیا اس کے بعد بھی شیعوں پر طعن کرنا اور ان پر اعتراض کرنا درست ہے ؟

صحابہ کرام نے ظالم حکمرانوں کے عہد میں تقیہ پر عمل کیا ہے ۔ اس وقت جبکہ ہر شخص کو جو علی بن ابی طالب پر لعنت کرنے سے انکار کرتا تھا قتل کروا دیا جاتا تھا حجر بن عدی کندی اور ان کے ساتھیوں کاقصہ تو مشہور ہے ۔اگر میں صحابہ کے تقیہ کی مثالیں جمع کروں تو ایک الگ کتاب کی ضرورت ہوگی ۔ لیکن میں نے اہل سنت کے حوالوں سے جو دلائل پیش کیے ہیں وہ بحمداللہ کافی ہیں ۔

لیکن اس موقع پر ایک دلچسپ واقعہ ضروربیان کروں گا جو خود میرے ساتھ پیش آیا ۔ ایک دفعہ ہوائی جہاز میں میری ملاقات اہل سنت کے ایک عالم سے ہوئی ہم دونوں برطانیہ میں منعقد ہونے والی ایک اسلامی کانفرنس میں مدعو تھے ۔ دو گھنٹے تک ہم شیعہ سنی مسئلے پر گفتگو کرتے رہے ۔ یہ صاحب اسلامی اتحاد کے داعی اور حامی تھے ۔ مجھے بھی ان میں دلچسپی پیدا ہوئی تھی کہ لیکن اس وقت مجھے برا معلوم ہوا جب انھوں نے یہ کہا شیعوں کو چاہیے کہ وہ اپنے بعض ایسے عقائد چھوڑدیں جو

مسلماؤں میں پھوٹ ڈالتے اور ایک دوسرے پر ن وتشنیع کا سبب بنتے ہیں ۔ میں نے پوچھا : مثلاً؟

انھوں نے بے د ک جواب دیا : مثلاً متعہ اور تقیہ ۔

میں نے انھیں سمجھانے کی بہت کوشش کی کہ متعہ تو جائز ہے اور قانونی نکاح کی ایک صورت ہے اور تقیہ اللہ کی طرف سے ایک رعایت اور اجازت ہے۔ لیکن وہ حضرت اپنی بات پر اڑے رہے اور میری ایک نہ مانی ۔ میرے دلائل انھیں قائل کرے ۔ کہنے لگے : جو کچھ آپ نے کہا ہے ، ممکن ہے کہ وہ صحیح ہو ، لیکن صحت یہی ہے کہ مسلماؤں کی وحدت کی خاطر ان چیزوں کو ترک کردیا جائے ۔

مجھے ان کی منطق عجیب معلوم ہوئی ، کیونکہ وہ مسلماؤں کی وحدت کی خاطر اللہ کے احکام کو ترک کرنے کا مشورہ دے رہے تھے ۔ پھر بھی میں نے ان کا دل رکھنے کو کہا : اگر مسلماؤں کا اتحاد اسی پر موقوف ہو تو میں پہلا شخص ہوں گا جو یہ بات مان جاتا ۔

ہم لندن ایرپورٹ پر اترے تو میں ان کے پیچھے چل رہا تھا ۔ جب ہم ائر پورٹ پولیس کے پاس پہنچے تو ہم سے برطانیہ آنے کی وجہ پوچھی گئی ۔

ان صاحب نے کہا: میں علاج کے لیے آیا ہوں ۔ میں نے کہا کہ میں اپنے دوستوں سے ملنے آیا ہوں ۔ اس طرح ہم دونوں کسی وقت کے بغیر وہاں سے گزر کر اس ہال میں پہنچ گئے جہاں سامان وصول کرنا تھا ۔ اس وقت میں نے چپکے سے ان کے کان میں کہا کہ : آپ نے دیکھا کہ تقیہ (بذریعہ ضرورت) ہر زمانے میں کارآمد ہے ؟ کہنے لگے : کیسے ؟

میں نے کہا: ہم دونوں نے پولیس سے جھوٹ بولا ۔ میں نے کہا میں دوستوں سے ملاقات کے لیے آیا ہوں ، اور آپ نے کہا کہ میں علاج کے لیے آیا ہوں ۔ حالانکہ ہم دونوں کانفرنس میں شرکت کے لیے آئے ہیں ۔

وہ صاحب کچھ دیر مسکرائے ۔ سمجھ گئے تھے کہ میں نے ان کا جھوٹ سن لیا ۔

پھر کہنے لگے :کیا اسلامی کانفرنسوں میں ہمارا روحانی علاج نہیں ہوتا ؟

میں نے ہنس کر کہا : تو کیا اس کانفرنسوں میں ہماری اپنے دوستوں سے ملاقات نہیں ہوتی ؟

اب میں پھر اپنے موضوع پر سوال کرتا ہوں ۔میں کہتا ہوں کہ اہل سنت کیا یہ کہنا غلط ہے کہ تقیہ نفاق کی کوئی شکل ہے بلکہ بات اس کی الٹ ہے کیونکہ نفاق کے معنی ہیں : ظاہر میں ایمان اور باطن میں کفر ۔ اور تقیہ کے معنی ہیں ظاہر میں کفر اور باطن میں ایمان ۔ ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے ۔ نفاق کے متعلق اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے :

"وَإِذَا لَقُواْ الَّذِينَ آمَنُواْ قَالُواْ آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْاْ إِلَى شَيَاطِينِهِمْ قَالُواْ إِنَّا مَعَكْمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ "جب وہ مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی مومن ہیں اور جب اپنے شیطانوں کے ساتھ تنہائی میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ۔ ہم تو مذاق کررہے تھے (سورہ بقرہ ۔آیت 14)

اس کا مطلب ہوا:ایمان ظاہر +کفر باطن = نفاق

تقیہ کے بارے میں اللہ سبحانہ وتعالی نے کہا ہے :

"وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ"

فرعون کی قوم میں سے ایک مومن شخص نے جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا کہا ۔۔۔۔

اس کا مطلب یہ ہوا : کفر ظاہر +ایمان باطن =تقیہ

یہ مومن آل فرعون اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا جس کا علم سوائے اللہ کے کسی کو نہیں تھا ۔ وہ فرعون اور ایک دوسرے سب لوگوں کے سامنے یہی ظاہر کرتا تھا کہ وہ فرعون کے دین پر ہے ۔ اللہ تعالی نے اس کا ذکر قرآن کریم میں تعریف کرے انداز میں کیا ہے ۔

اب قارئین باتمکین آئیے دیکھیں ! خود شیعہ تقیہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ تاکہ ان کے بارے میں جو غلط سلط باتیں مشہور ہیں ۔ جو جھوٹ بولا جاتا ہے اور طوفان اٹھایا جاتا ہے ، ہم اس سے چھٹکارا پانے پائیں ۔

شیخ محمد رضا مظفر اپنی کتاب عقائد الامامیہ میں لکھتے ہیں :

تقیہ بعض موقعوں پر واجب ہے اور بعض موقعوں پر واجب نہیں ۔ اس کا دارومدار اس پر ہے کہ ضرر کا کتنا خوف ہے تقیہ کے احکام فقہی کتابوں کے مختلف ابواب میں علماء نے لکھے ہیں ۔ ہر حالت میں تقیہ واجب نہیں ۔ صرف بعض صورتوں میں تقیہ کرنا جائز ہے بلکہ بعض صورتوں میں تو تقیہ نہ کرنا واجب ہے ۔ مثلاً اس صورت میں جب کہ حق کا اظہار ، دین کی مدد ، اسلام کی خدمت اور جہاد ہو ۔ ایسے موقع پر جان و مال کی قربانی سے دریغ نہیں کیا جاتا بعض صورتوں میں تقیہ حرام ہے یعنی ان صورتوں میں جب تقیہ کا نتیجہ خون ناحق ، یا باطل کا رواج یا دین میں بگاڑ ہو یا تقیہ کے باعث مسلمانوں کا سخت نقصان ہونے مسلمانوں میں گمراہی پھیلنے یا ظلم وجور کے فروغ پانے کا اندیشہ ہو۔

بہر حال شیعوں کے نزدیک تقیہ کا جو مطلب ہے وہ ایسا نہیں کہ اس کی بنا پر شیعوں کو تخریبی مقاصد کی کوئی خفیہ پارٹی سمجھ لیا جائے ، جیسا کہ شیعوں کے بعض وہ غیر محتاط دشمن چاہتے ہیں جو صحیح بات کو سمجھنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے ۔ ہم غیر محتاط شیعوں سے بھی کہیں گے کہ

اول غیر جو پئے اسلام ہیں ضرر

پرہیز باس سے ان کی صحبت نہ کیجیئے

اسی طرح تقیہ کے یہ بھی معنی نہیں کہ اس کی وجہ سے دین اور اس کے احکام ایسا راز بن جائیں جسے شیعہ مذہب کو نہ

اپنے والوں کے سامنے ظاہر نہ کیا جائے ۔ اور یہ ہو بھی سکتا ہے جبکہ شیعہ علماء کی تصانیف خصوصاً ان کی فقہ، احکام عقائد اور علم کلام سے متعلق کتابیں مشرق و مغرب میں ہر جگہ اتنی تعداد میں پھیلی ہوئی ہیں کہ اس سے زیادہ تعداد کسی کسی مذہب کے اپنے والوں سے توقع نہیں کی جاسکتی "۔

اب آپ خود دیکھ لیجیے کہ دشمنوں کے خیال کے بر خلاف یہاں نہ نفاق ہے نہ مکر وفریب ہے نہ دھوکا ہے نہ جھوٹ!

متعہ : معین مدت کا نکاح

جس طرح تمام مسلمان فرقوں میں نکاح کے لیے یہ شرط ہے کہ لڑکی اور لڑکے کی طرف سے ایجاب وقبول کیا جائے اور مہر معین کیا جائے ، اسی طرح سے متعہ میں بھی مہر کو معین کیا جانا ضروری ہے ۔ نیز طرفین کی طرف سے ایجاب وقبول بھی شرط ہے : مثلاً :

لڑکی لڑکے سے کہے : " زوّجتك نفسي بمهرٍ قدره كذا ولمدّةٍ كذا .[1]

اس پر لڑکا کہے : قبلتُ یا کہے :رضيتُ

شریعت اسلام میں عام طور سے جتنی شرطیں نکاح کے لیے مقرر کی گئی ہیں کم وبیش وہ تمام شرطیں متعہ کے لیے بھی مقرر کی گئی ہیں ۔ مثلاً جس طرح محرم سے (یا ایک ہی وقت میں دو بہنوں سے) نکاح نہیں ہوسکتا اسی طرح متعہ بھی نہیں ہوسکتا (اور جس طرح بعض فقہا کے نزدیک اہل کتاب سے نکاح جائز ہے اسی طرح متعہ بھی جائز ہے) اور جس طرح نکاح کرنے پر طلاق ہوجانے پر منکوحہ کے لیے عدت ضروری ہے جس کے بعد ہی وہ دوسرا نکاح کرسکتی ہے اسی طرح ممتوعہ بھی متعہ کے بعد

----

(1):- كذا وكذا کی بجائے رقم اور متعہ کی مدت بولے ۔

عدت میں بیٹھی ہے اور عدت پوری کرنے کے بعد ہی دوسرا متعہ یا نکاح کرسکتی ہے ۔ ممتوعہ کی عدت دو طہر (یا پینتالیس دن) ہے لیکن شوہر کے مرجانے کی صورت میں یہ مدت چار ماہ دس دن ہے ۔

متعہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نہ نفقہ ہے نہ میراث ، اس لیے متعہ کرنے والے مرد اور عورت ایک دوسرے سے میراث نہیں پاتے ۔

متعہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نہ نفقہ ہے نہ میراث ، اس لیے متعہ کرنے والے مرد اور عورت ایک دوسرے سے میراث نہیں پاتے ۔ متعہ سے پیدا ہونے والے بچے نکاح سے پیدا ہونے والے بچے کی طرح حلالی ہوتے ہیں اور انہیں عام بچوں کی طرح میراث اور نفقہ (روٹی کپڑا ،مکان ،دوا دارو وغیرہ)کے تمام حقوق حاصل ہوتے ہیں اوران کا نسب باپ سے چلتا ہے ۔ یہ ہیں متعہ کی شرائط اور حدود ۔اس کا حرام کاری سے دور کا بھی تعلق نہیں ، جیسا کہ بعض غلط الزام لگانے والے اوربیجا شورمچانے والے سمجھتے ہیں ۔ اپنے شیعہ بھائیوں کی طرح اہل سنت واجماعت کا بھی اس پر اتفاق ہے کہ سورہ نساء کی آیت 24 میں اللہ تعالی کی طرف سے متعہ کی تشریع کی گئی ہے آیت یہ ہے :

" فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً وَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُم بِهِ مِن بَعْدِ الْفَرِيضَةِ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلِيماً حَكِيماً"

پس جن عورتوں سے تم نے متعہ کیا ہے تو انہیں جو مہر مقرر کیا ہے دے دو اور مہر کے مقرر ہونے کے بعد اگر آپس میں (کم وبیش پر راضی ہوجاؤ تو اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں بیشک خدا ہر چیز سے واقف اور مصلحتوں کا جاننے والا ہے ۔ اسی طرح اس پر بھی شیعہ اور سنی دونوں کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ نے متعہ کی اجازت دی تھی اورصحابہ نے عہد نبوی میں متعہ کیا تھا ۔

اختلاف صرف اس پر ہے کہ کیا متعہ کا حکم منسوخ ہوگیا یا اب بھی باقی ہے اہل سنت اس کے منسوخ ہوجانے کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ پہلے متعہ حلال تھا پھر حرام کردیا گیا ۔ وہ کہتے ہیں کہ نسخ حدیث سے ہوا ہے قرآن سے نہیں

اس کے برخلاف شیعہ کہتے ہیں کہ متعہ منسوخ ہی نہیں ہوا ۔یہ قیامت تک جائز رہے گا ۔

فریقین کے اقوال پر ایک نظر ڈالنے سے حقیقت واضح ہوجائے گی اور قارئین باتمکین کے لیے ممکن ہوگا کہ وہ تعصب اور جذبات سے بالاتر ہوکر حق کا اتباع کرسکیں ۔

شیعہ جو یہ کہتے ہیں کہ متعہ منسوخ نہیں ہوا اور یہ قیامت تک جائز رہے گا ۔ اس کے متعلق ان کے اپنی دلیل ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہ ثابت نہیں کہ رسول اللہ نے کبھی متعہ سے منع کیا ہو۔

اس کے علاوہ ہمارے ائمہ جو عترت طاہرہ سے ہیں اسے کے حلال اور جائز ہونے کے قائل ہیں ۔ اگر متعہ منسوخ ہوگیا ہوتا تو ائمہ اہل بیت کو اور خصوصا امام علی ع کی ضرور اس کا علم ہوتا کیونکہ گھر کا حال گھر والوں سے بڑھ کر کون جان سکتا ہے ۔!

ہمارے نزدیک جو بات ہے ، وہ یہ ہے کہ عمر بن خطاب نے اپنے عہد خلافت میں اسے حرام قرار دیا تھا ، لیکن یہ ان کا اپنا اجتہاد تھا ۔ اس بات کو علمائے اہل سنت بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن ہم اللہ اور اس کے رسول ص کے احکام کو عمر بن خطاب کی رائے اور اجتہاد کی بنا پر نہیں چھوڑ سکتے ۔

یہ ہے متعے کے بارے میں شیعوں کی رائے کا خلاصہ ، جو بظاہر بالکل درست اور صحیح ہے ۔کیونکہ سب مسلمان اللہ اوراس کے رسول ص کے احکام کی پیروی کرنے کے مکلف ہیں ، کسی اور کی رائے کی نہیں ، خواہ اس کا رتبہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو خصوصا اگر اس کا اجتہاد قرآن وحدیث کے نصوص کے خلاف ہو ۔

اس کے برعکس ، اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ متعہ پہلے حلال تھا ، اس کے متعلق قرآن میں آیت بھی اتری تھی ، رسول اللہ ص نے اس کی اجازت بھی دی تھی ، صحابہ نے اس پر عمل بھی کیا تھا لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا کس نے منسوخ کیا ۔ اس میں اختلاف کیا ہے :

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنی وفات

سے قبل منسوخ کردیا تھا۔ [1]

کچھ کا کہنا ہے کہ عمر بن خطاب نے متعہ کو حرام کیا اور ان کا حرام کرنا ہمارے لیے حجت ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ "میری سنت اور میرے بعد آنے والے خلفائے راشدین کی سنت پر چلو اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لو۔"

اب جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ متعہ اس لیے حرام ہے کہ عمر بن خطاب نے اسے حرام کیا تھا اور سنت عمر کی پابندی اور پاسداری ضروری ہے، تو ایسے لوگوں سے تو کوئی گفتگو اور بحث بیکار ہے، کیونکہ ان کا یہ قول محض تعصب اور تکلف بے جا ہے ورنہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی مسلمان اللہ اور رسول ص کا قول چھوڑ کر اور ان کی مخالفت کرکے کسی ایک مجتہد کی رائے پر چلنے لگے جس کی رائے بنا بر بشریت صحیح کم ہوتی ہے اور غلط زیادہ۔ یہ صورت بھی اس وقت ہے جب اجتہاد کسی ایسے مسئلے میں ہو جس کے بارے میں قرآن وسنت میں کوئی تصریح نہ ہو۔ لیکن اگر کوئی تصریح موجود ہو تو پھر حکم خداوندی یہ ہے:

"وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْراً أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالاً مُّبِيناً"

جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کردیں تو پھر اس بات میں کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو کوئی اختیار نہیں۔ اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ بالکل گمراہ ہوگیا۔(سورہ احزاب۔آیت 36)

جسے اس قاعدہ پر مجھ سے اتفاق نہ ہو اس کے لیے اسلامی قوانین کے

----

(1): یہ بات وثوق سے معلوم نہیں کہ رسول اللہ ص نے کب منسوخ کیا تھا: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ روز خیبر اور کچھ کہتے ہیں کہ روز فتح مکہ اور کچھ کہتے ہیں کہ غزوہ تبوک میں اور کچھ کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع میں اور کچھ کہتے ہیں عمرۃ القضا میں رسول اللہ ص نے منسوخ کیا تھا۔(ناشر)

۔ بارے میں اپنی علوات پر نز ۔ثانی کرنی اور قرآن وحدیث کا ا ۔ر کہ اضروری ہے کیونکہ قرآن خود مذکورہ بالا آیت میں بتلاتا ہے کہ جو قرآن سنت کو حجت نہیں مانتا وہ کافر اورگمراہ ہے ۔ اور ایک اسی آیت پر کیا موقوف ہے قرآن میں ایسی متعدد آیات موجود ہیں ۔ اسی طرح اس بارے میں احادیث بھی بہت ہیں ، ہم صرف ایک حدیث نبوی پر اکتفاء کریں گے ۔

رسو ل اللہ نے فرمایا : "جس چیز کو محمد ص نے حلال کیا وہ قیا ت تک کے لیے حلال ہے اورجس چیز کو محمد ص نے حرام کیا وہ قیا ت تک کے لیے حرام ہے "۔

اس لیے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی ایسی چیز کے حلال یا حرام ہونے کے بارے میں فیصلہ کرے جس کے متعلق اللہ یا اس کے رسول کا حکم موجود ہو

تکمیل دین کے بعد ترمیم سوچیے

بندہ نواز ! آپ رسالہ ۔ ۔کیجیے

اس کے باوجود بھی جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہم یہ مان لیں کہ خلفائے راشدین کے افعال واقوال اور ان کے اجتہادات پر عمل ہمارے لیے ضروری ہے ، ہم ان سے صرف اتنا عرض کریں گے کہ :

"کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں حجت کرتے ہو؟ ہو تو ہمارا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی ۔ ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ۔ اور ہم تو اسی کے لیے خالص ہیں ۔ (سورہ بقرہ ۔ آیت 139)

لہذا ہماری بحث کا تعلق صرف اس گروہ سے ہے جو یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ ص نے خود متعہ کو حرام قراردیا تھا اور یہ کہ قرآن کا حکم حدیث سے منسوخ ہوگیا [1]

----

(1):- واضح رہے کہ حدیث سے قرآن کا حکم منسوخ نہیں ہوتا کیونکہ قانون سازی انبیاء کا کام نہیں ہے ، ان کا کام تو بس یہ ہے کہ اللہ کے بنائے ہوئے قانون اسے کے بندوں تک پہنچادیں " وما علی الرّسول الّا البلاغ المبین" (ناشر)

مگر ان لوگوں کے اقوال میں بھی تضاد ہے اور ان کی دلیل کی کوئی مضبوط بنیاد نہیں ۔اگر چہ ممانعت روایت صحیح مسلم میں آئی ہے ۔لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر خود رسول اللہ ص نے متعہ کی ممانعت فرمادی تھی تو اس کے علم ان صحابہ کو کیوں نہیں ہوا جنھوں نے عہد ابو بکر میں ان عہد عمر کے اوائل میں متعہ کیا ، جیسا کہ اس کی روایت خود صحیح مسلم میں ہے [1]

عطاء کہتے ہیں کہ جابر بن عبداللہ انصاری کے لیے آئے تو ہم ان کی قیام گاہ پر گئے ۔ لوگ ان سے ادھر ادھر کی باتیں پوچھتے رہے ۔پھر متعہ کا ذکر چھڑ گیا ۔جابر نے کہا : ہاں ہم نے رسول اللہ کے زمانے میں بھی متعہ کیا ہے [2] اور ابو بکر اور عمر کے عہد میں بھی ۔

اگر رسول اللہ ص متعہ کی ممانعت کرچکے ہوتے تو پھر ابو بکر اور عمر کے زمانے میں صحابہ کے لیے متعہ کرنا جائز نہ ہوتا ۔

واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ص نے نہ متعہ کی ممانعت کی تھی اور نہ اسے حرام قرار دیا تھا ۔ ممانعت تو عمر بن خطاب نے کی ۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں آیا ہے :

ابو رجاء نے عمران بن حصین سے روایت کی ہے کہ ابن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ متعہ کی آیت کتاب اللہ میں نازل ہوئی تھی چنانچہ ہم نے اس وقت متعہ کی جب ہم رسول اللہ ص کے ساتھ تھے ، قرآن میں کبھی متعہ کی حرمت نازل نہیں ہوئی اور نہ رسول اللہ ص نے اپنی وفات تک متعہ سے منع کیا ۔ اس کے بعد ایک شخص نے اپنی رائے سے جو چاہا کہا ۔

محمد کہتے ہیں کہ لوگ یہ کہتے تھے کہ ایک شخص سے مراد عمر

----

(1):- صحیح مسلم جلد 4 صفحہ 158

(2):- مثلا زبیر بن العوام نے حضرت ابوبکر کی بیٹی اسماء سے متعہ کیا تھا ۔ اس متعہ کے نتیجے میں عبداللہ بن زبیر اور عروہ بن زبیر پیدا ہوئے تھے ۔ جیسا کہ امام اہلسنت راغب اصفہانی نے محاضرات الادباء میں لکھا ہے ۔(ناشر)

ہیں [1]۔

اب دیکھیے ! رسول اللہ ص نے اپنی وفات تک متعہ سے منع نہیں کیا۔ یہاں کہ یہ صحابی تصریح کرتے ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر وہ نہایت صاف الفاظ میں اور بغیر کسی ابہام کے متعہ کی حرمت کو عمر سے منسوب کرتے ہیں ۔اور یہ بھی کہتے ہیں کہ عمر نے جو کچھ کہا اپنی رائے سے کہا۔

اور دیکھیے :

جابر بن عبداللہ انصاری صاف کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ کے زمانے میں اور ابوبکر کے عہد خلافت میں ایک مٹھی کھجور یا ایک مٹھی آٹے کے عوض متعہ کیا کرتے تھے۔ آخر عمر نے عمرو بن حریث کے قصے میں اس کی ممانعت کردی[2]۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ چند دوسرے صحابہ بھی حضرت عمر کی رائے سے متفق تھے لیکن اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے۔ بعض صحابہ تو اس وقت بھی عمر کے ساتھ تھے جب انھوں نے رسول اللہ پر ہذیان گوئی کی تہمت لگائی تھی اور کہا تھا کہ ہمارے لیے کتاب خدا کافی ہے۔

اور سنیے ! ایک صحابی کہتے ہیں کہ میں جابر کے پاس بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا : ابن عباس اور ابن زبیر کے درمیان متعتین کے بارے میں اختلاف ہوگیا ہے۔ اس پر جابر نے کہا : ہم نے رسول اللہ کے زمانے میں دونوں متعے کیے ہیں، بعد میں عمر نے ہمیں منع کردیا تو پھر ہم نے کوئی متعہ نہیں کیا [3]۔

اس لیے ذاتی طور پر میرا خیال یہ ہے کہ بعض صحابہ نے جو متعہ کی

----

(1):- صحیح بخاری جلد 5 صفحہ 158

(2)(3):- صحیح مسلم جلد 4 صفحہ 131

ممانعت رسول اللہ سے منسوب کی ہے اس کا تعلق محض عمر کی رائے کی تصویب سے ہے ۔ تائید اور یہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ رسول اللہ ص کسی ایسی چیز کو حرام قراردیں جسے قرآن نے حلال ٹھہرایا ہو ۔ تمام اسلامی احکام میں ہمیں ایک بھی ایسا حکم معلوم نہیں کہ اللہ جل شانہ نے کسی چیز کو حلال کیا ہو اور رسول اللہ ص نے اسے حرام کردیا ہو ۔ اس کا کوئی قائل بھی نہیں ۔ البتہ معاند اور متعصب کی بات اور ہے ۔

اگر ہم برائے بحث یہ مان بھی لیں کہ رسول اللہ ص نے متعہ کی ممانعت فرمادی تھی ،تو امام علی ع کو کیا ہوگیا تھا کہ انھوں نے نبی اکرم ص کے خاص مقرّب ہونے کے باوجود اور اسلامی احکام کی سب سے زیادہ واقفیت رکھنے کے باوصف فرمادیا کہ

"متعہ تو اللہ کی رحمت اور بندوں پر اس کا خاص احسان ہے اگر عمر اس کی ممانعت نہ کردیتے تو کوئی بدبخت ہی زنا کرتا "[1]

اس کے علاوہ خود عمر بن خطاب نے بھی یہ نہیں کہا کہ رسول اللہ ص نے متعہ کی ممانعت کردی تھی بلکہ صاف صاف یہ کہا تھا کہ " متعتان كانتا على عهدرسول الله وأنا أنهى عنهما وأعاقب عليهما: متعة الحج ومتعة النساء."

دو متعے رسول اللہ ص کے زمانے میں تھے ۔ اب میں ان کی ممانعت کرتا ہوں اور جو یہ متعے کرے گا اسے سزا دوں گا ۔ان میں ایک متعہ حج ہے اور دوسرا عورتوں کے ساتھ متعہ ہے ۔[2]حضرت عمر کا یہ قول مشہور ہے ۔

مسند امام احمد بن حنبل اس بات کی بہترین گواہ ہے کہ اہل سنت والجماعت میں متعے کے بارے میں سخت اختلاف ہے : کچھ لوگ رسول اللہ کا اتباع کرتے ہوئے اس کے حلال ہونے کے قائل ہیں اور کچھ لوگ عمر بن خطاب کی پیروی میں اسے

----

(1):- تفسیر ثعلبی ۔ تفسیر طبری۔

(2):- فخر الدین رازی ، تفسیر کبیر " فمااستمتعتم به منهن" کی تفسیر کے ذیل میں ۔

حرام کہتے ہیں ۔امام احمد نے روایت کی ہے :

ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ انھوں نے کہہ دیا کہ رسول اللہ نے متعہ کرنے کو کہا ہے ، تو عروہ بن زبیر نے کہا : متعہ سے تو ابوبکر اور عمر نے منع کردیا تھا ۔ ابن عباس بولے : یہ عروہ کا بچہ کیا کہتا ہے ؟ کسی نے کہا : یہ کہتے ہیں کہ ابوبکر اور عمر نے متعہ سے منع کردیا تھا ۔ابن عباس نے کہا :مجھے تو ایسا نظر آرہا ہے کہ یہ لوگ جلد ہی ہلاک ہوجائیں گے ۔ میں کہتا ہوں : رسول اللہ ص نے کہا: اور یہ کہتے ہیں کہ ابو بکر اور عمر نے منع کردیا ۔[1]

جامع ترمذی میں ہے کہ

عبداللہ بن عمر سے کے متعے کے بارےمیں کسی نے سوال کیا تو انھوں نے کہا: جائز ہے ۔ پوچھنے والے نے کہا : آپ کے والد نے تو اس سے منع کیا تھا ۔ ابن عمر نے کہا: کیا خیال ہے ،اگر میرے والد تمتع سے منع کریں اور رسول اللہ نے خود تمتع کیا ہو تو میں اپنے والد کی پیروی کروں ،یا رسول اللہ ص ے حکم کی ؟ اس نے کہا: ظاہر ہے ،رسول اللہ ص کے حکم کی[2]:

اہل سنت واجماعت نے عورتوں کے متعے کے بارےمیں تو رعایت کی ۔ بات ان لی لیکن متعہ ے کے بارے میں الگ ۔ بات نہ انی ۔حالانکہ عمر نے ان دونوں سے ایک ہی موقع پر منع کیا تھا ۔ .یسا کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں ۔

اس پورے قصے میں اہم ۔ بات یہ ہے کہ ائمہ اہل بیت ع اور ان کے شیعوں نے رعایت کی ۔ بات کو غلط بتلایا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ دونوں متعے قیامت تک حلال اور جائز رہیں گے کچھ علمائے اہلسنت نے بھی ۔ بارے میں ائمہ اہل بیت

----

(1):- مسند امام احمد بن حنبل جلد 11 صفحہ 337

(2):- جامع ترمذی جلد اول صفحہ 157

کا اتباع کیا ہے ۔ میں ان میں سے تیونس کے مشہور عام اور زیتونیہ یونیورسٹی سربراہ شیخ طاہر بن عاشور رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کروں گا ۔ انھوں نے اپنی مشہور تفسیر التحریر والتنویر میں آیت " فمااستمتعتم به منهن" کی تفسیر کے ذیل میں متعہ کو حلال کہا ہے [(1)]۔

علماء کو اسی طرح اپنے عقیدے میں آزاد ہونا چاہیے اور جذبات اور عصبیت سے متاثر نہیں ہونا چاہیے اور نہ کسی کی مخالفت کی پروا کرنی چاہیے ۔ اس عالم میں فیصلہ کن اور ناقابل تردید دلائل وثبوت کی تائید میں موجود ہیں اور جن کے سامنے انصاف پسند اور ضدی طبیعت دونوں کو سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے " الحق يعلو ولايعلى عليه"

حق ہی غالب رہتا ہے ، کوئی اسے مغلوب نہیں کرسکتا ! مسلمانوں کو تو امام علی ع کا یہ قول یاد رکھنا چاہیے کہ " متعہ رحمت ہے اور یہ اللہ کا احسان ہے جو اس نے اپنے بندوں پر کیا ہے"۔

اور واقعی اس سے بڑی رحمت کیا ہوسکتی ہے کہ متعہ شہوت کی بھڑکتی ہوئی آگ کو بجھاتا ہے جو کبھی کبھی انسان کو مرد ہو یا عورت اس طرح بے بس کردیتی ہے کہ وہ درندہ بن جاتا ہے ۔ کتنی ہی عورتوں کو مرد اپنی شہوت کی آگ بجھانے کے بعد قتل کردیتے ہیں !! مسلمانوں خصوصا نوجوانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ سبحانہ نے زانی اور زانیہ کے لیے اگر شادی شدہ ہوں تو سنگسار کیے جانے کی سزا مقرر کی ہے ، اس لیے ممکن نہیں کہ اللہ تعالی اپنے بندوں کو اپنی رحمت سے محروم رکھے جبکہ اسی نے ان کو اور ان کی فطری خواہشات کو پیدا کیا ہے اور وہ جانتا ہے کہ ان کی بہتری کسی چیز میں ہے ۔ جب خدائے غفور الرحیم نے اپنے بندوں کو اپنے فضل وکرم سے متعہ کی اجازت

----

(1):-التحریر والتنویر جلد 3 صفحہ 5

دے دی ہےو آپ زنا وہی کرے گا جو بالکل ہی بدبخت ہوگا ۔ یہی صورت چوری کی ہے ۔ چور کی سزا قطع ید ہے لیکن اگر فقیروں اور محتاجوں کے لیے بیت المال موجود ہے تو کوئی بدبخت ہی چوری کرے گا ۔

الٰہی ! میں معافی کا طلبگار ہوں اور توبہ کرتا ہوں کیونکہ میں نوجوانی میں دین اسلام سے سخت خفا تھا اور اپنے دل میں کہتا تھا کہ "اسلام کے احکام بہت سخت اور ظالمانہ ہیں جو مرد عورت دونوں کے لیے جنسی عمل پر سزائے موت تجویز کرتے ہیں ،حالانکہ ہوسکتا ہے کہ یہ جنسی عمل طرفین کی ایک دوسرے سے محبت کا نتیجہ ہو ۔ پھر سزائے موت بھی کیسی ؟ بدترین موت ! سنگسار کرنے کی سزا ! اور وہ بھی مجمع عام میں کہ لوگ عام دیکھے "

اس طرح کا احساس اکثر مسلمان نوجوانوں میں پایا جاتا ہے ، خصوصا آجکل کے زمانے میں ، جبکہ مخلوط سوسائٹی ،بے پردگی اور بے ہودہ طور طریقوں کی وجہ سے ان نوجوانوں کی لڑکیوں سے مڈبھیڑ ہوتی ہے ، اسکول کالج میں ، سڑک پر اور ہر جگہ ۔

یہ کوئی معقول بات نہیں ہوں اگر ہم ایسے مسلمان کا موازنہ جس نے قدیم طرز کے اسلامی معاشرے میں تربیت پائی ہو اس مسلمان سے کریں جو نسبتا ترقی یافتہ ملک میں رہتا ہو جہاں ہر معاملے میں مغرب کی تقلید کی جاتی ہو ۔

اکثر نوجوانوں کی طرح میری بھی جوانی مغربی تہذیب اور دین کے درمیان یوں سمجھ لیجیے کہ جنسی جبلت اور خواہش اور خوف خدا و آخرت کے درمیان مستقل اور دائمی کشمکش میں گزری ہے ۔ ہمارے ملکوں میں خوف خدا ہی رہ گیا ہے زنا کی دنیوی سزا غائب ہوچکی ہے اس لیے مسلمان صرف اپنے ضمیر کو جواب دہ ہے ۔اب یا تو وہ گھٹن میں وقت گزارے جس سے ایسے نفسیاتی امراض کا اندیشہ ہوتا ہے جو خطرناک ہوسکتے ہیں یا پھر اپنے آپ کو اور اپنے پرودگار کو دھوکا دیکر وقتا فوقتا بدکاری کے گڑھے میں گرتا رہے ۔

سچ تو یہ ہے کہ اسلام اور اسلامی شریعت کے اسرار جب تک میری سمجھ میں آئے جب مجھے تشیع سے واقفیت ہوئی ۔

میں نے شیعہ عقائد کو ایک رحمت پایا اور ان عقائد میں سماجی ، اقتصادی ، اور سیاسی مشکلات کا حل پایا ، ان ہی عقائد کے ذریعے سے مجھے معلوم ہوا کہ اللہ کے دین میں آسانی ہی آسانی ہے مشکل کا نام نہیں ۔ اللہ نے ہمارے لیے دین میں تنگی نہیں رکھی ۔ امامت رحمت ہے ۔ عصمت ائمہ کا عقیدہ رحمت ہے ۔ بداء رحمت ہے ، قضا وقدر سے متعلق شیعہ جو کچھ کہتے ہیں رحمت ہے ۔ تقیہ رحمت ہے ۔ نکاح متعہ رحمت ہے ۔ مختصر بات یہ کہ یہ سب کچھ وہ حق ہے جس کی تعلیم خاتم النبیین حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی جو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے تھے ۔

مسئلہ تحریف قرآن

یہ کہنا کہ "قرآن میں تحریف ہوئی ہے " بذات خود ایسی شرمناک بات ہے ، جسے کوئی مسلمان جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھتا ہو خواہ شیعہ ہو یا سنی برداشت نہیں کرسکتا ۔

قرآن کی حفاظت کی ذمہ دار خود رب العزت ہے جس نے کہا ہے :

"انا نحن نزلنا الذکر وإنا له لحافظون" ہم نے ہی یہ قرآن اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں ۔"

اس لیے کسی شخص کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ قرآن مین ایک حرف کی بھی کمی بیشی کرے ۔ یہ ہمارے نبی محترم کا غیر فانی معجزہ ہے ۔ قرآن میں باطل کا کسی طرف سے دخل نہیں ہوسکتا نہ آگے سے نہ پیچھے سے کیونکہ یہ خدائے حکیم وحمید کی طرف سے نازل ہوا ہے ۔ اس کے علاوہ ، مسلمانوں کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ عملی طورپر قرآن میں تحریف کا ہونا ممکن ہی نہیں تھا ، کیونکہ بہت سے صحابہ کو قرآن زبانی یاد تھا ۔ مسلمان شروع ہی سے قرآن کو خود حفظ کرنے اور اپنے بچوں کو حفظ کرانے میں ایک دوسرے سے

بڑھ چڑھ کر کوشش کرتے رہے ہیں اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے ۔ اس لیے کسی فرد ،گروہ یا حکومت کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ تحریف کرے یا قرآن کو بدل دے ۔

اگر ہم مشرق، مغرب ،شمال ،جنوب ہر طرف اسلامی ممالک میں گھوم پھر کر دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ساری دنیا میں بغیر ایک حرف کی کمی بیشی کے وہی ایک قرآن ہے ۔ اگر چہ مسلمان خود مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں ۔ لیکن قرآن وہ واحد محرک ہے جو انہیں اکٹھا رکھے ہوئے ہے ۔ خود قرآن میں کوئی اختلاف نہیں ۔البتہ جہاں تک اس کی تفسیر یا تاویل کا تعلق ہے ، ہر فرقے کی اپنی تفسیر ہے جس پر وہ نازاں اور مطمئن ہے ۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ شیعہ تحریف کے قائل ہیں ، یہ محض شیعوں پر بہتان ہے ۔ شیعہ عقائد میں اس قسم کی کسی بات کا وجود نہیں ۔اگر ہم قرآن کریم کے بارے میں شیعہ عقیدے کے متعلق پڑھیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ شیعوں کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن پاک ہر طرح کی تحریف سے پاک ہے ۔ عقائد الامامیہ کے مولف شیخ مظفر کہتے ہیں :

ہمارا عقیدہ ہے کہ قرآن وحی الٰہی ہے جو نبی اکرم صؐ پر نازل ہوئی اور انکی زبان سے ادا ہوئی۔ اس میں ہر چیز کا واضح بیان ہے ۔ قرآن آپ کا لافانی معجزہ ہے ۔انسان اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہے ، وہ نہ فصاحت وبلاغت میں اس کا مقابلہ کرسکتا ہے اور نہ وہ ایسے حقائق و معارف بیان کرسکتا ہے جو قرآن میں موجود ہیں ۔ اس میں کسی قسم کی تحریف نہیں ہوسکتی ۔

یہ قرآن جو ہمارے پاس موجود ہے اور جس کی ہم تلاوت کرتے ہیں ، بعینہ وہی قرآن ہے جو رسول اکرم صؐ پر نازل ہوا ۔جو شخص اس کے علاوہ کچھ کہتا ہے وہ گمراہ ہے یا اس کو غلط فہمی ہوئی ہے ۔ بہر حال وہ صحیح راستے پر نہیں ہے ۔ اس لیے کہ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے ، باطل اس میں دخل انداز نہیں ہوسکتا نہ آگے سے نہ پیچھے سے "۔

اس کے علاوہ یہ علوم ہے کہ شیعہ ہمارے پاس آباد ہیں ۔ان کے فقہی احکام بھی علوم ہیں ۔ اگر شیعوں کا کوئی اور قرآن ہوتا تو لوگوں کو ضرور اس کا پتہ چل گیا ہوتا ۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں پہلی مرتبہ ایک شیعہ ملک میں گیا تو میرے دماغ میں اس قوم کی کچھ افواہیں تھیں ۔ جہاں ہمیں مجھے کوئی موٹی کتاب نظر آتی ، میں اس کو اس خیال سے اٹھا لیتا کہ یہ شاید شیعوں کا نام نہاد قرآن ہو ۔ لیکن جو رفتہ رفتہ میرا یہ خیال بھاپ بن کر ہوا میں اڑ گیا ۔ بعد میں مجھے علوم ہوا کہ یہ محض جھوٹا الزام ہے جو شیعوں پر اس لیے لگایا جاتا ہے ۔ تاکہ لوگوں کو ان سے نفرت ہوجائے ۔لیکن بہر حال ایک قابل اعتراض کتاب ضرور موجود ہے اور اس کی وجہ سے شیعوں پر ہمیشہ اعتراض کیا جاتا ہے اس کتاب کا نام ہے : فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب " اس کے مولف کا نام محمد تقی نوری طبرسی (متوفی سنہ 1320) ہے ۔یہ شخص شیعہ تھا ۔ معترضین یہ چاہتے ہیں کہ اس کتاب کی ذمہ داری شیعوں پر ڈالی جائے ۔لیکن یہ بات بعید از انصاف ہے ۔

تنی ہی ایسی کتابیں لکھی گئی ہیں جو صرف اپنے مصنف یا مؤلف کے سوا کسی کی رائے کی نمائندگی نہیں کرتیں ۔ ایسی کتابوں میں ہر قوم کی کچی پکی باتیں اور غلط صحیح مضامین ہوتے ہیں ۔ اور یہ کوئی شیعوں کی خصوصیت نہیں سب فرقوں میں اس قوم کی چیزیں پائی جاتی ہیں۔بلکہ یہ الزام تو اہل سنت پر زیادہ چسپاں ہوتا ہے ۔[1]اب کیا یہ درست ہوگا کہ ہم قرآن اور ادب جاہلیت کے اشعار سے متعلق مصر کے سابق وزیر تعلیم عمید الادب العربی ڈاکٹر طہ حسین کی تحریروں کی ذمہ داری اہل سنت پر ڈال دیں ؟

کیا قرآن میں کمی بیشی سے متعلق ان روایات کی ذمہ جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم موجود ہیں اہل اہل سنت پر ڈال دیں؟

اس سلسلے میں جامعہ ازہر کے شریعت کالج کے پرنسپل پروفیسر مدنی نے بڑی

----

(1):- فصل الخطاب کی تو شیعوں کے یہاں کوئی حیثیت نہیں ۔البتہ سنیوں کے یہاں قرآن میں کمی بیشی کی روایات ان کی معتبر ترین کتابوں بخاری ، مسلم وغیرہ میں موجود ہیں ۔

دلچسپ بات ہی ہے ۔ وہ لکھتے ہیں :

"یہ کہنا کہ شیعہ امامیہ اس کے قائل ہیں کہ موجودہ قرآن میں معاذاللہ کچھ کمی ہے ، تو یہ نہایت غلط بات ہے ۔ ان کی کتابوں میں کچھ ایسی روایات ضرور ہیں لیکن ایسی روایات تو ہماری کتابوں میں بھی ہیں ۔مگر فریقین کے اہل تحقیق نے ان روایات کو ناقابل اعتبار اور وضعی کہا ہے ۔ جس طرح اہل سنت میں کوئی قرآن مجید میں کمی بیشی کا قائل نہیں اسی طرح اثنا عشری شیعوں اورزیدی شیعوں میں بھی کوئی اس کا بھی قائل نہیں "۔

جو کوئی اس طرح کی روایات دیکھنا چاہے وہ سیوطی کی الاتقان فی علوم القرآن میں دیکھ سکتا ہے ۔

سنہ 1498 ء میں ایک مصری نے ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام الفرقان ہے اس کتاب میں اس نے اس قسم کی بہت سی موضوع اور ناقابل اعتبار روایات وسنی کی کتابوں سے نقل کی ہیں ۔ جامعہ ازہر نے اس کتاب کی روایات کے بطلان اور فساد کو علمی دلائل سے ثابت کرنے کے بعد حکومت سے مطالبہ کیا اس کتاب کو ضبط کرلیا جائے چنانچہ حکومت مصر نے یہ مطالبہ منظور کر کے کتاب کو ضبط کرلیا کتاب کے مصنف نے معاوضے کے لیے دعوی دائر کیا لیکن کونسل آف اسٹیٹ کی عدالتی میٹی نے یہ دعوی مسترد کردیا ۔

کیا ایسی کتابوں کی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اہل سنت قرآن کے تقدس کے منکر ہیں یا چونکہ فلاں شخص نے ایسی روایت بیان کی ہے یا ایسی کتاب لکھی ہے اس لیے اہل سنت قرآن میں نقص کے قائل ہیں ؟ یہی صورت شیعہ امامیہ کے ساتھ ہے ۔جس طرح ہماری بعض کتابوں میں کچھ روایات ہیں ، اسی طرح ان کی بعض کتابوں میں بھی کچھ روایات ہیں ایس بارے میں علامہ شیعہ ابو الفضل بن حسن طبرسی جو چھٹی صدی ہجری کے بہت بڑے شیعہ عالم تھے اپنی کتاب مجمع البیان فی تفسیر القرآن میں لکھتے ہیں اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ قرآن میں کوئی زیادتی نہیں

ہوئی ۔جہاں تک ی کا تعلق کہے ،تو ہمارے ایک گروہ کا اور اہل سنت میں حشویہ کا یہ کہنا ہے کہ قرآن میں ی ہوئی ہے لیکن ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب اس کے خلاف ہے ۔اسکی ۔ تائید سید مرتضی علم الہدی (سنہ 436 ھ) نے کی ہے اور اس مسئلہ پر بڑی تفصیل کے ساتھ مسائل ا رابلسیات کے جواب میں کئی جگہ روشنی ڈالی ہے وہ کہتے ہیں کہ :

" یہ قرآن بالکل صحیح نقل ہوتا چلا آیا ہے ، اس کا ہمیں ایسا ہی یقین ہے۔ جیسا کہ مختلف ملکوں کے وجود کا یقین ، بڑے بڑے واقعات کا یقین ، مشہور کتابوں کا یقین اور عربوں کے اشعار کا یقین ،اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ قرآن کی نقل میں بہت احتیاط سے کام لیا گیا ہے ۔ متعدد وجوہ سے یہ ضروری تھا کہ قرآن کو نقل کرتے ہوئے اس کی حفاظت اور نگرانی پر خاص توجہ دی جائے : کیونکہ قرآن رسول اللہ ص کا معجزہ ہے اور علوم شرعیہ اور احکام دینیہ کا اخذ ہے ۔مسلمان علماء نے قرآن شریف کی حفاظت اور حمایت میں انتہائی کوشش صرف کی ہے ۔ انہیں ہر اختلافی بات کا مکمل علم ہے :جیسے اعراب کا اختلاف ، مختلف قرائتیں ، قرآن شریف کے حروف اور آیات کی تعداد ۔ان تمام امور پر اس قدر دل وجان سے توجہ اور احتیاط کے ہوتے ہوئے یہ کیسے ممکن ہے کہ قرآن کے کسی حصے کو بدل دیا جائے یا حذف کردیا جائے "(1)

ہم ذیل میں کچھ روایات پیش کرتے ہیں تاکہ قارئین کرام ! آپ پر یہ واضح ہوجائے کہ قرآن میں ی بیشی کی تہمت اہل سنت پر زیادہ چسپاں ہوتی ہے اور آپ کو یہ بھی معلوم ہوجائے کہ اہل سنت کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنی کمزوری کو دوسروں سے منسوب کردیتے ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ مجھے اپنے تمام عقائد پر نظر ثانی

----

(1):- رسالہ الاسلام شمارہ 4 جلد 11 میں پروفیسر مدنی شریعت کالج الازہر کا مقالہ ۔

کرنی پڑی ، کیونکہ میں جب بھی کسی بات پر شیعوں پر نکتہ چینی یا اعتراض کرتا تو شیعہ یہ ثابت کردیتے تھے کہ یہ کمزوری ان میں نہیں بلکہ اہل سنت میں ہے اور مجھے جو علوم حاصل ہوتا کہ شیعہ سچے ہیں ۔ وقت گزرنے اور بحث ومباحثہ کے نتیجے میں بحمداللہ مجھے اطمینان حاصل ہوگیا ہے ۔ شاید آپ کو بھی یہ معلوم کرنے کا شوق ہو کہ اہل سنت کی کن کتابوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہل سنت قرآن میں تحریف اور کمی زیادتی کے قائل ہیں تو لیجیے سنئے :

۔ طبرانی اور بیہقی کی روایت ہے کہ قرآن میں دو سورتیں ہیں :

ایک یہ ہے :

"بسم الله الرّحمان الرّحيم. إنانستعينك ونستغفرك ونستعينك ونستغفرك ونثنّي عليك الخيركلّه ولا نكفرك ونخلع ونترك من يفجرك."

دوسری سورت یہ ہے :

" بسم الله الرّحمان الرّحيم. أللهمّ إيّاك نعبدولك نصلّي ونسجدوإليك نسعى ونحفدنرجوارحمتك ونخشى عذابك إنّ عذابك بالكافرين ملحقٌ."

ان دونوں سورتوں کو ابو القاسم حسین بن محمد المعروف بہ راغب اصفہانی (سنہ 502 ھ) نے محاضرات الادباء میں قنوت کی سورتیں کہا ہے ۔ سیدنا عمر بن خطاب ان ہی سورتوں کو دعائے قنوت کے طور پر پڑھتے تھے ۔ یہ دونوں سورتیں ابن عباس کے مصحف اور زید بن ثابت کے مصحف میں موجود تھیں[1]

امام احمد بن حنبل شیبانی (سنہ 241ھ) نے اپنی کتاب مسند میں ابی بن کعب سے روایت کی ہے کہ :" ابی بن کعب نے پوچھا کہ سورہ احزاب تم کتنی پڑھتے ہو ؟

----

(1):- سیوطی الاتقان فی علوم القرآن ۔ الدر المنثور فی التفسیر بالماثور

کسی نے کہا : ستر سے کچھ اوپر آیتیں ہیں ۔ابی بن کعب نے کہا کہ میں نے یہ سورت رسول اللہ ص کے ساتھ پڑھی ہے ، یہ سورہ بقرہ کے برابر یا اس سے بھی کچھ بڑی ہے ، اسی میں آیہ رجم ہے [1]

اب آپ دیکھیے کہ یہ دونوں سورتیں جو سیوطی کی اتقان اور درمنثور میں موجود ہیں اور جن کے متعلق طبرانی اور بیہقی نے روایت بیان کی ہے اور جن کو قنوت کی سورتیں کہا ہے ان کا کتاب اللہ میں کہیں کوئی وجود نہیں ۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو قرآن ہمارے پاس ہے وہ ان سورتوں کی حد تک جو مصحف ابن عباس اور مصحف زید بن ثابت میں موجود تھیں ، ناقص ہے ۔ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ اس مصحف کے علاوہ جو ہمارے پاس ہے اور بھی کئی مصحف تھے ۔ اس سے مجھے یاد آیا کہ اہل سنت عذر دیا کرتے ہیں کہ شیعہ مصحف فاطمہ س کے قائل ہیں ۔اب دیکھ لیجیے !

اہل سنت یہ دونوں سورتیں ہر روز صبح کو دعائے قنوت میں پڑھتے ہیں ۔ مجھے ذاتی طور پر یہ دونوں سورتیں زبانی یاد تھیں اور میں فجر کے وقت دعائے قنوت میں پڑھا کرتا تھا ۔ دوسری روایت جو امام احمد نے اپنی مسند میں بیان کی ہے ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ احزاب تین چوتھائی کم ہے ، کیونکہ سورہ بقرہ میں 286 آیات ہیں جبکہ موجودہ سورہ احزاب میں صرف 73 آیات ہیں ۔اگر ہم حزب کے اعتبار سے شمار کریں تو سورہ بقرہ پانچ سے زیادہ احزاب پر مشتمل ہے جبکہ سورہ احزاب صرف ایک حزب شمار ہوتی ہے (ایک حزب تقریبا نصف پارے کا ہوتا ہے)

حیرت کا مقام ہے کہ ابی بن کعب یہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ص کے ساتھ سورہ احزاب پڑھا کرتا تھا ، یہ سورت ، سورہ بقرہ کے مساوی یا اس سے کچھ زیادہ بڑی

----

(1):- احمد بن حنبل مسند جلد 5 صفحہ 132

تھی ۔ یہ ابی بن کعب امتِ نبوی کے مشہور ترین قاریوں میں سے ہیں ۔ حافظ قرآن تھے ، خلیفۂ ثانی نے نماز تراویح کی امامت کے لیے انھی کا انتخاب کیا تھا [1]۔ ان کے اس قول سے شک بھی پیدا ہوتا ہے اور جیسا کہ ظاہر ہے حیرت بھی ہوتی ہے ۔ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں ابی بن کعب سے ایک اور روایت بیان کی ہے کہ :" رسول اللہ ص نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں قرآن پڑھ کر سناؤں ۔ چنانچہ آپ نے "لم يكن الّذين كفروامن أهل الكتاب" سے پڑھنا شروع کیا اس میں آپ نے یہ بھی پڑھا :

"ولوا أنّ ابن آدم سال وادياً مّن مّالٍ فأعطيه لسال ثانياً فلوسال ثالثاً ولايملأ جوف ابن آدم إلّا التراب ويتوب الله على من تاب وإنّ ذلك الدين القيم عندالله."[2]

حافظ ابن عساکر کے حالات کے ضمن میں روایت بیان کی ہے کہ

"ابو الدرداء چند اہل دمشق کے ساتھ مدینہ گئے ، وہاں عمر بن خطاب کے سامنے یہ آیت پڑھی :"إن جعل الّذين كفروا في قلوبهم الحمية حميّة الجاهلية ولوحميتهم كما حموا لفسدالمسجدالحرام."

عمر بن خطاب نے پوچھا : تمھیں یہ قراءت کس نے سکھائی ہے ۔ ان لوگوں نے کہا :ابی بن کعب نے ۔ عمر نے ان کو بلایا ۔

----

(1):- صحیح بخاری جز 3 صفحہ 252

(2):- امام احمد بن حنبل ،مسند جز 5 صفحہ 131

جب وہ آگئے تو ان لوگوں سے کہا : اب پڑھو ، انھوں نے پھر اسی طرح پڑھا :

"ولو حميتم كما حموا لفسدالمسجد الحرام." ابی بن کعب نے کہا کہ ہاں یہ میں نے ان کو پڑھایا ہے عمر بن خطاب نے زید بن ثابت سے کہا : زید تم پڑھو ! زید نے وہی معمول کی قراءت کے مطابق تلاوت کی ۔ عمر نے کہا مجھے بھی بس یہی قراءت معلوم ہے اس پر ۔ ابی بن کعب نے کہا کہ عمر آپ جانتے ہیں کہ میں رسول اللہ ص کی خدمت میں رہتا تھا اور یہ غائب ہوتے تھے ، میں رسول اللہ ص کے قریب تھا یہ دور تھے ۔ آپ چاہیں تو واللہ میں اپنے گھر میں گوشہ نشین ہوجاؤں پھر نہ کسی سے بات کروں گا نہ مرتے دم تک کسی کو پڑھاؤں گا ۔عمر نے کہا : اللہ مجھے معاف کرے ! ابی تم جانتے ہو کہ اللہ نے تمہیں علم عطا کیا ہے ، تو جو کچھ تمہیں معلوم ہے لوگوں کو سکھاؤ ۔

کہتے ہیں ایک دفعہ ایک لڑکا حضرت عمر کے سامنے سے گزرا ، وہ قرآن میں دیکھ کر پڑھ رہا تھا :

"النبيّ أولى بالمومنين من أنفسهم وأزواجه امّهاتهم وهو أبٌ لهم"

حضرت عمر نے کہا: لڑکے اسکو کاٹ دو ۔ لڑکے نے جواب دیا یہ ابی بن کعب کا مصحف ہے ۔ جب وہ لڑکا ابی بن کعب کے پاس پہنچا تو ان سے جاکر اس آیت کے بارے میں پوچھا ۔ ابی نے کہا : مجھے تو قرآن میں امر آتا تھا اور تم بازاروں میں تالیاں بجاتے پھرتے ہو ۔(1)

----

(1):- ابن عساکر تاریخ مدینہ دمشق جلد 2 صفحہ 228

ایسی ہی روایات ابن اثیر نے جامع الاصول میں ، ابو داؤد نے اپنی سنن میں اور حاکم نے اپنی مستدرک میں بیان کی ہے ۔

قارئین کرام! اب کی دفعہ یہ میں آپ پر چھوڑتا ہوں کہ آپ ان روایات پر کیا تبصرہ کرتے ہیں ۔ ایسی روایات سے اہل سنت کی کتابیں بھری پڑی ہیں لیکن انہیں اس کا احساس نہیں ۔ وہ شیعوں پر اعتراض کرتے ہیں جن کی کتابوں میں اس کا شر عشیر بھی نہیں ۔

ممکن ہے کہ اہل سنت میں سے بعض ضدی طبیعت کے لوگ حسب عادت ان روایات کا انکار کردیں اور امام احمد بن حنبل پر اعتراض کریں کہ انھوں نے ایسی ضعیف سند کی روایات کو اپنی کتاب میں شامل کیا ۔ ممکن ہے کہ وہ یہ بھی کہیں کہ مسند امام احمد اہل سنت کے نزدیک صحاح میں شامل نہیں ہے ۔ میں اہل سنت کی عادت خوب جانتا ہوں ۔ جب بھی میں ان کی کتابوں سے کوئی ایسی حدیث پیش کرتا جو شیعوں کے لیے برہان قاطع ہوتی تو یہ سن کر آگ بگولہ ہوجاتے تھے اور ان کتابوں پر اعتراض کرنے لگتے تھے جن کو وہ خود صحاح کہتے ہیں یعنی صحیح بخاری ، صحیح مسلم ، جامع ترمذی ، سنن ابی داؤد ، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ ۔ بعض لوگ ان کتابوں کے ساتھ سنن دارمی ، موطاء مالک اور مسند امام احمد کو بھی صحاح میں شامل سمجھتے ہیں ۔

میں چند ایسی ہی روایت ان ضدی لوگوں کو گھر تک پہنچانے کے لیے صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے پیش کرتا ہوں شاید ان کی حقیقت تک رسائی ہوے اور شاید وہ حقیقت کو بغیر کسی تعصب کے قبول کریں ۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں [1] باب مناقب عمار وحذیفہ رضی اللہ عنہما میں علقمہ سے روایت کی ہے ، وہ کہتے ہیں :" جب میں دمشق پہنچا تو میں نے وہاں پہنچ کر دو رکعت نماز پڑھی اور پھر دعا کی کہ " اے اللہ ! مجھے کوئی نیک اور اچھا ہمنشین عطا

----

(1):- صحیح بخاری جلد 4 صفحہ 215

کردے " ۔ اس کے ۔ ر میں کچھ لوگوں کے ۔پاس جاکر بیٹھا تو وہاں ایک بڑے میاں تشریف لے آئے ۔وہ آکر میرے پہلو میں بیٹھ گئے ۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں ؟ معلوم ہوا کہ ابوالدرداء میں میں نے ان سے کہا کہ میں نے دعا کی تھی کہ کوئی نیک اور اچھا ہمنشین مل جائے ، اللہ میاں نے آپ کو بھیج دیا ۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا : تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ میں اہل کوفہ سے ہوں ۔ انھوں نے کہا : کیا تم ہمارے یہاں ابن ام عبد[1] نہیں ہیں جن کے پاس رسول اللہ ص کے نعلین آپ کا بچھونا اور آپ کا لوٹا رہتا ؟اور تم ہمارے یہاں ہو بھی تو ہیں جن کے متعلق خود رسول اللہ ص نے فرمایا کہ اللہ نے انہیں شیطان سے بچالیا ہے [2]۔ اور کیا تمہارے یہاں ہو بزرگ نہیں جو رسول اللہ ص کے راز دار تھے [3] جن کو وہ راز معلوم تھے جو اور کسی کو معلوم نہیں تھے ۔ پھر کہنے لگے : عبداللہ اس آیت کو کیسے پڑھتے ہیں :"واللّیل إذایغشی"؟

میں نے پڑھ کر سنایا :" واللّیل إذایغشی والنهارإذا تجلّی والذّکروالأنثی."نیز یہ کہا :" مجھے رسول اللہ نے منہ در منہ ہی پڑھایا تھا "۔ ایک اور روایت میں یہ اضافہ ہے :" یہ لوگ میرے پیچھے لگے رہے ۔ یہ مجھ سے وہ چیز چھڑانا چاہتے تھے جو میں نے رسول اللہ ص سے سنی تھی"۔[4]

ایک روایت میں ہے کہ

" واللّیل إذایغشی والنهارإذا تجلّی والذّکروالأنثی." یہ رسول اللہ ص نے مجھے بالمشافہہ پڑھایا ہے۔

----

(1):- عبداللہ بن مسعود

(2):- عمار یاسر

(3):- حذیفہ یمانی ۔(ناشر)

(4):- صحیح بخاری جلد 4 صفحہ 216

پڑھا گیا ہے ۔[1]

ان تمام روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو قرآن اب ہمارے پاس ہے اس میں واخلق کا لفظ اضافہ ہے ۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابن عباس سے روایت بیان کی ہے کہ عمر بن الخطاب کہتے تھے ۔ اللہ تعالی نے حضرت محمد صلی علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا اور ان کو کتاب نازل فرمائی ، اس میں آیت رجم بھی تھی ، ہم نے اس آیت کو پڑھا ، سمجھا ، یاد کیا چنانچہ رسول اللہ ص نے بھی رجم کی سزا دی ۔آپ کے بعد ہم نے بھی سنگسار کیا ۔ میں ڈرتا ہوں کہ اگر اسی طرح وقت گزرتا رہا تو کوئی یہ نہ کہہ دے : ہمیں تو رجم کی آیت کتاب اللہ میں ملتی ہی نہیں ۔ اور اس طرح اللہ کے حکم کو جو اللہ نے نازل کیا ہے ، ترک کرکے لوگ گمراہ نہ ہوجائیں ۔ رجم کی سزا برحق ہے اگر کوئی شادی شدہ مرد یا عورت زنا کرے تو اسے یہ سزادی جائے گی بشرطیکہ ثبوت موجود ہو یا حمل رہ جائے یا مجرم اقرار کرلے ۔

اس کے علاوہ ہم کتاب اللہ میں ایک اور آیت بھی پڑھا کرتے تھے جو اس طرح تھی :

"ولاترغبوا عن أبائكم فإنّه كفرٌ بكم أن ترغبوا عن آبائكم" یا اس طرح تھی کہ :

"إنّ كفراً بكم أن ترغبوا عن آبائكم."[2]

امام مسلم نے اپنی صحیح میں (باب لوان لابن آدم واديين لاييتغى

----

(1):- صحیح بخاری جلد 4 صفحہ 218 باب مناقب عبداللہ بن مسعود ۔

(2):- صحیح بخاری جلد 8 باب رجم الحبلی من زنا اذا احصنت

الثا ًمیں)ایک روایت بیان کی ہے کہ

ابو موسی اشعری نے بصرہ کے قاریوں کو بلایا تو تین سو آدمی آئے جنھوں نے قرآن پڑھا ہوا تھا ۔ ابو موسی نے کہا : آپ لوگ بصرہ کے بہترین آدمی ہیں ، آپ نے قرآن پڑھا ہے ۔ آپ اس آیت سے قرآن پڑھ کر سنائیں :

"لایطولنّ علیکم الأمد فتقسوقلوبکم کما قست قلوب من کان قبلکم"

ابو موسی اشعری نے بھی کہا کہ ہم ایک سورت پڑھا کرتے تھے جسے ہم طوالت اور اس کے سخت لب ولہجہ کے لحاظ سے سورہ براءة کے ساتھ تشبیہ دیا کرتے تھے ۔ اب میں وہ بھول گیا ہوں ، لیکن اس میں سے اتنا کچھ یاد ہے :

"لوکان لإبن آدم وادیان من مّالٍ لایبتغی وادیاً ثالثاً ولایملأُ جوف ابن آدم إلّا التراب."

اور ہم نے ایک اور سورت پڑھا کرتے تھے جسے ہم کہتے تھے کہ یہ سورت مسبحات [1] میں سے کسی ایک سورت کے برابر ہے ، وہ بھی میں بھول گیا ہوں ، اس میں سے اتنا البتہ یاد ہے :

"یاأیّها الذین آمنوا لم تقولون مالاتفعلون فکتب شهادةً فی أعناقکم فتسئلون عنها یوم القیامة"

یہ دو فرضی سورتیں جو ابو موسیٰ بھول گئے تھے ان میں ایک بقول ان کے براءت کے برابر تھی ۔ یعنی 129 آیات کی اور دوسری مسبحات میں سے کسی کے برابر تھی ۔ دوسرے لفظوں میں تقریبا 20 آیات کے برابر ۔ ان دونوں

----

(1):-وہ سورتیں جو سبحان ، سبّح ، یُسبح یا سبّح سے شروع ہوتی ہیں ۔جیسے سورہ اسراء حدید، سورہ حشر ، سورہ جمعہ ، سورہ تغابن ، اور سورہ اعلی ۔(ناشر)

سورتوں کا جود صرف ابو موسی اشعری کے ذہن میں تھا ۔ قارئین کرام ! اب آپ کو اختیار ہے ، یہ سب پڑھ کر اور سن کر آپ حیرت سے ہنسیں یا روئیں ۔

جب اہل سنت کی کتابیں اور احادیث کے معتبر مجموعے اس طرح کی روایات سے پر ہیں جن میں کبھی دعوی کیا جاتا ہے کہ قرآن ناقص ہے اور کبھی کہا جاتا ہے کہ اس میں اضافہ کردیا گیا ہے ، پھر یہ شیعوں پر اعتراض کیسا جن کا اس پر اتفاق ہے کہ ایسے سب دعوے غلط اور باطل ہیں ؟

اگر فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب کے مصنف نے جو سنہ 1320 ھ میں فوت ہوا ، اب سے تقریبا سو سال پہلے یہ کتاب لکھی تھی ، تو اس سے پہلے الفرقان کا مصنف مصر میں چارسو برس ہوئے یہ کتاب لکھ چکا تھا۔ جیسا کہ شیخ محمد مدنی پرنسپل شریعہ کالج جامعہ ازہر کا بیان ہے [1]۔ہوسکتا ہے کہ شیعہ مصنف نے سنی مصنف کی کتاب الفرقان پڑھی ہو ، جس نے اپنی کتاب میں وہ تمام روایات جمع کردی تھیں جو اہل سنت کی صحاح میں آئی ہیں ۔ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ اس کتاب کو جامعہ ازہر کی درخواست پر مصری حکومت نے ضبط کرلیا تھا ۔ یہ تو معلوم ہے کہ " الانسان حريص على مامنع منه" کے مصداق جس چیز سے منع کیا جاتا ہے اس کا دگنا شوق پیدا ہوجاتا ہے ۔ یہ کتاب گو مصر میں ممنوع تھی لیکن دوسرے اسلامی ممالک میں ممنوع نہیں تھی ۔ اس لیے یہ عین ممکن ہے کہ فصل الخطاب جو چارسو برس بعد لکھی گئی الفرقان ہی کا چربہ ہو یا نقل بچہ ہو ۔ اس تمام بحث میں اہم بات یہ ہے کہ سنی اور شیعہ علماء اور محققین نے اس طرح کی روایات کو باطل اور شاذ کہا ہے اور اطمینان بخش دلائل سے ثابت کای ہے کہ جو قرآن ہمارے پاس ہے بلا جھجک وہی قرآن ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا تھا ۔ اس میں نہ کوئی کمی بیشی ہے اور نہ کوئی تغیر وتبدل ، پھر ان روایات کی بنیاد پر جو خود ان کے نزدیک ساقط الاعتبار ہیں ۔ یہ

----

(1):- رسالہ الاسلام شمارہ 4 جز 11 صفحہ 382 ۔383

اہل سنت سے شیعوں پر اعتراض کرتے ہیں اور خود کو بری الزمہ ٹہراتے ہیں جبکہ ان کی صحاح ان روایات کی صحت کو ثابت کرتی ہیں ۔ مسلمانو! یہ تو کوئی انصاف نہ ہوا ۔ سچ کہا ہے سیدنا عیسی علیہ السلام نے : "یہ لوگ دوسروں کی آنکھ کا تنکا دیکھتے ہیں مگر انہیں اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا " میں اس طرح کی روایات کا ذکر بڑے افسوس کے ساتھ کررہا ہوں کیونکہ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ان کے بارے میں سکوت اختیار کریں اور انہیں خاموشی سے ردی کی ٹوکری کے حوالے کردیں ۔ کاش بعض متعصبین جو سنت رسول کی پیروی کے مدعی ہیں شیعوں پر رکیک حملے نہ کرتے ۔ کچھ معروف ادارے شیعوں کی تکفیر کرنے میں ان متعصبین کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور انہیں سرمایہ فراہم کرتے ہیں ۔ ایران میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد سے تو اس طرح کی کاروائیاں اور بھی زیادہ بڑھ گئی ہیں ۔ میں ان سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اپنے بھائیوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو ۔

"واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا واذكروا نعمة الله عليكم إذ كنتم أعداء فألف بين قلوبكم فأصبحتم بنعمته إخوانا"

جمع بین الصلاتین

جن باتوں پر شیعوں پر اعتراض کیا جاتا ہے ، ان میں سے ایک یہ ہے کہ شیعہ ظہر اور عصر کی نمازیں اور اسی طرح مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھتے ہیں ۔ اہل سنت جب اس سلسلے میں شیعوں پر اعتراض کرتے ہیں تو عموماً اس طرح کی تصویر پیش کرتے ہیں گویا وہ خود نماز کو صحیح طریقے سے ادا کرتے ہیں ، کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے :

" إِنَّ الصَّلاَةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا "مومنین پر نماز وقت مقررہ پر فرض کی گئی ہے ۔

اہل سنت اکثر شیعوں کو طعنہ دیا کرتے ہیں کہ شیعہ نماز کی پروا نہیں کرتے اور اس طرح خدا و رسول ص کے احکام کی نافرمانی کرتے ہیں ۔

اس سے پہلے کہ ہم شیعوں کے حق میں یا ان کے خلاف کوئی فیصلہ کریں ، ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اس موضوع کا ہر پہلو سے جائزہ لیں ، طرفین کے اقوال اور دلائل سنیں اور معاملہ کو اچھی طرح سمجھ لیں تاکہ جلد بازی میں کسی کے خلاف کوئی یکطرفہ فیصلہ نہ کر بیٹھیں ۔

اہل سنت کا اس پر تو اتفاق ہے کہ 9 ذی الحجہ کو عرفات کے میدان میں ظہر اور عصر کی نماز اکٹھی پڑھی جائیں ، اس کو جمع تقدیم کہتے ہیں اور مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھی جائیں ،اسے جمع تاخیر کہا جاتا ہے ۔ یہاں تک تو شیعہ سنی کیا تمام ہی فرقوں کا اتفاق ہے ۔

شیعہ سنی اختلاف اس میں ہے کہ کیا ظہر اور عصر کی نمازیں اور اسی طرح مغرب اور عشاء کی نمازیں پورے سال سفر کے عذر کے بغیر بھی جمع کرنی جائز ہیں ؟ حنفی حضرات صریح نصوص کے باوجود نمازیں جمع کرنے کی اجازت کے قائل نہیں حتی کہ سفر کی حالت میں بھی نمازیں اکٹھی پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے ۔اس طرح حنفیوں کا طرز عمل اس اجماع امت کے خلاف ہے جس پر شیعوں اور سنیوں

دونوں کا اتفاق ہے ۔

لیکن مالکی، شافعی اور حنبلی سفر کی حالت میں تو دو فرض نمازوں کے اکٹھا پڑھ لینے کے جواز کے قائل ہیں۔ لیکن ان میں ان میں اس پر اختلاف ہے کہ کیا خوف ملا بھی۔ بارش وغیرہ کے عذر کی وجہ سے بھی دو نمازوں کا اکٹھا پڑھ لینا جائز ہے۔ شیعہ امامیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جمع بین الصلاتین مطلقا جائز ہے اور اس کے لیے سفر، بیماری یا خوف وغیرہ کی کوئی شرط نہیں۔ وہ اس سلسلے میں ائمہ اہل بیت کی ان روایات پر عمل کرتے ہیں جو شیعہ کتابوں میں موجود ہیں۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم شیعہ موقف کو شک کی نگاہ سے دیکھیں کیونکہ جب بھی اہل سنت ان کے طریقے کے خلاف کوئی دلیل پیش کرتے ہیں وہ اسے یہ کہہ کر رد کردیتے ہیں کہ انہیں تو ائمہ اہل بیت نے خود تعلیم دی ہے اور ان کی تمام مشکلات کو حل کیا ہے۔ وہ اس پر فخر کرتے ہیں کہ وہ ان ائمہ معصومین کی پیروی کرتے ہیں جو قرآن وسنت کا پورا علم رکھتے ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ میں نے پہلی مرتبہ جو ظہر اورعصر کی نمازیں اکٹھی پڑھیں وہ شہید محمد باقر صدر کی امامت میں پڑھی تھیں ورنہ اس سے قبل میں نجف میں بھی ظہر اور عصر کی نمازیں الگ الگ ہی پڑھا کرتا تھا۔ آخر وہ مبارک دن بھی آگیا جب میں آیت اللہ صدر کے ساتھ ان کے گھر سے اس مسجد میں گیا جہاں وہ اپنے مقلدین کو نماز پڑھایا کرتے تھے۔ ان کے مقلدین نے میرے لیے احتراما عین ان کے پیچھے جگہ چھوڑدی۔ جب ظہر کی نماز ختم ہوئی اور عصر کی جماعت کھڑی ہوئی تو میرے نفس نے کہا اب یہاں سے نکل چلو۔ لیکن میں دووجہ سے ٹھہرارہا۔ ایک تو سید صدر کی ہیبت تھی۔ جس خشوع سے وہ نماز پڑھا رہے تھے میرا دل چاہتا تھا کہ وہ نماز پڑھاتے ہی رہیں۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ جس جگہ میں تھا وہ جگہ اور سب نمازیوں کی نسبت ان سے زیادہ قریب تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے کسی زبردست طاقت نے مجھے ان کے ساتھ باندھ دیا ہو۔ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگ ان سے سوالات پوچھنے کے لیے امنڈ پڑے میں ان کے پیچھے بیٹھا ہوا لوگوں کے سوال اور ان کے جواب سنتا رہا۔ بعض سوال جواب

بہت آہستہ ہونے کی وجہ سے سمجھ میں نہیں آئے ۔لیکن مجھے شرم آرہی تھی ۔میں ان پر اور زیادہ بوجھ بننا نہیں چاہتا تھا ۔ اس کے بعد وہ مجھے کھانا کھلانے کے لیے اپنے گھر لے گئے ۔ وہاں جاکر مجھے معلوم ہوا کہ اس دعوت کا خاص مہمان اور میزبان محفل میں ہی ہوں ۔ میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے جمع بین الصلاتین کے بارے میں دریافت کیا ۔

آیت اللہ سید محمد باقر صدر نے جواب دیا ۔ ہمارے یہاں ائمہ معصومین علیہم السلام سے بہت سی روایات ہیں کہ رسول اللہ ص نے یہ نماز پڑھی یعنی ظہر اور عصر کی نمازوں کو جمع کیا اور اسی طرح مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کیا ۔ اور یہ نماز بغیر خوف یا سفر کی وجہ سے نہیں بلکہ امت سے حرج دور کرنے کے لیے اکٹھی پڑھیں ۔

میں :- میں حرج کا مطلب نہیں سمجھا ۔قرآن شریف میں بھی ہے :

"وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ"

سید صدر :- اللہ سبحانہ کو ہر شے کا علم ہے ۔اسے معلوم تھا کہ بعد کے زمانے میں وہ چیزیں ہونگی جنہیں ہمارے یہاں پبلک ڈیوٹیز کہا جاتا ہے پھر اس طرح کی سرکاری ملازمتیں : مثلاً گارڈ ، پولیس ، ملٹری ، فوج پبلک اداروں میں کام کرنے والے ملازمین ، حتیٰ کہ طلبہ اور اساتذہ بھی ۔ اگر دین ان سب کو پانچ متفرق اوقات میں نماز پڑھنے کا پابند کرے ، تو یقیناً ان کے لیے تنگی اور پریشانی ہوں ، اس لیے رسول اللہ ص کے پاس وحی آئی کہ وہ دو فرض نمازیں ایک وقت میں پڑھ لیں ۔ تاکہ نماز کے اوقات پانچ کے بجائے تین ہوجائیں ،یہ صورت مسلمانوں کے لیے زیادہ سہل تھی اور اس میں کوئی حرج یعنی تنگی بھی نہیں ہے ۔ میں : لیکن سنت نبوی قرآن کو تو منسوخ نہیں کرسکتی ۔

سید صدر:- میں نے کب کہا کہ سنت نے قرآن کو منسوخ کردیا ۔لیکن اگر کسی چیز کو سمجھنے میں دقت ہو تو سنت قرآن کی تفسیر وتوضیح تو کرسکتی ہے ۔

میں :- اللہ سبحانہ کہتا ہے کہ " إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ

كِتَابًا مَّوْقُوتًا " اور مشہور حدیث مین ہے کہ جبریل علیہ السلام رسول اللہ کے پاس آئے اور آپ نے دن رات میں پانچ وقت نماز پڑھی ۔ اسی پر ان نمازوں کے نام ظہر ، عصر ، مغرب ، عشاء اور فجر رکھے گئے ۔

سید صدر :- : " إِنَّ الصَّلاَةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا "

کی تفسیر رسول اللہ نے دو طرح سے کی ہے ۔ الگ الگ نمازوں سے بھی اور جمع بین الصلاتین سے بھی ۔ اس لیے آیت کا مطلب یہ ہوا کہ یہ پانچ نمازیں پانچ مختلف اوقات میں بھی پڑھی جاسکتی ہیں ۔اور تین اوقات میں بھی جمع کی جاسکتی ہیں ۔ دونوں صورتوں میں وہ صحیح وقت پر ادا ہونگی ۔

میں :- قبلہ ! میں سمجھا نہیں ۔ اللہ تعالی نے پھر " كِتَابًا مَّوْقُوتًا "کیوں کہا ہے ؟

سید صدر : (مسکراتے ہوئے) آپ کا خیال ہے ، مسلمان میں وقت پر نماز نہیں پڑھتے ؟کیا وہ اس وقت احکام الہی کی خلاف ورزی کرتے ہیں جب وہ عرفات میں ظہر اور عصر کی نماز کے لیے اور مزدلفہ میں مغرب و عشاء کی نماز کے لیے رسول اللہ ص کی پیروی میں جمع ہوتے ہیں ۔

میں نے ذرا سوچ کر کہا : شاید عذر کی وجہ سے ہو حجاج تھکا جاتے ہیں اس لیے اللہ نے اس موقع پر ان کے لیے کچھ سہولت کردی ۔

سید صدر:-یہاں بھی اللہ تعالی نے اس امت کے متاخرین سے تنگی دورکردی اوردین کو آسان بنادیا ۔

میں :- آپ ابھی کہا کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی کے پاس وحی بھیجی کہ دو وقت کی فرض نمازیں ایک وقت میں پڑھ لیجئے۔ تاکہ نمازوں کے وقت پانچ کے بجائے تین ہوجائیں ۔ تو یہ اللہ نے کس آیت میں کہا ہے ؟

سید صدر نے فورا جواب دیا : کون سی آیت میں اللہ تعالی نے اپنے رسول کو حکم دیا ہے کہ وہ دونمازیں عرفات میں اور دومزدلفہ میں جمع کریں ،اور پانچ وقتوں کہ کس آیت میں ذکر ہے ؟

میں اس دفعہ خاموش ہوگیا ، کوئی اعتراض نہیں کیا ۔ میں مطمئن ہوچکا تھا ۔

سید صدر نے مزید کہا : اللہ تعالی اپنے نبی کو جو وحی بھیجتا ہے ،ضروری نہیں کہ وہ قرآن میں ہی ہو اور وحی متلو ہی ہو :
" قُل لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَاداً لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَداً "

آپ کہہ دیجیے کہ اگر سب سمندر میرے پروردگار کی باتوں کے لکھنے کے لیے روشنائی بن جائیں تو سمندر ختم ہوجائیں گے مگر میرے پروردگار کی باتیں ختم نہیں ہوں گی اگر چہ ہم ایسا ہی سمندر اس کی مدد کے لیے آئیں ۔ (سورہ کہف ۔آیت 109)

جسے ہم سنت نبوی کہتے ہیں ، وہ بھی وحی الہی ہی ہے ، اسی لیے اللہ سبحانہ نے کہا ہے :
"وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا"

جس چیز کا رسول ص تمہیں حکم دیں اس پر عمل کرو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو ۔

بالفاظ دیگر ۔ جب رسول اللہ صحابہ کو کسی کام کا حکم دیتے تھے یا کسی کام سے منع کرتے تھے تو صحابہ کو یہ حق نہیں تھا کہ وہ آپ پر کوئی اعتراض کرتے یا آپ سے یہ مطالبہ کرتے کہ کلام اللہ کی کوئی آیت پیش کریں ۔ وہ آپ کے حکم کی تعمیل سمجھ کر کرتے تھے کہ آپ جو کچھ بھی فرماتے ہیں وحی الہی ہوتا ہے ۔

سید باقر صدر نے ایسی ایسی باتیں بتلائیں کہ میں حیران رہ گیا ۔اس سے پہلے میں ان حقائق سے ناواقف تھا ۔

میں نے جمع بین الصلاتین کے موضوع سے متعلق ان سے مزید پوچھا : قبلہ! کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ کوئی مسلمان دو نمازیں ضرورت کی صورت میں جمع کرلے ؟

"دو نمازوں کا جمع کرنا ہر حالت میں جائز ہے ، ضرورت ہو یا نہ ہو "۔

میں نے ہا : اس کے لیے آپ کے پاس دلیل کیا ہے؟

انھوں نے ہا : اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ص نے مدینہ میں دو فرض نمازوں کو جمع کیا ہے اور اس وقت آپ سفر میں نہ تھے نہ کوئی خوف تھا نہ بارش ہورہی تھی اور نہ کوئی ضرورت تھی ، صرف ہم لوگوں سے تنگی رفع کرنے کے لیے آپ نے دونمازوں کو اکٹھا پڑھا ۔ اور یہ بات ہمارے یہاں ائمہ اطہار کے واسطے سے بھی ثابت ہے اور آپ کے یہاں بھی ثابت ہے ۔

مجھے بہت تعجب ہوا : ہائیں ! ہمارے یہاں بھی ثابت ہے ۔ میں نے آج تک نہیں سنا اور نہ میں نے اہل سنت واجماعت کو ایسا کرتے دیکھا ۔بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ اگر اذان سے ایک منٹ پہلے بھی نماز پڑھ لی جائے تو نماز باطل ہے ،چہ جائیکہ گھنٹوں پہلے عصر کی نماز ظہر کے ساتھ یا عشاء کی نماز مغرب کے ساتھ پڑھ لی جائے ۔ یہ بات بالکل غلط معلوم ہوتی ہے ۔

آیت اللہ صدر میری حیرت کو بھانپ گئے ۔ انھوں نے ایک طالب علم کو آہستہ سے کچھ کہا ۔ وہ اٹھ کر پلک جھپکتے میں دو کتابیں لے آیا ۔ معلوم ہوا کہ ایک صحیح بخاری ہے ،دوسری صحیح مسلم ۔آقائے صدر نے اس طالب علم سے کہا کہ وہ مجھے جمع بین الفریقین سے متعلق احادیث دکھائے ۔میں نے خود صحیح بخاری میں پڑھا کہ رسول اللہ ص نے ظہر اور عصر کی نمازوں کو اور اسی طرح مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کیا ۔ صحیح مسلم میں تو بغیر خوف،بغیر بارش اور بغیر سفر کے دونمازوں کو جمع کرنے کے بارے میں پوراایک باب ہے ۔

میں اپنے تعجب اور حیرت کو تو چھپا نہ سکا ۔مگر پھر بھی مجھے کچھ شک ہوا کہ شاید بخاری اور مسلم جو ان کے پاس ہیں ان میں کچھ جعل سازی کی گئی ہے میں نے اپنے دل میں ارادہ کیا کہ تیونس جاکر میں ان کتابوں کو پھر دیکھوں گا ۔

آیت اللہ سیدمحمد باقر صدر رح نے مجھ سے پوچھا : اب کہیے کیا خیال ہے ؟

میں نے کہا: آپ حق پر ہیں اور جو کہتے ہیں سچ کہتے ہیں ۔ لیکن میں آپ سے ایک بات اور پوچھنا چاہتا ہوں ۔

"فرائیے" ، انھوں نے ہا ۔

میں نے ہا : کیا چاروں نمازوں کا جمع کرنا بھی جائز ہے ؟ ہمارے یہاں بہت سے لوگ ایسا کرتے ہیں ، جب رات کو کام پر سے گھر واپس آتے ہیں ، تو ظہر ،عصر ، مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ پڑھ لیتے ہیں ۔

انھوں نے ہا: یہ تو جائز نہیں ، البتہ مجبوری کی بات دوسری ہے کیونکہ مجبوری میں بہت سی باتیں جائز ہوجاتی ہیں ورنہ ہر نماز کا وقت مقرر ہے " إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا "

میں آپ نے ابھی فرمایا تھا کہ رسول اللہ ص نے نمازیں الگ الگ بھی پڑھی ہیں اور ملا کر بھی پڑھی ہیں اور اسی سے ہمیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کی طرف سے مقرر کردہ نمازوں کے اوقات کون سے ہیں ۔

اس پر انھوں نے ہا : ظہر اور عصر کی نمازوں کا وقت مشترک ہے اور یہ وقت زوال آفتاب سے شروع ہوکر غروب آفتاب تک رہتا ہے ۔ مغرب اور عشاء کا وقت بھی مشترک ہے جو غروب آفتاب سے نصف شب تک رہتا ہے ۔ فجر کی نماز کا وقت الگ ہے جو طلوع فجر سے دن نکلنے تک ہے [1]۔ جو اس کے خلاف کرے گا ۔ وہ اس آیت کریمہ کی خلاف ورزی کرے گا کہ" إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا " اس لیے یہ ممکن نہیں کہ ہم مثلا صبح کی نماز طلوع فجر نہیں ظہر اور عصر کی نماز زوال سے پہلے یا غروب آفتاب کے بعد پڑھیں یا مغرب اور عشاء کی نمازیں غروب سے پہلے یا آدھی رات کے بعد پڑھیں ۔

میں نے آقائے صدر کا شکریہ ادا کیا ، گو مجھے ان کی باتوں سے پورا اطمینان ہوگیا تھا ، لیکن میں نے نمازوں کو جمع کرنا اس وقت شروع کیا جب میں تیونس واپس آکر تحقیق اور مطالعہ میں پوری طرح مشغول ہوگیا اور میری آنکھیں

----

(1):- " أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ "(سورہ بنی اسرائیل ۔آیت 78)۔(ناشر)

ھل گئیں ۔

جمع بین اصلاتین کے بارے میں شہید صدر سے جو میری گفتو رہی ہے یہ اس کی داستان ہے اور یہ داستان میں نے دو وجہ سے بیان کی ہے :

ایک تو یہ کہ میرے اہل سنت بھائیوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ جو علماء واقعی انبیاء کے وارث ہیں ان کا اخلاق ایسا ہوتا ہے ۔

دوسرے یہ بھی احساس ہوجائے کہ ہمیں یہ تک معلوم نہیں کہ ہماری حدیث کی کتابوں میں کیا لکھا ہوا ہے ۔ ہم ایسی باتوں پر دوسروں کو برا بھلا کہتے ہیں جن کی صحت کے ہم خود قائل ہیں اور جن کو ہم صحیح سنت نبوی تسلیم کرتے ہیں ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم ان باتوں کا مذاق اڑاتے ہیں جن پر خود رسول اللہ ص نے عمل کیا تھا اور اس کے باوجود دعوی ہمارا یہ ہے کہ ہم اہل سنت ہیں :

میں پھر اصل موضوع کی طرف لوٹتا ہوں ۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہمیں شیعوں کے اقوال کو شک کی نظر سے دیکھنا ہوگا کیونکہ وہ اپنے ہر عقیدے اور عمل کی سند ائمہ اہل بیت ع سے لاتے ہیں ۔ ممکن ہے کہ یہ نسبت صحیح نہ ہو ۔ لیکن ہم اپنی صحاح میں تو شک نہیں کرسکتے ، ان کی صحت تو ہمیں تسلیم ہے اوراگر ہم ان میں بھی شک کرنے لگے تو میں نہیں کہہ سکتا کہ پھر ہمارے پاس دین میں سے کچھ باقی بچے گا بھی کہ نہیں !

اس لیے تحقیق کرنے والے کے لیےضروری ہےکہ وہ انصاف سے کام لے اور تحقیق سے اس کا مقصد رضائے الہی کا حصول ہو۔ اس طرح امید ہےکہ اللہ تعالی ضرور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرے گا ، اس کے گناہوں کو بخش دے گا اور اسے جنت النعیم میں داخل کرے گا ۔ اور یہ ہیں وہ روایات جو جمع بین اصلاتین کے بارے میں علمائے اہل سنت نے بیان کی ہیں ۔ ان کو پڑھ کر آپ کو یقین ہوجائے گا کہ جمع بین اصلاتین کوئی شیعہ بدعت نہیں ہے :

<> امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں ابن عباس سے روایت بیان کی ہے کہ

رسول اللہ ص نے جب وہ مدینے میں قیم تھے ،مسافر نہیں تھے سات اورآٹھ رکعتیں پڑھیں ۔[1]

<>ام الک نے موطاء میں ابن عباس سے روایت بیان کی ہے ۔ وہ ہتے ہیں کہ :

رسول اللہ ص لنے بغیر خوف اور سفر کے ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی پڑھیں اور غرب اور شاء کی اکٹھی ۔[2]

<> صحیح م مسلہ باب اجمع بین اصلاۃ فی احضر میں ابن عباس سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ص لنے بغیر خوف اور سفر کے ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی پڑھیں اور غرب اور شاء کی اکٹھی ۔

<> صحیح مسلم میں ابن عباس ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ص نے مدینہ میں بغیر خوف لاوبرغ بارش کے ظہر ،عصر ، غرب اور شاء کی نمازیں اکٹھی پڑھیں ۔

راوی ہہتا ہے کہ میں نے ابن عباس سے پوچھ ا کہ رسول اللہ ص نے ایساکیوں کیا ؟ ابن عباس نے ہا : اپنی ا ت کو تنگی سے بچانے کے لیے ۔

<>کا ابا باب میں صحیح مسلم کی ایک روایت سے علوہو ہاہے کہ جمع بین اصلاتین کی سنت صحابہ میں مشہور تھی ۔ اور اس پر صحابہ عمل بھی کرتے تھے ۔

<> صحیح مسلم کےای ابا باب کی روایت ہے کہ :

ایک روز ابن عباس نے عصر کے . ر خطبہ دیا ۔ ابھی ان کا خطبہ جاری ت ا کہ سورج ڈوب گیاسہ تارے نکل آئے ، لوگ بے چین ہو کر اصلاۃ ، اصلاۃ پکارنے لگے ۔ بنی تیم میں سے

----

(1):- ام احمد بن نبل مسند جر 1 صفحہ 221

(2):- ام الک موطاء ،شرح احوالک جر 1 صفحہ 160

ایک گستاخ شخص الصلاۃ ، الصلاۃ کہتا ہوا ابن عباس تک پہنچ گیا ۔ ابن عباس نے کہا : تیری ماں مرے، تو مجھے سنت سکھاتا ہے ! میں نے رسول اللہ ص کو ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھتے دیکھا ہے "۔

<>ایک اورروایت میں ہے کہ :

"ابن عباس نے اس شخص سے کہا تیری ماں مرے ، تو ہمیں نماز سکھاتا ہے ۔ ہم رسول اللہ ص کے زمانے میں جمع الصلاتین کیا کرتے تھے "۔(1)

<>باب وقت المغرب میں صحیح بخاری کی روایت ہے ،جابر بن زید کہتے ہیں کہ ابن عباس کہتے تھے کہ "رسول اللہ ص نے سات رکعتیں اکٹھی اور آٹھ رکعتیں اکٹھی پڑھیں "(2)

<>اسی طرح بخاری نے باب وقت العصر میں روایت کی ہے کہ ابو امامہ کہتے تھے :

"ہم نے عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی ،پھر ہم وہاں سے نکل کر انس بن مالک کے پاس پہنچے ،دیکھا تو عصر کی نماز پڑھ لی ؟ کہنے لگے عصر کی ، اور یہ رسول اللہ ص کی نماز ہے جو ہم رسول اللہ ص کے ساتھ پڑھا کرتے تھے "۔(3)

اہل سنت کی صحاح کی احادیث کے اس مختصر جائزے کے بعد ہم پوچھنا چاہیں گے کہ ان روایات کے ہوتے ہوئے اہل سنت آخر شیعوں کو برا بھلا کیوں

----

(1):- صحیح مسلم جلد 2 صفحہ 151-152 باب الجمع بین الصلاتین

(2):- صحیح بخاری جلد 1 صفحہ 140 باب وقت المغرب

(3):- صحیح بخاری جلد 1 صفحہ باب وقت العصر

کہتے ہیں اور ان پرکیوں اعتراض کرتے ہیں ۔ہم پھر بھی عادتاً وہی بات کہیں گے کہ اہل سنت کرتے کچھ ہیں اور کہتے کچھ ہیں اور ان باتوں پر اعتراض کرتے ہیں جن کی صحت کے خود قائل ہیں ۔ہمارے شہر قصبہ میں ایک دن امام صاحب نمازیوں کے درمیان کھڑے ہو کر ہمیں برا بھلا کہنے کے لیے ہم پر طعن کرتے ہوئے کہنے لگے : "تم نے دیکھا ان لوگوں نے کیا دین نکالا ہے ۔ ظہر کی نماز کے فوراً بعد عصر کی نماز پڑھنے کھڑے ہوجاتے ہیں ۔ یہ دین محمدی نہیں ہے کوئی نیادین ہے ۔یہ قرآن کے خلاف کرتے ہیں ۔قرآن تو کہتا ہے :

" إِنَّ الصَّلاَةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا " غرض امام صاحب نے کوئی ایسی دگالی نہ چھوڑیں جو انھوں نے ان لوگوں کو نہ دی ہو جو نئے نئے شیعہ ہوئے تھے ۔ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان جس نے شیعہ مذہب قبول کرلیا تھا ،ایک دن میرے پاس آیا اور بڑے رنج وافسوس کے ساتھ امام صاحب کی باتیں میرے سامنے دہرائیں ۔میں نے اسے صحیح بخاری اور صحیح مسلم دیں اور اس سے کہا کہ امام صاحب کو جاکر بتاؤ کہ جمع بین الصلاتین درست ہے اور سنت نبوی ہے میں نے اس نوجوان سے کہا کہ میں امام صاحب کے پاس جاؤں گا نہیں ، کیونکہ میں ان سے جھگڑنا نہیں چاہتا ، ایک دن میں نے ان سے خوش اسلوبی کے ساتھ سنجیدہ بحث کرنی چاہی تھی مگر وہ گالیوں پر اتر آئے اور غلط سلط الزامات لگانے لگے ۔ اس قصہ میں اہم بات یہ تھی کہ میرے اس دوست نے ابھی تک ان امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھنی ترک نہیں کی تھی ۔ جب نماز کے بعد امام صاحب حسب معمول درس کے لیے بیٹھے میرے دوست نے بڑھ کر ان سے جمع بین الصلاتین کے متعلق سوال کیا ۔

امام صاحب نے کہا :یہ شیعوں کی نکالی ہوئی بدعت ہے !

میرے دوست نے کہا: لیکن یہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے ثابت ہے ۔

امام صاحب جھٹ سے بولے : بالکل غلط میرے دوست نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم نکال کر انہیں دیں۔ انھوں نے باب الجمع بین الصلاتین پڑھا ۔میرا دوست کہتا ہے کہ جب انہیں ان نمازیوں کے سامنے

جو ان کا درس سنا کرتے تھے حقیقت معلوم ہوئی تو وہ چکرائے اور انھوں نے کتابیں بند کرکے مجھے واپس کردیں اور کہنے لگے کہ

"یہ رسول اللہ ص کی خصوصیت تھی جب تم رسول اللہ ص کے دربار پر پہنچ جاؤگے اس وقت اس طرح نماز پڑھنا " میرا دوست سمجھ گیا یہ جاہل متعصب شخص ہے اور اس دن سے میرے دوست نے ان کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑدی ۔

قارئین کرام! دیکھیے تعصب سے آنکھوں کو اندھا کردیتا ہے اور دلوں پر غلاف چڑھا دیتا ہے ،پھر حق سجھائی نہیں دیتا۔ ہمارے یہاں ایک کہاوت ہے کہ "عنزة ولو طارت" تھی تو بکری ہی ،اڑ گئی تو کیا ہوا ۔[1]

میں نے اپنے دوست سے کہا کہ تم امام صاحب کے پاس ایک دفعہ پھر جاکر انہیں بتلاؤ کہ ابن عباس اس طرح نماز پڑھا کرتے تھے اور اسی طرح انس مالک اور دوسرے صحابہ بھی پڑھتے تھے، تو پھر اس میں رسول اللہ ص کی کیا خصوصیت ہوئی ؟

لیکن میرے دوست نے یہ کہہ کر معذرت کرلی کہ اس کی ضرورت نہیں ، امام صاحب کبھی نہیں مانیں گے خواہ رسول اللہ ص خود ہی کیوں نہ آجائیں ۔

رسول اللہ ص کا آنا تو غیر ممکن بات ہے مگر اس سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے جس کو اللہ عزوجل نے سورہ روم میں اس طرح بیان کیا ہے ۔

" فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاء إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ () وَمَا أَنتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَن ضَلَالَتِهِمْ إِن تُسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُم مُّسْلِمُونَ "

----

(1):-کہتے ہیں ،دو آدمی شکار کے لیے نکلے ۔دور سے کوئی سیاہ چیز دکھائی دی ۔ ایک نے کہا کہ یہ کوا ہے ۔ دوسرے نے کہا : نہیں بکری ہے ۔دونوں اپنی ضد پر اڑے رہے ۔ قریب پہنچے تو کوا پھڑپھڑا کر اڑ گیا ۔پہلے شخص نے کہا : دیکھا میں نہیں کہتا تھا کہ کوا ہے ، اب مان گئے ؟ لیکن اس کا دوست پھر بھی نہ مانا کہنے لگا :

" بھائی ! تھی تو بکری ہی ،مگر اڑنے والی بکری تھی ۔"

آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں جبکہ وہ پیٹھ پھیرے جا رہے ہوں ۔ اور آپ اندھوں کو گمراہی سے نہیں نکال سکتے ۔ آپ صرف ان کو سنا سکتے ہیں جو ہماری نشانیوں پر ایمان لائے ہوں اور اطاعت کرنے والے ہوں ۔(سورہ روم ۔آیت52- 53)

احمد اللہ کہ بہت سے نوجوان جمع بین الصلاتین کی حقیقت سے واقف ہو کر دوبارہ نماز پڑھنے لگے ، نہیں تو وہ نماز ہی چھوڑ بیٹھے تھے کیونکہ وہ وقت پر تو نماز پڑھ نہیں سکتے تھے ۔ رات کو چار وقت کی اکٹھی نماز پڑھتے بھی تھے تو دل کو اطمینان نہیں ہوتا تھا ۔ اب ان کی سمجھ میں آیا کہ جمع بین الصلاتین میں کیا حکمت ہے ۔جمع بین الصلاتین کی صورت میں سب ملازمت پیشہ ،طلبہ اور عوام نماز وقت پر ادا کرسکتے ہیں اور ان کا دل مطمئن رہتا ہے ۔ رسول اللہ ص کے ارشاد کا مطلب کہ "کی لا أُحرج أُمّتی "(میں اپنی امت کو تنگی میں نہ ڈالوں)ان کی سمجھ میں آگیا تھا ۔

خاک پر سجدہ

شیعوں کا اس پر اتفاق ہے کہ زمین پر سجدہ افضل ہے ۔ وہ ائمہ اہل بیت ع سے ان کے جد رسول اللہ ص کا قول نقل کرتے ہیں کہ " أفضل السّجود علی الأرض"

سجدہ زمین پر افضل ہے ۔ایک اور روایت میں ہے کہ "لایجوزالسجود إلّا علی الأرض أوما أنبتت الأرض غیرماءکولٍ وّلاملبوسٍ ." سجدہ جائز نہیں ہے مگر زمین پر یا اس چیز پر جو زمین سے اگی ہو مگر نہ کھائی جاتی ہو اور نہ پہنی جاتی ہو ۔

صاحب وسائل الشیعہ محدّث حر عاملی نے اپنی اسناد سے روایت کی ہے کہ ہشام بن حکم کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے :

"السجود على الأرض أفضل لانّه أبلغ في التّواضع والخضوع لله عزّوجلّ.

زمین پر سجدہ افضل ہے کیونکہ اس سے انتہائی تواضع اور خشوع وخضوع کا اظہار ہوتا ہے ۔ ایک اور روایت میں اسحاق بن فضل کہتے ہیں کہ : میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا چٹائیوں پر اور سرکنڈوں سے بنے ہوئے بوریوں پر سجدہ جائز ہے ؟ آپ نے کہا : کوئی حرج نہیں ۔مگر میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ زمین پرسجدہ کیا جائے ۔ اس لیے کہ رسول اللہ ص کو یہ بات پسند تھی کہ آپ کی پیشانی زمین پر ہو ۔ اور میں تمہارے لیے وہی بات پسند کرتاہوں جو رسول اللہ ص کو پسند تھی ۔

مگر علمائے اہل سنت قالین یا دری وغیرہ جیسی چیزوں پر بھی سجدہ میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے ۔ اگر چہ ان کے نزدیک بھی افضل یہی ہے کہ چٹائی پر سجدہ کیاجائے ۔ بخاری اور مسلم کی بعض روایات بتلاتی ہیں کہ رسول اللہ ص کے پاس کھجور کے

پتوں اور مٹی سے بنی ہوئی نہایت چھوٹی سی جانماز تھی جس پر آپ سجدہ کیا کرتے تھے ۔

صحیح مسلم کتاب الحیض میں قاسم بن محمد عن عائشہ کے حوالے سے روایت ہے ۔ عائشہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ص نے مجھ سے کہا کہ ذرا یہ خمرہ مجھے مسجد سے اٹھا دینا ۔میں نے کہا : مجھے تو ماہواری آرہی ہے آپ نے فرمایا : تمہاری ماہواری تمہارے ہاتھ میں تھوڑا ہی ہے۔[1] (مسلم کہتے ہیں کہ خمرہ کا مطلب ہے چھوٹی سی جانماز

----

(1):- صحیح مسلم جلد اول باب جواز غسل الحائض راس زوجہا ۔سنن ابی داؤد جلد 1 باب الحائض تتناول من المسجد

اتنی چھوٹی کہ بس اس پر سجدہ کیا جاے ۔)

بخاری نے اپنی صحیح میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ص زمین پر سجدہ کرنا پسند فرماتے تھے ۔

ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ رسول اللہ ص رمضان کے درمیانی عشرے میں اعتکاف کیا کرتے تھے ۔ایک سال آپ نے اعتکاف کیا ۔جب اکیسویں کی شب ہوئی اوریہ وہ رات تھی جس کی صبح کوآپ اعتکاف سے نکلنے والے تھے ، اس رات آپ نے کہا :

"جس نے میرے ساتھ اعتکاف کیا ہو وہ رمضان کے آخری دس دنوں کا بھی اعتکاف کرے ۔میں نے وہ رات (لیلۃ القدر) دیکھی تھی پھر مجھے بھلادی گئی۔ میں نے دیکھا تھا کہ میں اس رات کی صبح کو گیلی مٹی پر سجدہ کررہاہوں ۔اس لیے تم اسے آخری دس راتوں میں اور طاق راتوں میں تلاش کرو "۔ اس کے بعد اس رات بارش ہوئی ۔ مسجد کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں کی تو تھی ہی ٹپکنے لگی۔میری آنکھوں نے 21 کی صبح کو رسول اللہ ص کی پیشانی پر گیلی مٹی کا نشان دیکھا ۔[1]

صحابہؓ بھی خود رسول اللہ ص کی موجودگی میں زمین پرہی سجدہ کرنا پسند کرتے تھے ۔ امام نسائی نے اپنی سنن میں روایت بیان کی ہے کہ :

جابر بن عبداللہ کہتے تھے کہ ہم رسول اللہ ص کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھا کرتے تھے ۔ میں ایک مٹھی کنکریاں ٹھنڈی کرنے کے لیے اپنے ہاتھ میں اٹھالیتا تھا پھر دوسرے ہاتھ میں لے لیتا تھا ۔جب سجدہ کرتا تو انہیں وہاں رکھ دیتا جہاں پیشانی رکھنی ہوتی ۔[2]اس کے علاوہ رسول اللہ ص نے فرمایا ہے :

----

(1):- صحیح بخاری جز 2 باب الاعتکاف فی العشر الاواخر۔

(2):- سنن امام نسائی جز 2 باب تبرید الحصی للسجود علیہ ۔

"جعلت لی الأرض مسجدًا وّطهورًا."

میرے لیے تمام زمین سجدہ کرنے اور پاک کرنے کا ذریعہ بنا دی گئی ہے۔[1]

" جعلت لنا الأرض کلّها مسجدًا وّجعلت تربتها لنا طهورًا."

ہمارے لیے تمام زمین سجدہ گاہ اور اس کی خاک پاکی کا ذریعہ بنا دی گئی ہے ۔[2]

پھر کیا وجہ ہے کہ مسلمان شیعوں کے خلاف اس لیے ضد رکھتے ہیں کہ شیعہ قالینوں کے بجائے مٹی پر سجدہ کرتے ہیں ۔؟

یہاں تک نوبت پہنچی کہ شیعوں کی تکفیر کی گئی ، انہیں برا بھلا کہا گیا اور ان پر بہتان باندھا گیا کہ وہ بت پرست ہیں ۔

اگر شیعوں کی جیب یا سوٹ کیس میں سے خاک کربلا کی ٹکیہ[3] نکل آئے تو اتنی سی بات پر شیعوں کو سعودی عرب میں زدو کوب کیا جاتا ہے ؟

----

(1):- صحیح بخاری جلد 1 باب التیمم ۔

(2):- صحیح مسلم جلد 4 باب المساجد ومواضع الصلاۃ ۔

(3):- آیت اللہ العظمی آقائے خوئی البیان فی تفسیر القرآن میں فرماتے ہیں :

"شیعہ عقیدے کی رو سے امام حسین علیہ السلام کی قبر کی خاک بھی اللہ کی اسی وسیع و عریض زمین کا ایک حصہ ہے جسے اس نے اپنے پیغمبر کے لیے طاہر و مطہر اور جائے سجود قرار دیا ہے ۔ تاہم یہی طاہر اور مقدس ہے وہ خاک جو جگر گوشہ رسول ص کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے ہے اور جس میں وہ جوانان جنت کے سردار آرام فرما رہے ہیں ! اس خاک کے پہلو میں وہ عظیم ہستی محو خواب ہے جس نے اپنے فرزندوں ، عزیزوں اور وفادار ساتھیوں کو راہ خدا میں قربان کر دیا ۔ یہ خاک ! خاک کربلا انسانوں کو راہ خدا میں جانبازی اور فداکاری کا سبق سکھاتی ہے ، انہیں شرافت و فضیلت کا درس دیتی ہے اور ایک عدیم النظیر جگر دوز

کیا یہی وہ اسلام ہے جو ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کا احترام کریں اور کسی کلمہ گو موحد مسلمان کی جو نماز پڑھتا ہو ، زکواۃ دیتا ہو ، رمضان کے روزے رکھتا ہو اور بیت اللہ کا حج کرتا ہو ۔ توہین نہ کریں ۔ کیا کوئی شخص بقائمی ہوش و حواس یہ تصور کرسکتا ہے کہ اگر بعض لوگوں کا یہ الزام درست ہوتا کہ شیعہ پتھروں کی پوجا کرتے ہیں تو کوئی شیعہ اتنی تکلیف اٹھاکر اور اتنا مالی بوجھ برداشت کر کے بیت اللہ اور زیارت قبر رسول ص کے لیے آتا ؟

کیا اہل سنت آیت اللہ سید محمد باقر صدر شہید کے اس قول سے مطمئن نہیں ہوسکتے ،جو میں نے اپنی کتاب "ثم اھتدیت " (ہدایت) میں نقل کیا ہے کہ جب میں نے ان سے خاک کربلا پر سجدے کرنے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ :

"ہم مٹی پر اللہ کو سجدہ کرتے ہیں ۔ مٹی پر سجدہ کرنے میں اور مٹی کو سجدہ کرنے میں فرق ہے "

اگر شیعہ احتیاط کرتے ہیں کہ ان کا سجدہ پاک جگہ پر ہو اور عنداللہ قبول ہو تو وہ رسول اللہ اور ائمہ اطہار کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں ۔ خصوصا ہمارے زمانے میں جب سب مساجد میں موٹے موٹے روئیں دار قالینوں کے فرش بچھ گئے ہیں ، ان

۔ تاریخی واقعے کی یاد ذہن انسانی میں تازہ کرتی ہے ۔ انھی وجوہ کی بنا پر اس خاک کی ایک خاص اہمیت اور عظمت ہے اور اس پر سجدہ کرنا شرعا صحیح ہے ۔ اس سب کے علاوہ خاک کربلا کی فضیلت میں متعدد روایات رسول اکرم ص سے منقول ہیں جو شیعہ اور سنی دونوں ذرائع سے آتی ہیں "۔

استاد شہید مرتضی مطہری اپنی کتاب شہید میں فرماتے ہیں :

"جب رسول اللہ ص نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا س کو مشہور تسبیحات (34 بار اللہ اکبر 33بار احمدللہ اور 33بار سبحان اللہ)پڑھنے کو کہا تو وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر پر گئیں اور تسبیح تیار کرنے کے لیے وہاں سے کچھ مٹی حاصل کی ۔ان کے اس فعل کی کیا اہمیت ہے ؟ اس کی اہمیت یہ ہے کہ شہید کی قبر متبرک ہے اور اس کے ارد گرد کی مٹی بھی متبرک ہے ۔انسان کو تسبیحات پڑھنے کے لیے ایک تسبیح کی ضرورت ہوتی ہے اور اس مقصد کے لیے پتھر ، لکڑی اور مٹی کی بنی ہوئی تسبیح استعمال کی جاسکتی ہے لیکن ہم شہید کی قبر کے پاس کی مٹی کو ترجیح دیتے ہیں اور اس سے ہمارا مقصد شہید کی تعظیم و تکریم ہوتا ہے "۔(ناشر)

قالینوں میں سے بعض کی بناوٹ میں ایسا مواد استعمال کیاجاتا ہے جس سے عام مسلمان ناواقف ہیں ۔ یہ قالین مسلمان ملکوں کے بنے ہوئے بھی نہیں ہوتے ، اس لیے ممکن ہے کہ ان میں سے بعض کی بناوٹ میں ایسا مواد استعمال کیا گیا ہو جو جائز نہیں ۔ ایسی صورت میں ہمیں کیا حق پہنچتا ہے کہ ہم اس شخص کو جو نماز کی صحت کا اہتمام کرنے والا ہو ، دھتکاریں اور محض بے بنیاد شبہ کی وجہ سے اس پر کفر وشرک کا ازام لگائیں ؟

شخص جو دینی امور میں خیال رکھتا ہے خصوصا نماز کا جو دین کاستون ہے اور اس کا اتنا اہتمام کرتا ہے کہ نماز کے وقت اپنی ٹوپی اتار دیتا ہے ، گھڑی اتار دیتا ہے کیونکہ اس کا تسمہ چمڑے کا ہے جس کی اصل معلوم نہیں ۔ بعض اوقات پتلون اتار کر ڈھیلا ڈھالا پاجامہ پہن لیتا ہے اور یہ سب احتیاط اور اہتمام اس لیے کرتا ہے کہ اسے نماز میں اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونا ہے ۔ اور وہ نہیں چاہتا کہ اپنے رب کے سامنے اس حال میں جائے کہ اس کے رب کو اس کی کوئی بات ناپسند ہو ۔

کیا ایسا شخص اس بات کا مستحق ہے کہ اس کا مذاق اڑایا جائے ، اس سے نفرت کی جائے ؟ وہ تو اس قابل ہے کہ اس کا احترام کیا جائے ، اس کی تعظیم کی جائے کیونکہ وہ شعائر اللہ کی تعظیم کرتاہے جو تقوی کی بنیاد ہے ۔

اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو اور صحیح بات ہو !

اگر تم پر اللہ کا فضل وکرم نہ ہوتا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ، تو جس مشغلے میں تم پڑے تھے اس میں تم پر سخت عذاب نازل ہوتا ۔ اس وقت جب تم اس کو اپنی زبانوں سے دہرارہے تھے اور اپنے منہ سے وہ کچھ کہہ رہے تھے جس کا تمہیں علم نہیں تھا اور تم اس کو معمولی بات سمجھتے تھے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات تھی ۔(سورہ نور ۔آیت 15)

رجعت

رجعت ان مسائل میں سے ہے جن کے صرف شیعہ قائل ہیں ۔

میں نے حدیث کی کتابوں میں ڈھونڈا مگر مجھے اس کا کہیں ذکر نہیں ملا ۔ بعض صوفی عقائد میں البتہ ایسی چیزیں ہیں جن کا تعلق غیبیات سے ہے ۔ جو ان باتوں کو نہ مانے وہ کافر نہیں ہوتا کیونکہ ایمان نہ ان امور کے ماننے پر موقوف ہے نہ ان پر اعتقاد سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے ۔

زیادہ واضح الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ان کے ماننے نہ ماننے سے نہ کوئی نفع ہے نہ نقصان ۔ یہ صرف روایات ہیں جن کو شیعہ ائمہ اطہار ع سے روایت کرتے ہیں کہ

"اللہ بعض مومنین اور بعض مجرمین مفسدین کو زندہ کرے گا تاکہ مومنین آخرت سے پہلے دنیا ہی میں اپنے دشمنوں سے انتقام لیں ۔"

اگر یہ روایتیں صحیح ہیں ۔ اور شیعوں کے نزدیک تو یہ صحیح اور متواتر ہیں ۔ جب بھی یہ اہل سنت کو پابند نہیں بناتیں ۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ان پر اعتقاد رکھنا اس لیے واجب ہے کہ اہل بیت ع نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے ۔ ہرگز نہیں ۔ کیونکہ ہم نے بحث میں انصاف اور بے تعصبی کا عہد کیا ہوا ہے ۔

اس لیے ہم اہل سنت کو انھیں روایات کا پابند سمجھتے ہیں جو ان کی اپنی حدیث کی معتبر کتابوں میں موجود ہیں ۔ چونکہ رجعت کی احادیث ان کی اپنی کتابوں میں نہیں آئی ہیں اس لیے وہ ان کو قبول نہ کرنے میں آزاد ہیں اور یہ بھی عجب ہے ، جب کوئی شیعہ ان روایات کو ان پر مسلط کرنے کی کوشش کرے ۔

لیکن شیعہ کسی کو رجعت کا قائل ہونے پر مجبور نہیں کرتے اور نہ وہ یہ کہتے ہیں کہ جو رجعت کا قائل ہونے پر مجبور نہیں کرتے اور نہ وہ یہ کہتے ہیں کہ رجعت کا قائل نہیں وہ کافر ہے۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ شیعہ ، جو

رجعت کے قائل ہیں ان کو اس قدر برا بھلا کہا جائے اور ان کے خلاف اس قدر شوروغوغا برپا کیا جائے !

شیعہ مسئلہ رجعت کا ان روایات سے استدلال کرتے ہیں جو ان کے نزدیک ثابت ہیں اور جن کی تائید بعض آیات سے بھی ہوتی ہے ، جیسے "

" وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِن كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجاً مِّمَّن يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ "

اور جس دن ہم ہر امت میں سے ایک ایک گروہ ان لوگوں کا جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے اور ان کی صف بندی کی جائے گی۔(سورہ نمل ۔آیت 83)

تفسیر قمی میں ہے کہ "

امام جعفر صادق ع نے اپنے اصحاب سے پوچھا کہ لوگ اس آیت کے بارے میں کیا کہتے ہیں کہ۔ " وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِن كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجاً "حماد کہتے ہیں کہ میں نے کہا : لوگ کہتے ہیں کہ اس کا تعلق روز قیامت سے ہے ۔ امام نے کہا : یہ بات نہیں ،یہ آیت رجعت کے بارے میں ہے ، قیامت میں کیا اللہ تعالی ہر امت میں سے صرف ایک ایک گروہ کو اکٹھا کرے گا ۔ باقی کو چھوڑ دے گا ؟

قیامت کے بارے میں دوسری آیت ہے :

" وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَداً "

اور ہم ان سب کو جمع کریں گے اور ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے ۔(سورہ کہف ۔آیت 47)

شیخ محمد رضا مظفر کی کتاب عقائد الامامیہ میں ہے : اہل بیت علیہم السلام سے جو روایات آئی ہیں ان کی بنا پر شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالی مردوں میں سے کچھ کو اسی دنیا میں زندہ کرے گا، ان کی شکلیں وہی ہوں گی جو ان کی زندگی میں تھیں پھر ان میں سے ایک گروہ کو عزت دے گا اور ایک گروہ

کو ذلیل کرے گا ۔ اس وقت حق پرست ،باطل پرستوں سے ، اور مظلوم ، ظالموں سے بدلہ لیں گے ۔ بدلہ لینے کا یہ واقعہ قائم آل محمد کے ظہور پر ہوگا ۔

رجعت صرف ان مومنین کی ہوگی جن کے ایمان کا درجہ بہت بلند تھا اور مفسدین میں سے صرف ان کی جو حد درجہ بہت بلند تھا اور مفسدین میں سے صرف ان کی جو حد درجہ فسادی تھے اس کے بعد یہ لوگ پھر مرجائیں گے اور روزقیامت دوبارہ محشور ہوں گے اور ان کے استحقاق کے مطابق ثواب وعذاب دیا جائے گا ۔

اللہ تعالی نے قرآن کریم میں دوبارہ زندہ ہونے والوں اور لوٹ کر آنے والوں کی ایک تمنا کا بھی ذکر کیا ہے ۔جب دوسری دفعہ بھی ان کی اصلاح نہیں ہوگی اور خدا کے غضب کے سوا انہیں کچھ نہیں ملے گا ، تو یہ تیسری دفعہ دنیا میں آنے کی تمنا کریں گے ۔:

" قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَىٰ خُرُوجٍ مِنْ سَبِيلٍ"

اور وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار ! تونے ہمیں دودفعہ موت اور دودفعہ زندگی دی سو اب ہم اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں ، تو کیا کوئی صورت ہے نکلنے کی ؟(سورہ مومن ۔آیت 116)

میں کہتاہوں کہ اگر اہل سنت واجماعت رجعت پر یقین نہیں رکھتے ، تو انہیں اس کا پورا حق ہے ،لیکن انہیں یہ حق نہیں ہے کہ جو اس کے قائل ہیں اور جن کے نزدیک یہ نصوص سے ثابت ہے ان کو برا بھلا کہیں اس لیے کہ کسی شخص کاکسی بات کو نہ جاننا اس کی دلیل نہیں کہ جو شخص جانتا ہے ہو غلطی پر ہے اسی طرح کسی کے کسی چیز کو نہ ماننے یا نہ جاننے کا یہ مطلب نہیں کہ اس چیز کا وجود ہی نہیں مسلمانوں کے تنے ہی ناقابل تردید دلائل ہیں جنہیں اہل کتاب یعنی یہود ونصاری تسلیم نہیں کرتے ۔

اہل سنت کی بھی کتنی ہی روایات اور کتنے ہی اعتقادات ایسے ہیں ،خصوصا

وہ جن کا تعلق اولیاء اور صوفیا سے ہے وجہ ناممکن اور کریہہ نظر آتے ہیں ، لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ اہل سنت کے عقیدے کہ مذمت کی جائے اور اس سے ڈرایا جائے ۔

رجعت کا ثبوت قرآن اور سنت نبوی میں ملتا ہے اور ایسا کرنا اللہ تعالی کے لیے ناممکن اور محال بھی نہیں ہے ۔ خود قرآن شریف میں رجعت کی کئی مثالیں ملتی ہیں ۔ مثلا قرآن میں ہے :

" أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىَ يُحْيِي هَـَذِهِ اللّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللّهُ مِئَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ "

کیا تم نے اس شخص کے حال پر غور کیا جب ایک گاؤں میں جو اپنی چھتوں کے بل گرپکا اتفاق گزر ہوا تو اس نے کہا کہ اللہ اس بستی کے باشندوں کومرنے کے بعد کیسے زندہ کرے گا ، تو اللہ نے اس کی روح قبض کرلی اور اس کو سوسال تک مردہ رکھا ، پھر زندہ کردیا ۔(سورہ بقرہ ۔ آیت 259)

نیز ایک اور آیت میں ہے :

" أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُواْ مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّهُ مُوتُواْ ثُمَّ أَحْيَاهُمْ "

کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر ہے جو شمار میں ہزاروں تھے اور موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل بھاگے تھے ، تو اللہ نے ان سے کہا کہ مرجاؤ ، پھر انہیں زندہ کردیا ۔(سورہ بقرہ ۔آیت 243)

اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کے ایک گروہ کو بھی موت دے دی اور پھر انہیں زندہ کردیا :

" وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَى لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّى نَرَى اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الصَّاعِقَةُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ () ثُمَّ

بَعَثْنَاكُم مِّن بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ()"

اور جب تم نے کہا تھا کہ اے موسی ! ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک خدا کو نہیں دیکھ لیں گے ۔ اس پر تمہارے دیکھتے دیکھتے بجلی کی کڑک نے آکر تمہیں دبوچ لیا ۔ پھر موت آجانے کے بعد ہم نے تمہیں از سر نو زندہ کیا ۔ تاکہ تم احسان مانو ۔(سورہ بقرہ ۔ آیت 56)

اصحاب کہف تین سو سال سے زیادہ غار میں مردہ پڑے رہے :

" ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ أَيُّ الْحِزْبَيْنِ أَحْصَى لِمَا لَبِثُوا أَمَداً"

پھر ہم نے انہیں زندہ کر کے اٹھایا ۔ تاکہ معلوم کریں کہ ان دونوں گروہوں میں سے کونسا گروہ اس حالت میں رہنے کی مدت سے زیادہ واقف ہے ۔(سورہ کہف ۔ آیت 12)

دیکھیے کہ کتاب اللہ کہتی ہے کہ سابقہ امتوں میں رجعت کے واقعات ہوتے رہے ہیں ، تو امت محمدیہ میں بھی ایسے کسی واقعہ کا وقوع پذیر ہونا ممکن نہیں ہے ، خصوصا جبکہ ائمہ اہل بیت ع اس کی خبر دے رہے ہوں جو سچوں کے سچے ہیں ۔ باخبر رہیں کہ بعض بے جا دخل اندازی کرنے والے کہتے ہیں کہ رجعت کو تسلیم کرنا تناسخ (آواگون) کو تسلیم کرنے کے مترادف ہے جو کہ کفار کا عقیدہ ہے ۔ظاہر ہے کہ یہ بات بالکل غلط ہے اور اس کا مقصد محض شیعوں پر الزام تراشی اور انہیں بدنام کرنا ہے۔

تناسخ کے ماننے والے یہ نہیں کہتے کہ انسان اسی جسم ، اسی روح اور اسی شکل کے ساتھ دنیا میں واپس آتا ہے ۔ بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی جو مرجاتا ہے ، اس کی روح ایک دوسرے انسان کے جسم میں جو بعد میں پیدا ہوتا ہے داخل ہوجاتی ہے بلکہ اس کی روح کسی جانور کے جسم میں بھی داخل ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے یہ عقیدہ اس اسلامی عقیدے سے بالکل مختلف ہے جس کے مطابق اللہ تعالی مردوں کو اسی جسم اور اسی روح کے ساتھ اٹھاتا ہے ۔رجعت کا تناسخ

سے قطعا کوئی تعلق نہیں ۔ یہ ان جاہلوں کا کہنا ہے کہ جو شیعہ اور شیوعیہ [1] میں بھی تمیز نہیں کرسکتے ۔

مہدی منتظر علیہ السلام

مہدی موعود کا مسئلہ بھی ان موضوعات میں شامل ہے جن کی وجہ سے اہل سنت شیعوں پر اعتراض کرتے ہیں بلکہ بعض تو اس حدتک بڑھ جاتے ہیں کہ تمسخر واستہزاء سے بھی نہیں چوکتے ۔ کیونکہ اہل سنت اس کو بعید از عقل اور محال سمجھتے ہیں کہ کوئی انسان بارہ سو برس تک زندہ مگر لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہے ۔

بعض ہمعصر مصنفین نے تو یہاں تک کہا ہے کہ شیعوں نے امام غائب کا خیال اس لیے گھڑا ہے کہ انہیں مختلف ادوار میں کثرت سے حکمرانوں کے ظلم وستم سہنے پڑے ہیں چنانچہ انھوں نے اس تصور سے اپنے دل کو تسلی دے دی کہ مہدی منتظر ع کے زمانے میں جو زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے نہ صرف انہیں امن چین نصیب ہوگا بلکہ اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کا بھی موقع ملے گا ۔

پچھلے چند سالوں میں مہدی منتظر ع کے ظہور سے متعلق چرچا بڑھ گیاہے ، خصوصا ایران میں اسلامی انقلاب کے بعد . جب پاسداران انقلاب نے یہ اپنا خاص طریقہ اور شعار بنالیا کہ وہ اپنی دعاؤں میں امام خمینی کے لیے یہ دعا کرتے تھے کہ خدایا خدایا ! تا انقلاب مہدی خمینی را نگہدار!

اس وقت سے مسلمان اور خصوصا تعلیم یافتہ مسلمان یہ پوچھنے لگے کہ مہدی ع کی اصلیت کیا ہے ؟ کیا اسلامی عقائد میں مہدی کا واقعی وجود ہے یا یہ محض شیعوں کی من گھڑت ہے ۔

اگر چہ شیعہ علماء نے ہر دور میں مہدی سے متعلق کتابیں لکھی ہیں اور

----

(1):-شیوعیہ کے معنی ہیں میونزم۔

داد تحقیق دی ہے ۔ نیز شیعہ اور سنی علماء کو اکثر کانفرسوں وغیرہ میں ایک دوسرے سے ملنے اور عقائد سے متعلق مختلف مسئلوں پر فتو کرنے کا موقع ملتا رہتا ہے ، اس کے باوجود اہل سنت کے لیے یہ موضوع متنازعہ بنا ہوا ہے اس لیے کہ انہیں اس سے متعلق روایات سننے کا کم ہی اتفاق ہوتا ہے ۔

اسلامی عقائد میں مہدی منتظر ع کی حقیقت کیا ہے؟

اس بحث کے دوجزو ہیں :- پہلے جزو کا تعلق کتاب وسنت کے حوالے سے مہدی کی بحث سے ہے اور دوسرے کا تعلق مہدی کی زندگی ، ان کے غائب ہونے اور دوبارہ ظاہر ہونے سے ہے ۔

جہاں تک اس بحث کے پہلے جزو کا تعلق ہے ، شیعہ اورسنی دونوں کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ص نے مہدی کی بشارت دی ہے ۔ آپ نے اپنے اصحاب کو بتلایا ہے کہ اللہ تعالی مہدی کو آخری زمانے میں ظاہر کرے گا ۔ مہدی کی احادیث شیعہ اور اہل سنت دونوں کی بیشتر کتابوں میں ملتی ہیں ۔

میں اپنی عادت کے مطابق صرف ان روایات سے استدلال کروں گا جن کو اہل سنت صحیح اور معتبر سمجھتے ہیں ۔

سنن ابو داؤد میں ہے کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :اگر دنیا کا فقط ایک دن باقی رہ جائے تو ایک ہی دن کو اللہ تعالی اتنا طول دے گا کہ اس میں ایک شخص بھیجے گا جو میرا ہمنام ہوگا اور اس کی نیت میری نیت پر ہوگی ۔ وہ اس زمین کو عدل وانصاف سے اسی طرح بھردے گا جس طرح وہ ظلم وستم سے بھری ہوئی ہوں ۔(1)

ابن ماجہ میں ہے کہ

"رسول اللہ ص نے فرمایا : ہم اہل بیت کے لیے اللہ نے دنیا سے

----

(1):- سنن ابو داؤد جلد 2 صفحہ 422۔

زیادہ آخرت کو پسند کیا ہے ۔میرے بعد میرے اہل بیت ع کو سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا ، انہیں دھتکارا جائے گا ۔ پھر ایک قوم مشرق کی طرف سے آئے گی جس کے ساتھ کالے جھنڈے ہوں گے وہ لوگ بھلائی مانگیں گے مگر انہیں دی نہیں جائے گی۔ اس پر وہ لڑیں گے اور کامیاب ہونگے ۔پھر جو وہ مانگتے تھے اس کی انہیں پیشکش کی جائے گی مگر وہ قبول نہیں کریں گے ۔ آخر وہ (حکومت)میرے اہل بیت ع میں سے ایک شخص کے حوالے کردیں گے جو زمین کو جو ظلم سے بھری ہوئی ہوں ، انصاف سے بھردے گا ۔(1)

سنن ابن ماجہ میں ہے :

رسول اللہ نے فرمایا : مہدی ہم اہل بیت ع سے ہے ،

مہدی فاطمہ س کی اولاد سے ہو گا ۔

سنن ابن ماجہ ہی میں ہے کہ

" رسول اللہ ص نے فرمایا :میری امت میں مہدی ہو گا ۔ اس کا زمانہ اگر کم ہوا تو سات سال ورنہ نو سال ہوگا ۔ اس عرصے میں میری امت کو وہ آرام واطمینان ہوگا جو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا ہو گا ۔ غلہ کی اتنی فراوانی ہوں کہ ذخیرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوں ۔جو شخص مہدی سے کچھ مانگے گا وہ اسے مل جائے گا ۔(2)

صحیح ترمذی میں آیا ہے :

رسول اللہ ص نے فرمایا : ایک شخص میری امت میں سے حکمراں ہوگا ۔اس کا نام وہی ہوگا جو میرا نام ہے ۔ اگر قیامت آنے میں ایک دن بھی باقی ہوگا تو اللہ اس دن کو اتنا طویل

----

(1):-سنن ابن ماجہ حدیث نمبر 4082۔

(2):- سنن ابن ماجہ حدیث نمبر 4086۔

کردے گا کہ یہ شخص حمکراں ہوے گا ۔[1]

رسول اللہ ص نے فرمایا : دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہوں جب تک حو ت ایک عرب وکہ ۔ مل جائے ۃ میرے اہل بیت میں ہوگا اور جن کا نام میرے نام پر ہوگا ۔

صحیح بخاری میں ابو قتادہ انصاری کے آزاد کردہ غلام نافع سے روایت ہے کہ ان سے ابو ہریرہ نے کہا کہ :"رسول اللہ ص نے فرمایا : یسا ہوگا جب ابن مریم ع تم میں نازل ہوں گے اور تمہارے امام تم میں سے ہوں گے ۔[2]

قاضی ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ

اس بارے میں متواتر احادیث ہیں کہ اس امت میں مہدی ہوں گے ۔ اور عیسی بن مریم آسمان سے اتر کے آئیں گے اور مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں گے ۔[3]

ابن حجر مکی ہیثمی نے صواعق محرقہ میں لکھا ہے :

ظہور مہدی کی متواتر احادیث بکثرت آئی ہیں ۔[4]

صاحب غایۃ المامول کہتے ہیں کہ :

قدیم زمانے سے علماء میں یہ مشہور ہے کہ آخری زمانے میں اہل بیت ع میں ایک شخص کا ضرور ظہور ہوگا جے مہدی کہا جائے گا ۔ مہدی کی احادیث بہت سے صحابہ نے روایت کی ہیں اور اکابر محدثین نے انہیں اپنی کتابوں میں درج کیا ہے ، جیسے : ابو داؤد ،ترمذی ، ابن ماجہ،طبرانی ، ابو یعلی ، بزاز،

----

(1):- جامع ترمذی جلد 9 صفحہ 74- 75

(2):- صحیح بخاری جلد 4 صفحہ 143 باب نزول عیسی بن مریم س ۔

(3):- فتح الباری جلد 5 صفحہ 362

(4):- صواعق محرقہ جلد 2 صفحہ 211-

امام احمد بن حنبل ،حاکم ،وغیرہ ۔جس نے بھی مہدی سے متعلق تمام احادیث کو ضعیف کہا ہے وہ غلطی پر ہے ۔ عاصرین میں سے اخوان المسلمین کے مفتی سید سابق نے اپنی کتاب العقائد الاسلامیہ میں مہدی کی احادیث نقل کی ہیں ۔ ان کے نزدیک مہدی کا تصور اسلامی عقائد کا جزو ہے جس کی تصدیق واجب ہے ۔

شیعہ کتابوں میں بھی مہدی کی احادیث کثرت سے نقل کی گئی ہیں ۔یہ تک کہا گیا ہے کہ احادیث مہدی سے زیادہ کوئی حدیث رسول اللہ ص سے روایت نہیں کی گئی ہے ۔

محقق لطف اللہ صافی گلپائیگانی نے اپنی مفصل کتاب منتخب الاثر میں مہدی علیہ السلام کے متعلق ساٹھ سے زیادہ سنی ماخذوں سے نقل کی ہیں ، ان میں صحاح ستہ بھی شامل ہیں اور نوے سے زیادہ شیعہ ماخذوں سے نقل کی ہیں جن میں کتب اربعہ بھی شامل ہیں ۔[1]

----

(1):- اسلام میں مہدی پر اعتقاد کی جڑیں بہت گہری ہیں ۔بعض علماء نے اس عقیدے کو دین کے واجبات میں شمار کیا ہے ۔ مہدی کی خصوصیات اور شخصیت کے بارے میں اختلاف ہوسکتا ہے لیکن سب اس بات پر متفق ہیں کہ ان کے متعلق زیادہ تر روایات صحیح ہیں اور جو خوشخبری ان کے بارے میں دی گئی ہے وہ متواتر ہے ۔

اس سلسلے میں یہ امر دلچسپ اور قابل ذکر ہے کہ جیسا کہ مشہور مورخ طبری نے لکھا ہے :

" مہدی کی غیبت سے متعلق روایات شیعہ محدثین نے امام محمد باقر ع اور امام جعفر صادق ع کی زندگی ہی میں (یعنی ولادت مہدی ع سے 150 سال پہلے) اپنی کتابوں مین درج کردی تھی ۔ یہ امر بجائے خود ان روایات کی صحت کا منہ بولتا ثبوت ہے "۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں کئی مقامات پر مہدی کے بارے میں روایات بلاواسطہ نقل کی گئی ہیں ۔اور اسی قبیل کی تقریباً پچاس احادیث دوسری معروف تالیفات میں بھی درج ہیں ،جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں :

دوسری بحث مہدی کی ولادت ، ان کی زندگی ، ان کی غیبت اور ان کی عدم وفات سے متعلق ہے ۔

یہاں بھی علمائے اہل سنت کی ایک خاص بڑی تعداد یہ مانتی ہے کہ مہدی ، محمد بن الحسن العسکری ہیں جو ائمہ اہل بیت ع میں سے بارہویں امام ہیں وہ زندہ موجود ہیں اور آخری زمانے میں ظاہر ہوکر زمین کو عدل وانصاف سے بھردیں گے ۔ ان سے دین کو کامیابی حاصل ہوگی ۔ یہ علمائے اہل سنت اس طرح شیعہ امامیہ کے اقوال کی تائید کرتے ہیں ۔ ان میں سے بعض علماء کے نام یہ ہیں :

(1):- محی الدین ابن عربی سنہ 638 ھ فتوحات مکیہ ۔(2):-سبط ابن جوزی سنہ 654ھ تذکرۃ الخواص ۔

(3):- عبدالوہاب شعرانی مصری سنہ 976 ھ عقائد الاکابر ۔(4) ابن خشاب سنہ ۔ تواریخ موالید الائمہ ووفیاتھم ۔

(5):- محمد بخاری حنفی سنہ ۔ فصل الخطاب

جامع ترمذی ، سنن ابن ماجہ ، سنن ابو داؤد ، مسند احمد بن حنبل ، معجم طبرانی ، طبقات ابن سعد ، مستدرک حاکم ، صواعق محرقہ ، منہاج النبویہ ، ینابیع المودۃ ، دلائل النبوۃ ، فتوحات مکیہ ، الملاحم ، تاریخ بغداد اور کتاب الفتن ۔

ان معتبر مآخذ میں رسول اکرم ص سے تقریبا پچاس ایسی احادیث نقل کی گئی ہیں جن میں یوم قیامت سے پیشتر مہدی کے ظہور کے بارے میں واضح پیشین گوئی کی گئی ہے ۔ ان میں سے بیشتر احادیث صحیح ہیں اور ان کو 33 معروف صحابیوں اور صحابیات نے آنحضرت ص سے بلاواسطہ نقل کیا ہے جن میں سے چند یہ ہیں :

امام علی ع۔ امام حسین ع۔ ابو سعید خدری ۔ عبداللہ بن مسعود۔ ثوبان ۔ابو ہریرہ ۔ طلحہ بن مالک ۔ جبیر بن عبداللہ ۔ عثمان بن عفان ۔ عوف بن مالک ۔طلحہ بن عبیداللہ ۔ حذیفہ بن یمان ۔ عمران بن حصین ۔ عبداللہ بن عمر ۔ ام سلمہ ۔ ام حبیبہ ۔عائشہ ۔ عبدالرحمان بن عوف ۔ ابو ایوب انصاری ۔ عباس بن عبدالمطلب ۔ ابن عباس اور عمار یاسر ۔(ناشر)

(6):- احمد بن ابراہیم بلاذری سنہ احدیث المتسلسل ۔(7):- ابن ا باغ المالکی سنہ 855ھ الفصول المہمہ ۔

(8):- العارف عبدالرحمان سنہ ۔ مرآۃ الاسرار۔ (9):- کمال الدین محمد بن طلحہ شافعی سنہ 652ھ مطالب السؤل فی مناقب آل رسول ع ۔(10):- سلیمان ابراہیم قندوزی حنفی سنہ 1294 ھ ینابیع المودۃ ۔

اگر کوئی شخص متتبع اور تحقیق سے کام لے تو ایسے علماء کی تعداد جو مہدی ع کی ولادت ، اور ان کے اس وقت تک زندہ باقی رہنے میں یقین رکھتے ہیں جب تک ان کا ظاہر ہونا اللہ کو منظور نہ ہو ۔ اس سے کئی گناہ بڑھ جائے گی۔ اس کے بعد صرف وہ اہل سنت باقی رہ جاتے ہیں جو احادیث کی صحت کا اعتراف کرنے کے باوجود مہدی کی ولادت اور ان کے زندہ باقی رہنے کا انکار کرتے ہیں ، ان کا یہ انکار دوسروں پر حجت نہیں ، کیونکہ ان کا ان باتوں سے انکار اور ان کو مستبعد سمجھنے کی وجہ محض ضد اور تعصب ہے ورنہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ۔ قرآن کریم کسی ایسے امر کی نفی نہیں کرتا بلکہ خود اللہ نے متعدد مثالیں بیان کی ہیں تاکہ جمود کا شکار لوگ آزادی سے سوچ سکیں اور اپنی عقل کی باگ ذرا ڈھیلی چھوڑ دیں تاکہ انہیں یقین آجائے اور وہ مان لیں کہ اللہ تعالی نے متعدد معجزات اپنے پیغمبروں کے واسطے سے دکھائے ہیں تاکہ معاندین صرف ان چیزوں کے ساتھ نہ چمٹے رہیں جو ان کی محدود اور ناقص عقلوں کے مطابق ممکن الوقوع ہیں یا وہ ایسے واقعات ہیں جو عام طور پر ہوتے رہتے ہیں ۔

لیکن !

<>وہ مسلمان جس کا دل نور ایمان سے روشن ہے اسے اس پر حیرت نہیں ہوتی کہ اللہ نے عزیر کو سو سال تک مردہ رکھنے کے بعد پھر زندہ کر دیا ۔ حضرت عزیر نے اپنی کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھا تو وہ ابھی خراب نہیں ہوئی تھیں ۔ اپنے گدھے کو دیکھا تو اللہ نے اسی کی ہڈیاں درست کردیں اور ان پر گوشت چڑھا دیا ۔ گدھا دوبارہ ویسا ہی ہو گیا جیسا پہلے تھا ۔حالانکہ اس کی ہڈیاں گل سڑ چکی تھیں۔حضرت عزیر ع نے یہ سب دیکھ کر کہا : میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۔

دیکھیے ! تنی جلدی حضرت عزیر کے خیالات بدل گئے۔ابھی تو اجڑی ہوئی بستی کو دیکھ کر انھوں نے حیرت سے کہا تھا کہ اسے موت کے بعد اللہ کیسے زندہ کرے گا ؟

<>جو مسلمان قرآن کریم میں یقین رکھتا ہے اسے اس بات پر کوئی حیرانی نہیں کہ حضرت ابراہیم نے پرندوں کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے ان کے اجزا پہاڑوں پر بکھیر دیے اور پھر جب ان کو بلایا تو وہ دوڑتے ہوئے آگئے ۔

<>وہ ایمان مسلمان جے اس پر کوئی حیرانی نہیں کہ جب حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالا گیا ، تو وہ آگ ٹھنڈی ہو ئی ۔ اور اس نے حضرت ابراہیم کو نہ جلایا اور نہ کوئی ضرر پہنچایا ۔

<>وہ باایمان مسلمان جے ان پر کوئی حیرانی نہیں کہ حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور وہ ابھی زندہ ہیں اور ایک نہ ایک دن زمین پر واپس آئیں گے ۔

<>وہ باایمان مسلمان جے اس پر کوئی حیرانی نہیں کہ حضرت عیسیٰ ع مردوں کو زندہ کردیتے تھے اور پیدائشی بروص اور اندھے کو اچھا کردیتے تھے ۔

<>وہ باایمان مسلمان جے اس پر کوئی حیرانی نہیں کہ حضرت موسیٰ ع اور بنی اسرائیل کے لئے سمندر پھٹ گیا تھا اور یہ لوگ اسے کے بیچ میں سے اس طرح گزر گئے تھے کہ ان کے بدن بھی گیلے نہیں ہوئے تھے۔حضرت موسیٰ ع کا عصا سانپ بن گیا تھا اور دریائے نیل کا پانی خون میں تبدیل ہوگیا تھا ۔

<>وہ باایمان مسلمان جے اس پر تعجب نہیں کہ حضرت سلیمان پرندوں ، جنوں اور چیونٹیوں سے باتیں کیا کرتے تھے ، ان کا تخت ہوا پر اڑتا تھا اور وہ لمحوں میں ملکہ بلقیس کا تخت منگو لیتے تھے ۔

<>وہ باایمان مسلمان جس اس پر تعجب نہیں کہ حضرت خضر ع ،جن کی ملاقات حضرت موسیٰ ع سے ہوئی تھی زندہ سلامت ہیں ۔

<>وہ باایمان مسلمان جسے اس پر تعجب نہیں کہ ابلیس ملعون زندہ ہے حالانکہ وہ حضرت آدم سے بھی پہلے کی مخلوق ہے اور ساری انسانیت اس کی آنکھوں کے سامنے سے گزری اور وہ ہر موڑ پر اس کے ساتھ رہا ہے ۔ وہ خود پوشیدہ ہے ۔ ان کی بد اعمالیوں سے سب واقف ہیں نہ کسی نے اس کو دیکھا ہے اور نہ کوئی دیکھے گا ۔ وہ اور اس کے چیلے چانٹے سب لوگوں کو دیکھتے ہیں مگر ان کو کوئی نہیں دیکھتا ۔

<>پس جو مسلمان ان سب باتوں پر یقین رکھتا ہے اور ان کے وقوع پذیر ہونے پر اسے کوئی حیرانی نہیں ہوتی ، اس کے لیے اس میں کیا تعجب کی بات ہے کہ مہدی ایک عرصے تک اللہ تعالی کی کسی مصلحت کی وجہ سے پوشیدہ رہیں ؟

جن واقعات کا ہم نے ذکر کیا ہے اس سے کئی گنا زیادہ غیر معمولی واقعات قرآن میں مذکور ہیں ۔ یہ خارق العادت واقعات عام طور پر نہیں ہوتے نہ لوگ ان سے مانوس ہیں بلکہ سب لوگ مل کر بھی چاہیں تو اس قسم کے واقعات پر قادر نہیں ہوسکتے ۔ یہ سب اللہ کے اپنے کیے ہوئے کام ہیں اور اللہ کو کوئی چیز زمین میں ہو یا آسمان میں کسی کام کے کرنے سے نہیں روک سکتی ۔ مسلمان ان باتوں کی تصدیق کرتے ہیں کیونکہ قرآن میں جو کچھ آیا ہے مسلمان اس پر بغیر کسی استثناء یا ذہنی تحفظ کے ایمان لاتے ہیں ۔

اس کے علاوہ ، مہدی سے متعلق امور سے شیعہ زیادہ واقف ہیں کیونکہ مہدی ان کے امام ہیں اور شیعہ ان کے اور ان کے آباء واجداد کے ساتھ رہے ہیں ، مثل مشہور ہے کہ :

"أهل مكّة أدرى بشعابها"

مکے کی راہوں کو اہل مکہ سے بڑھ کوئی نہیں جانتا ۔ شیعہ اپنے ائمہ کا احترام اور تعظیم کرتے ہیں ۔انھوں نے اپنے ائمہ کی قبروں کو پختہ اور شاندار بنایا ہے جو زیارت گاہ خلائق ہیں اگر بارہویں امام حضرت مہدی علیہ السلام کی وفات ، ہوچکی ہوتی تو آج ان کی قبر بھی مشہور ہوتی ۔ شیعہ یہ کہہ سکتے تھے کہ وہ مرنے کے بعد پھر زندہ ہوں گے ۔ کیونکہ دوبارہ زندہ ہونا ممکن ہے

.یسا کہ قرآن میں متعدد ایسے واقعات کاذکر ہے ۔ اور شیعہ تورجعت کے بھی قائل ہیں ۔

لیکن شیعہ من گھڑت اور فضول باتیں نہیں کرتے، ہوائی باتیں باندھتے ہیں جو خیال دنیا میں رہتے ہیں ،.یسا کہ ان کے متعصب دشمن سمجھتے ہیں ۔ اس لیے ان کا اصرار اس پر ہے کہ امام مہدی علیہ السلام زندہ ہیں ، ان کو اللہ کی طرف سے رزق ملتا ہے ، وہ اللہ کی کسی مصلحت کے تحت پوشیدہ ہیں ۔ ممکن ہے کہ راسخون فی العلم کو یہ مصلحت معلوم بھی ہو ۔ شیعہ اپنی دعاؤں میں کہتے ہیں :

"عجّل الله تعالى فرجه"

کیونکہ مہدی کے ظہور سے مسلماوں کی عزت وحرمت ،کامیابی وکامرانی اور صلاح وفلاح وابستہ ہے ۔

امام مہدی علیہ السلام کے بارےمیں شیعہ سنی ، اختلاف کوئی ٹھوس اور حقیقی اختلاف نہیں ہے کیونکہ اہل سنت کا بھی عقیدہ ہے کہ امام مہدی آخری زمانے میں ظاہر ہوں گے ، زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے ۔ حضرت عیسی علیہ السلام ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے ، ان کے دور میں مسلمان تمام روئے زمین کے مالک ہوں گے خوشحالی عام ہوں اور کوئی غریب نہیں رہے گا ۔

اختلاف فقط اس میں ہے کہ شیعہ کہتے ہیں کہ ان کی ولادت ہوچکی ہے جبکہ اہل سنت کہتے ہیں کہ وہ ابھی پیداہوں گے ۔[1]لیکن اس بات پر فریقین کا اتفاق ہے کہ ان کا ظہور قیامت کے قریب ہوگا اس لیے مسلمان میں اتحاد واتفاق پیدا کرنے اور پرانے زخموں پر مرہم رکھنے کے لیے سب مسلماوں کو چاہے کہ مل کر کیا شیعہ کیاسنی خلوص سےاپنی دعاؤں اور نمازی میں اللہ تعالی سے التجاء کریں کہ وہ امام مہدی ع کے ظہور جلدی فرمائے :

----

(1):- یہ اسی خیال کا شاخسانہ تھا کہ انڈونیشی خاتون زہرہ فونا مہدی کی وارہ ہونے کا ڈرامہ رچایا ۔ اور یہ کہ متعدد لوگوں نے مختلف زمانے میں "مہدویت " کا جھوٹا دعوی کیا ۔(ناشر)

کیونکہ ان کے ظہور میں اسلام اور مسلمانوں کی عزت ہے اور ان کے خروج سے ا ت محمدیہ کی کامیابی وخوشحالی وابستہ ہے ۔

بلکہ پوری انسانیت کی بھلائی اسی میں ہے کہ مہدی اکر زمین کو عدل وا ف سے بھردیں ۔

سب مسلمان کیا سنی اور کیا شیہ ۔ اام مہدی ع کے آنے پر یقین رھتے ہیں ۔خواہ اہل سنت کے قول کے بموجب ہو پیدا ہوں یا شیوں کے کہنے کے ابق وہ غائب رہنے کے ر ظاہر ہوں ۔

اہم ۔ بات یہ ہے کہ یہ کوئی فر نی اور خیالی قصہ نہیں ہے ۔ یسا کہ بعض شرپسند ظاہرکرناچاہتے ہیں ، بلکہ مہدی کی شخصیت ایک حقیقی شخصیت ہے جس کی بشارت رسول اللہ ص نے دی ہے اور جواب پوری انسانیت کاخواب بن ئ ہے ۔

مسلمانوں کے علاوہ یہ عیسائیوں اوریہودیوں کا بھی عقیدہ ہے کہ ایک منجی یا نجات دہندہ آئیگا جو دنیا کی اصلاح کرے گا ۔ اس نجات دہندہ کےیہود وز اری بھ منتظر ہیں ، اسی لیے مہدی کے دادا نبی اکرم لی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکا ۔ام "مہدی منتظر " ر ا ہے ۔

اے اللہ ! سب مسلمانوں کو خیر وتقوی کی توفیق دے ، ان کو صفوں مین اتحاد اور دلوں میں اتفاق پیدا کر، ان کی خرابیوں کی اصلاح کر ، اور انہیں دشمنوں کے قابے میں کامیابی ع ا کر ۔

ائمہ کی محبت میں غلو

یہاں غلوّ سے مرادا حق کو چھوڑ کر اپنی خوا شات کا اتباع کرنا اور محبوب کو معبود بنالینا نہیں ، ایساکرنا تو کفر وشرک ہے جس کا کوئی مسلمان جو اسلام کے پیغام اور حضرت محمد ص کی رسالت پر یقین رھتا ہو قائل نہیں ہوسکتا ۔

رسول اللہ ص نے محبت کی حدود قررکردی تیں جب آپ نے اام علی علیہ ا لام سے فرمایا تھا کہ :

"هلك فيك اثنان محبٌّ غالٍ ومبغضٌ قالٍ".

تمہارے بارے میں اپنے خیال کی بنا پر دو طرح کے لوگ ہلاک ہوجائیں گے ، ایک حد سے زیادہ محبت کرنے والا اور دوسرا حد سے زیادہ بغض رکھنے والا ۔

رسول اللہ کا ایک اور قول ہے :

"يا علي إنّ فيك مثلاً مّن عيسى بن مريم أبغضته اليهود حتى بهتوا أُمّه وأحبّه النصارى حتّى أنزلوه بالمنزلة الّتي ليس بها ."

اے علی ع ! تمہاری مثال عیسی بن مریم ع کی سی ہے ۔ یہودی ان سے اتنا بغض رکھتے تھے کہ ان کی والدہ پر بہتان باندھتے تھے ۔ اور عیسائیوں نے ان سے ایسی محبت کی کہ انہیں اس درجے پر پہنچا دیا جس درجے پر وہ نہیں تھے ۔[1]

غلو یہ ہے کہ محبت کسی پر اس طرح چھا جائے کہ وہ محبوب کو معبود بنا دے اور اس کو وہ درجہ دے دے جس کا اس سے کوئی تعلق نہیں یا بغض اس قدر غالب آجائے کہ بہتان باندھنے اور جھوٹے اتہام لگانے لگے ۔

شیعوں نے علی ع اور اولاد علی میں سے ائمہ کی محبت میں غلو نہیں کیا بلکہ انہیں وہی درجہ دیا جو رسول اللہ ص نے دیا تھا ۔یعنی یہ کہ وہ آپ کے وصی اور خلیفہ تھے ۔ الوہیت تو کجا کوئی شیعہ ائمہ کی نبوت کا بھی قائل نہیں ۔ تہمت اندازوں کو چھوڑ جو یہ تک کہتے ہیں کہ "شیعہ تو علی کو خدا مانتے ہیں " [2]اگر یہ صحیح ہے

----

(1):-مستدرک حاکم جلد 3 صفحہ 123۔ حافظ ابن عساکر تاریخ دمشق جلد 2 صفحہ 234۔ امام نسائی ،خصائص امیرالمومنین ۔ امام بخاری تاریخ کبیر جلد 2 صفحہ 281 ۔حافظ سیوطی تاریخ الخلفاء صفحہ 173 ۔ محب طبری ذخائر العقبی صفحہ 92۔ابن حجر صواعق محرقہ صفحہ 84۔

(2):- یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کو یہ بتادیا جائے کہ جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسی ابن مریم ع کی شخصیت کو اور یہودیوں نے حضرت عزیر کی شخصیت کو ایک سماوی جوہر بنادیا تھا اسی طرح مسلمانوں میں سے کچھ بد عقیدہ لوگوں نے حضرت علی ع کو خدائی کے درجے تک پہنچادیا تھا ۔ انسان کو خدا بنانے کا

کہ کچھ لوگ واقعی ایسا مانتے ہیں تو ان کا تعلّق نہ شیعوں سے ہے نہ خوارج سے۔ بہر حال یہ شیعوں کا تصور نہیں کہ قرآن کہتا ہے :

"قُلْ لا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْراً اِلاَّ الموَدَّةَ فِي الْقُربى"

اے رسول ! اپنی امت سے کہہ دیجیے کہ میں تم سے اپنی رسالت کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتا بجز اپنے قرابت داروں سے مودت کے یاد رہے کہ مودت کا درجہ محبت سے بڑھ کر ہے ۔ مودت کا تقاضا یہ ہے کہ دوسرے کے لیے کچھ قربانی دی جائے ۔

یہ عمل حضرت علی ع تک محدود نہ تھا، ان کے جانشینوں کو بھی خدائی کا رتبہ دے دیا گیا تھا ۔ ایسے بدعقیدہ لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام ہشتم امام علی بن موسی رضا اپنی دعائیں فرماتے ہیں :

خدایا ! میں بیزار ہوں ان لوگوں سے جو ہمارے لیے ایسی بات کہتے ہیں جس کے ہم سزاوار نہیں ۔ اور میں بیزار ہوں ان لوگوں سے جو ہم سے ایسی بات منسوب کرتے ہیں جو ہم نے کبھی کہی ہی نہیں

خدایا !زندگی اور موت دینا تجھ سے مخصوص ہے اور روزی رساں بھی صرف تو ہے ۔ میں تو فقط تیری عبادت کرتا ہوں اور تجھی سے مدد مانگتا ہوں ۔ تو ہی میرا ،میرے آباء واجداد کا اور میری اولاد کا خالق ہے اور ربوبیت تیرے سوا کسی اور کو زیبا نہیں "۔

پس جاننا چاہیے کہ جن لوگوں نے عبد کو معبود بنادیا انھوں نے عبد سے محبّت مین غلو کیا جو کفر کی حدوں میں آتا ہے ، جیسا کہ حضرت امیرالمومنین ع کا قول ہے ،آپ فرماتے ہیں :

"کفر ان چار ستونوں پر قائم ہے : گناہ ۔ شک ۔ شبہ اور ۔ غلو ۔"

علامہ مجلسی رح فرماتے ہیں:

<>جو شخص یہ مانے کہ اللہ نے حضرت محمد مصطفی ص اور ان کے اولیاء باصفاء کو خلق فرمایا اور پھر ساری مخلوق کی خلقت اور تربیت ان کو سونپ دی "۔وہ غالی ہے۔

اس میں شیعوں کی کیا خطا اگر رسول اللہ ص نے فرمایا ہے کہ

"علی ع! تم دنیا میں بھی سردار ہو اورآخرت میں بھی سردار ہو، جس نے تم سے محبّت کی، اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے تم سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ تمہارا دوست اللہ کا دوست ہے اور تمہارا دشمن اللہ کا دشمن ہے۔ خرابی اس کی ہے جو تم سے دشمنی رکھے! "(مستدرک حاکم جلد 3 ۔حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث علی اشرط الشیخین صحیح ہے ۔ینابیع المودۃ ۔الریاض النضرۃ جلد 2 صفحہ 185)

<>شیخ مفید فرماتے ہیں :

"جو شخص حضرت امیرالمومنین ع یا آپ کی اولاد میں سے کسی امام کو خدا یا نبی مانے وہ غالی ہے"۔

<>شیخ صدوق فرماتے ہیں :

"غلات (جمع ہے غالی کی) یہودیوں اور نصرانیوں سے بد تر اور کافر ہیں"

غالی فرقوں میں سے (جن کا ذکر شہرستانی نے الملل والنحل میں ، نوبختی نے فرق الشیعہ میں اور مقریزی نے خطط میں کیا ہے) اکثر ٹوٹ گئے ہیں مگر کچھ اب بھی کسی نہ کسی شکل میں اور کہیں نہ کہیں باقی ہیں ۔ انھوں نے ائمہ اہل بیت ع سے محبت وعقیدت ہی میں جوش اور مبالغے سے کام نہیں لیا بلکہ بہت سے ایسے عقائد بھی اختیار کر لیے جن کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ تناسخ اور حلول وغیرہ ۔ حتی کہ بعض نے تو حلال حرام کی تمییز ہی اڑادی اور حشر نشر کا بھی انکار کردیا ۔

غالیوں کا ایک فرقہ نمیری ہے جو محمد بن نصیر نمیری کی طرف منسوب ہے ۔ یہ شخص حضرت امام حسن عسکری ع کا صحابی تھا، بعد میں آپ کی امامت کا منکر ہوگیا ۔ اور اپنی امامت کا دعوی کر بیٹھا ۔نمیری فرقہ آج بھی غالبا ملک شام کے شمالی اطراف میں آباد ہے ۔یہ فرقہ حضرت علی ع کی خدائی کا قائل ہے ۔ اس کے علاوہ ترکی کا تختابی فرقہ اور ترکستان کا علی الٰھی فرقہ بھی آپ کی خدائی کے معتقد ہیں ۔واللہ اعلم

رسو ل اللہ ص نے یہ بھی فرمایا :

علی ع سے محبت ایمان ہے اور علی ع سے بغض نفاق ہے ۔ (صحیح مسلم جز 1 صفحہ 48 ۔کنز العمال جز 15 صفحہ 105)

آپ نے یہ بھی فرمایا :

"جو شخص آخر دم تک آل محمد کی محبّت پر قائم رہا وہ شہید مرا ۔یاد رکھوں جو آل محمد کی محبت پر مرا اس کی بخشش ہو ئ ،

یاد رکھو جو آل محمد ص کی محبت پر مرا ہو گیا سب گناہوں سے توبہ کرکے مرا

شہرستانی الملل والنحل میں لکھتے ہیں کہ :

ایک غالی فرقہ دعوی کرتا تھا کہ حضرت علی ع قتل نہیں ہوئے ہیں ، وہ اب بھی زندہ ہیں ۔ ایک اور دیو مالائی تصورات رکھنے والا فرقہ کہتا تھا کہ بادل حضرت علی کی دیولوک ہے ۔ یہ بادلوں کی گرج اور بجلی کی چمک آپ ہی کی آواز ہے "۔

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں کہ

"ایک شخص مغیرہ بن سعید کہا کرتا تھا کہ حضرت علی ع اگر چاہیں تو عاد وثمود ارو ان دونوں قوموں کے درمیان کی صدیوں کے سب لوگوں کوزندہ کردیں "۔

غلات کے ایسے باطل عقائد کی بنا پر ائمہ اہل بیت ع میں سے حضرت امام محمد باقر ع حضرت امام جعفر صادق ع ، حضرت امام علی نقی اور حضرت امام حسن عسکری علیہم السلام نے ان سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کیا بلکہ ان پر بار لعنت کی اور اپنے اصحاب سے بھی لعنت کرنے کو کہا ۔

پس یہ کہنا صحیح ہے کہ غالیوں کا شیعہ اثنا عشریوں سے قطعا کوئی تعلق نہیں اور ان کے اقوال وعقائد کی وجہ سے ان پر اعتراض کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے کیونکہ شیعہ اپنے محبوب کو معبود نہیں کہتے ، بلکہ ان کے لیے وہ کچھ کہتے اور مانتے ہیں جو ان کا حق ہے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول ص نے ان کے مناقب میں کہا ہے ۔مختصر یہ کہ ائمہ اہل بیت ع کای ولایت شیعوں کی شناخت ہے کیونکہ :

ائمہ اہل بیت ع اللہ کی حجت اور رسول اللہ ص کی ذریت ہیں ۔ یہ نفوس قدسیہ درود میں رسول اللہ ص کے ساتھ شامل ہیں ۔ یہ ساری امت سے افضل اور ممتاز ہیں کیونکہ رسول اللہ ص انہیں کو

یاد رکھو جو آل محمد ع کی محبت پرمرا وہ کامل الایمان مرا ۔ یاد رکھو جو آل محمدص کی محبت پر مرا اسے موت کا فرشتہ جنت کی بشارت دے گا۔ (تفسیر ثعلبی، تفسیر زمخشری ، تفسیر خزارین رازی)

اس میں شیعوں کی کیا خطا اگر وہ ایسے شخص سے محبت کرتے ہیں جس کے بارے میں رسول اللہ ص نے فرمایا :

ل میں علم ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول ص سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول ص کو اس سے

مباہلہ میں لے کر گئے تھے ۔ یہ اصحاب کساء اورآیہ تطہیر کا مصداق ہیں ۔ انہیں کے بارے میں رسول اللہ ص نے کہا تھا کہ ان کا دوست میرا دوست ہے اور ان کا دشمن میرا دشمن ہے ۔ انہیں کی شان میں سورہ کوثر بھی اتری ۔ اور سورہ ہل اتی بھی اتری ۔ یہی رسول اللہ ص کے وہ قرابت دار ہیں جن کی مودت کو اللہ نے واجب کیا ہے ۔ یہی ائمہ قرآن کے ترجمان اور رسالت کے پاسبان ہیں اور یہی ائمہ انسانیت کے لیے ملجاوماوی ہیں ۔

ائمہ اہل بیت ع رسول اللہ ص کے بعد دین کی تبلیغ میں مصروف رہے کیونکہ رسول اللہ ص نے انہیں اپنی مثیت میں قراردیا تھا ۔ انھوں نے ہمیں دنیا کو عبادت کاڈھنگ اور دعاء کا آہنگ سکھایا اور حلال وحرام سمجھایا ۔ یہی خانوادہ رسالت شریعت کا امین ہے اور اس نے شریعت کی بدعت سے ... انہیں کی محنتوں اورقربانیوں کے صدقے میں باقی ہیں ۔ انہیں میں باب مدینہ علی ہیں اور انہیں میں باب احواج ہیں ۔ انکا نام امیدی اور مایوسی میں مژدہ جانفزا ہے ۔ انہیں کے توسل سے دعائیں مستجاب ہوتی ہیں اور انہیں کی شفاعت باریاب ہوتی ہوئی کیونکہ انہیں اذن شفاعت دیا گیا ہے ۔

ائمہ اہل بیت ع ہی اولی الامر ہیں اور راسخون فی العلم ہیں ۔ یہی لوگ تو ہدایت یافتہ اور ہدایت کرنے والے ہیں۔ یہی نجات کا سفینہ اور علوم ربانی کا خزینہ ہیں ۔ یہی لوگ توہیں جن کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور جن کی مخالفت اللہ کی مخالفت ہے ۔ کیونکہ یہ اللہ کے پسندیدہ اور برگزیدہ بندے ہیں ۔ انہیں کے سرورسردار حضرت علی ع کو قرآن نے تاج ولایت پہنایا ہے ۔ اور رسول اللہ ص نے ان کی ولایت کبری کو اللہ کا حکم بتایا ہے ۔

محبت ہے ۔ (صحیح مسلم جز 4)

علو ہوا کہ جس کو علی محبوب ہے وہ اللہ اور اس کے رسول ص کو محبوب ہے اور وہ مومن ہے ۔ اور جس کو علی ع ناپسند ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کو ناپسند ہے اور وہ منافق ہے ۔

امام شافعی نے حب اہل بیت ع کے بارے میں کہا ہے :

"یا أهل بیت رسول الله حبّکم
فرضٌ مّن الله فی القرأن أنزله

اے اہل بیت رسول ص ! تمہاری محبت اللہ نے قرآن میں فرض کی ہے

"کفاکم من عظیم القدرانکم
من لم یصل علیکم لاصلواة له

تمہاری فضیلت کے بیان میں اتنا ہی کافی ہے کہ جس نے نماز میں تم پر درود نہیں پڑھا اس کی نماز نہیں ہوئی ۔

کون ہے جو اس سے انکار کرے کہ

حضرت علی ع سید المسلمین ہیں ،امیرالمومنین ہیں ، امام المتقین ہیں قائد الغر المحجلین ہیں نیز یہ کہ آپ ہی بت شکن ، خیبر شکن اور ضرب اریں ہیں ۔ لیلۃ المبیت آپ نے بستر رسول ص پر سوکر جانثاری کی اعلی مثال قائم کی ۔

حضرت علی ع نہج البلاغہ میں ائمہ اہلبیت کا تعارف کراتے ہوئے فرماتے ہیں :

اس امت میں کسی کو آل محمد ص پر قیاس نہیں کیا جاسکتا ۔یہ دین کی بنیاد اور یقین کے ستون ہیں ۔ حق ولایت کی خصوصیات انہیں کے لیے ہیں اور یہی رسول اللہ کے وصی اور وارث ہیں "

بلاشبہ حضرت علی علم رسول ص کے وارث ہیں کیونکہ رسول اللہ ص نے فرمایا تھا:"

أنا مدینة العلم وعليٌّ بابها . اورخود حضرت علی ع فرماتے ہیں :

لقد علّمنی رسول الله صلّی الله علیه وآله ألف بابٍ یفتح ألف بابٍ .ایک موقع پر آپ نے اپنے سینہ

فرزدق اپنے مشہور قصیدہ میمیہ میں حب اہل بیت ع کے بارے میں کہتا ہے :

"من مّعشرٍ حبّهم دينٌ وّ بعضهم

كفرٌ وّقرّبهم منجىٌ وّمعتصمُ

ان کا تعلق اس خاندان سے ہے جس سے محبت رکھنا دین ہے اور جس سے بغض کفر ہے اورجس سے قرب میں نجات اورپناہ ہے -

إنّ عدّأهلُ التّقى كانوا أئمّتهم

أو قيل من خيرُ أهل الأرض قيل هم

اگر اہل تقوی کا شمار کیا جائے تو یہ ان کے امام ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ زمین پر بسنے والوں میں سب سے بہتر کون ہے ؟

تو کہاجائے گا : یہی تو ہیں :

شیعہ اللہ اور اس کے رسول ص سے محبت کرتے ہیں اور اسی محبت کی وجہ سے

مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا :

إنّ ههنا لعلماً جمّاً.

ایک دوسرے موقع پر آپ نے کہا :

سلوني قبل أن تفقدوني

اور ایک بار آپ نے فرمایا تھا :

میں زمین کے راستوں سے زیادہ آسمان کے راستوں سے واقف ہوں "۔یہ بھی آپ ہی نے کہا تھا کہ :

"اگر میں مسند قضاوت پر بیٹھوں تو اہل تورات میں تورات سے ، اہل انجیل میں انجیل سے اور اہل قرآن میں قرآن سے فیصلہ کروں "۔

آپ کی اعلمیت کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت عمر نے کہا تھا :" لولا عليٌّ لّهلك عمرُ.

آپ کی علمیت کے متعلق ہم یہ تو نہیں کہتے کہ آپ اکان وایکون کا سارا علم

اور ان کو بےجا طور پر ترس سمجھتے ہیں ۔ بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ رد عمل ہے اس کا کہ شیعہ سب صحابہ کی عدالت کے قائل نہیں ۔

چنانچہ امویوں کی یہ پالیسی تھی کہ وہ صحابہ کی شان بڑھاتے تھے اور اہل بیت نبوی کا درجہ گھٹاتے تھے ، حتیٰ کہ محمد و آل محمد ص پر درود میں بھی ، علی اصحابہ اجمعین کا اضافہ کردیتے ہیں ۔ کیونکہ درود اہل بیت کی ایسی فضیلت ہے جس میں اگلے پچھلوں میں سے کوئی بھی ان کا شریک و سہیم نہیں بنی امیہ چاہتے تھے کہ صحابہ کو بھی اس بلند درجے تک پہنچادیں ۔ وہ یہ نظر انداز کر جاتے تھے کہ اللہ سبحانہ نے سب مسلمانوں کو جن میں صحابہ کو بھی بدرجہ اولی شامل تھے حکم دیا ہے کہ " محمد ، علی ، فاطمہ اور حسنین ع پر درود بھیجیں ، اور جس نے ان پر درود نہیں بھیجا اور فقط محمد ص اکتفاء کیا ، (1)،اس کی نماز قبول نہیں ہوں ،جیسا کہ صحیح بخاری اور مسلم سے ثابت ہے ۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اہل سنت صحابہ کے بارے میں غلو کرتے ہیں ، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل سنت معقول حد سے تجاوز کرکے سب صحابہ کی عدالت کے قائل ہیں ۔

اہل سنت کا غلو اس وقت ظاہر ہوجاتا ہے جب وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ص غلطی کرتے تھے جس کی اصلاح کوئی صحابی کرتے تھے ،یا وہ یہ کہتے ہیں کہ شیطان

----

(1):- حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن عاص بن وائل سہمی نے آپ کو ابتر یعنی بے اولاد ہونے کا طعنہ دیا تو خداوند عالم نے آپ کو کوثر (آل محمد) عطا فرمایا اور آپ کے دشمن کی نسل کو ،جس پر اسے گھمنڈ تھا ختم کردیا ۔ اس لیے آنحضرت ص نے فرمایا : مجھ پر صلوات بتراء نہ بھیجو ۔ پوچھا گیا :یا رسول اللہ ! صلوات بتراء کیا ہے ؟ فرمایا :

"اللهمّ صلّ على محمّد " کہہ کر رک جانا ۔ لہذا مجھ پر ایسا درود نہ بھیجو بلکہ کہو : " اللهمّ صلّ على محمّدوّآل محمّد.(صواعق محرقہ)

پس "صلّى الله عليه وسلّم . نصلّي على رسوله الكريم , صلّى الله عليك وبارك وسلّم و أللهمّ صلّ على محمّدٍ النبيّ الأُميّ "

وغیرہ کہنا سب صلوات بتراء کے ذیل میں آتا ہے ۔(ناشر)

رسول اللہ ص کی موجود ں میں تو ہنستا ھیلتا رہتا تھا لیکن ابن اخ اب کو دیکھ کر اگ جاتا تھا ۔

غلو اور بھی زیادہ واضح ہوجاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اہل سنت رسول اللہ ص کی سنت کو چھوڑ کر صحابہ خصوصا خلفائے راشدین کی سنت کا اتباع کرتے ہیں

<><><>

قارئین محترم !

حق باطل اور ہدایت وضلالت کے دوراہے پر کھڑے ہوئے لوگوں کو ڈاکٹر تیجانی نے اپنی اس کتاب میں ایک راہ دکھادی ہے ۔ اب یہ حقیقت کے شیدائیوں اور ہدایت کے متلاشیوں کا کام ہے کہ وہ بھی تحقیق کا بیڑا اٹھائیں تاکہ جس طرح ڈاکٹر صاحب کا دل دس سالہ تحقیق عمیق کے بعد ایمان کی تجلی سے پر نور ہوا ہے ، ان کے دل بھی منور ہوجائیں ۔ البتہ ہدایت کے اس سفر میں یہ بات صادق آتی ہے کہ از تو حرکت ، ازخدا برکت یعنی ڈھونڈھنے والا حق کو ڈھونڈھے اور واقعی ظلمت الظلمات سے عزم ہجرت کرے کیونکہ ارشاد ربانی ہے :" وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" ظاہر ہے کہ تلاش حق کا یہ معاملہ انتہائی نازک اور سنجیدہ ہے کیونکہ اس کا تعلق جنت یا جہنم سے ہے نجات یا عذاب سے ہے لہذا کون چاہے گا کہ وہ جہنم کا ایندھن بنے ۔ پس متلاشی حق کو چاہیے کہ فرقہ واریت سے بالاتر ہوکر چراغ عقل کی روشنی میں غور فکر کرے اور اپنے ضمیر سے فیصلہ چاہے ۔کیونکہ ضمیر کی عدالت میں بندہ تنہا ہے اور خدا !

والسلام علی من اتبع الہدی

ناشر

فہرست

بۃ ا یلب 2

نیار و 3

اسوب تا یہ 7

قرآن ۔اہل سنّت اور اہل تشیّع کی نظر میں........ 10

سنت رسول ۔ اہل سنت او راہل تشیع کی نظر میں........ 17

شیعہ اور سنی عقائد 29

اللہ تعالی کے متعلق فریقین کا عقیدہ........ 30

نبوت کے بارے میں فریقین کا عقیدہ 34

فریقین کے نزدیک امامت کا عقیدہ 40

حقیقت کیا ہے ؟ 41

امامت قرآن کی رو سے.. 42

امامت سنّت نبوی کی رو سے.. 46

خلافت کے بارے میں اہل سنت کی رائے 51

1:- ولایت علی ع قرآن کریم میں.. 55

2:- آیہ تبلیغ کا تعلق بھی ولایت علی ع سے ہے...................................... 58

اکمال دین کی آیت کا تعلق بھی خلافت سے ہے..................................... 76

یہ دعوی کہ آیت اکمال عرفہ کے دن نازل ہوئی ـ.................................... 80

اس بحث کا ایک اہم جزو... 99

حسرت وافسوس 120

بحث کے آخر میں کچھ تبصرہ 128

امام علی ع کی ولایت کے دوسرے شواہد.. 138

شوری پر تبصرہ 143

مسئلہ تقدیر ۔ اہل سنت کی نظر میں 149

قضا وقدر کے بارے میں شیعہ عقیدہ 160

قضا وقدر کی بحث کے ضمن میں خلافت پر تبصرہ.. 165

رسول ص کے ترکہ کے بارےمیں اختلاف 168

1:- حدیث کی صحت اور عدم صحت کے بارے میں صحابہ میں اختلاف 178

ابو ہریرہ کا ایک اور قصہ.. 180

عائشہ اور ابن عمر کا اختلاف... 181

عائشہ اور ازواج نبی کا اختلاف 181

2:-سنت رسول ص کے بارے میں فقہی مذاہب کا اختلاف.. 185

3:-سنت رسول ص کے بارے میں شیعہ سنی اختلافات 186

خمس 197

تقلید 205

وہ عقائد جن پر سنت شیعوں کو الزام دیتے ہیں.. 214

ائمہ کی عصمت 220

عصمت ازروئے قرآن.. 221

عصمت ازروئے حدیث.. 222

ائمہ کی تعداد 227

ائمہ علم.. 229

بداء 234

تقیّہ 244

متعہ : معین مدت کا نکاح.. 255

مسئلہ تحریف قرآن 266

جمع بین الصلاتین 281

خاک پر سجدہ........ 293

رجعت 299

مہدی منتظر علیہ السلام 304

ائمہ کی محبت میں غلو 314